حکایات الاسلاف

عن

روایات الاخلاف

یعنی:
بُزرگانِ دین کی سبق آموز حکایات

مُرتبہ : اعجاز احمد خاں سنگھانوی

کُتب خانہ انور شاہ
۶۸۲/ بی۔ حضرت عثمان غنیؓ روڈ۔ کورنگی ٹاؤن شپ ۔ کراچی ۳۱

50.00

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب

حکایات الاسلاف

عن

روایات الاخلاف

یعنی

بزرگوں کی سچی حکایات

علمائے حق کی مستند، مؤثر اور دلپذیر حکایات کا مجموعہ

جلد اوّل

مرتبہ

اعجاز احمد خاں سنگھانوی ایم اے

اسلامیات، تاریخ اسلام، عربی

ناشر

کتب خانہ انور شاہ

۶۸۲/ بی حضرت عثمان غنی روڈ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی ۳۱/

نام کتاب ------- حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف جلد اوّل

مرتب ------- اعجاز احمد خاں سنگھانوی (ایم۔ اے)

کاتب ------- محمد رمضان

سائز ------- ۲۳ × ۱۸ / ۸

کل صفحات -------

قیمت --

ناشر -------

اس کتاب میں مندرجہ ذیل علماکرام کی حکایات درج ہیں

انتساب

والد مرحوم کے نام

والد محترم جناب فتح محمد خاں صاحب سنگھانوی رحمۃ اللہ علیہ بن جناب مولاداد خاں صاحب سنگھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مورخہ ۸، ۹، شوال المکرم سنہ ۱۴۰۴ھ کو (ہفتہ واتوار کی درمیانی شب) رات دو بجکر دس منٹ پر وصال پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط مورخہ ۸، جولائی سنہ ۱۹۸۴ء بروز اتوار استاذ محترم حضرت مولانا شمس الحق خاں صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث والتفسیر دار العلوم کراچی نمبر ۱۴ نے چار بجکر بیس منٹ پر نماز جنازہ پڑھائی اور بعد نماز عصر پاپوش نگر کے قبرستان میں آخری آرام گاہ کے سپرد کر دیا گیا۔ والد صاحب مرحوم کی عمر تقریباً ۸۴ سال تھی۔ مرحوم باشرع دین دار، نماز روزہ کے پابند اور صلہ رحمی کرنے والے تھے ہر شخص کی بلا امتیاز خدمت کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔

والد صاحب مرحوم کے انتقال کے تقریباً بیس روز بعد اُنکا پوتا اور میرا بھتیجا شاہ ضیا عالم بن عطا محمد خاں سنگھانوی مورخہ ۲۶ اور ۲۷ شوال المکرم سنہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۵، ۲۶، جولائی سنہ ۱۹۸۴ء کو (بدھ وجمعرات) کی درمیانی رات ۹ بجکر بیس منٹ پر ہسپتال میں انتقال کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط مرحوم کی نماز جنازہ بروز جمعرات بعد نماز ظہر استاذ محترم حضرت مولانا شمس الحق صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث والتفسیر دار العلوم کراچی نمبر ۱۴ نے پڑھائی۔ تدفین پاپوش نگر کے قبرستان میں ہوئی۔ مرحوم کی قبر دادا مرحوم کی قبر سے جانب مشرق چند قبروں کے بعد ہے عزیز موصوف نے قرآن شریف کے پچیس پارے پڑھ لئے تھے پانچ پارے باقی تھے اور اسکول کی چھٹی جماعت میں زیر تعلیم تھا۔

قارئین کتاب سے گذارش ہے کہ مرحومین کیلئے تین بار درود شریف، گیارہ بار سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اسکی بہترین جزا عطا فرمائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ[۱]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کے لئے عملی نمونہ پیش کر سکیں۔ حق تعالیٰ شانہ، نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنے عمل سے کتاب کی تفسیر کرے چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ دنیا میں رسول مبعوث ہوتے مگر انھیں کتاب نہیں دی گئی لیکن ایسی مثال کوئی ایک بھی نہیں ہے کہ صرف کتاب بھیج دی گئی ہو اور اس کے ساتھ رسول کوئی نہ آیا ہو۔ حق تعالیٰ جلّ ذکرہ کی یہ سنّت بتلاتی ہے کہ دین کو سمجھنے سمجھانے اور پھیلانے پہنچانے کا راستہ صرف کتاب ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ معزز ہستیاں بھی ہیں جو کتاب کا عملی پیکر بن کر اس کی تفسیر و تشریح کرتی ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے :۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ط (سورۂ احزاب)

تم لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات) میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔ (بیان القرآن)

---

[۱] مقدمہ کا اکثر حصّہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرّہٗ کے مضمون "دارالعلوم دیوبند اور اسکا مزاج و مذاق" مطبوعہ در ماہنامہ "البلاغ"، دارالعلوم کراچی ص جمادی الثانی ۱۹۹۱ھ اور آں موصوف کے دیگر مضامین سے لیا گیا ہے منہ ۱۲

لہٰذا دین کو سمجھنے کے لئے کتاب اللہ اور رجال اللہ، لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رض و تابعینِ عظام رح اور دوسرے بزرگانِ دین کے متواتر عمل سے ٹھیک ٹھیک سمجھا جا سکتا ہے اس کے بغیر دین کی تعبیر و تشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب کی اکثریت، جہالت، شرک، زنا، جوا، ظلم، بے حیائی اور بے دینی میں مبتلا تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرتے ہی اُن کی کایا پلٹ گئی، برسوں کے عیب آنِ واحد میں کافور ہو گئے۔ زندگی میں امن و آشتی، قلوب میں راحت و سکون، معاملات میں صفائی، اخلاق میں بلندی اور حیاتِ دنیوی میں جنت کی آسائشیں پیدا ہو گئیں۔ وہی عرب جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے دوسرے کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان قربان کرنے لگے۔ وہ لوگ جو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے آج اس بات پر مُصر ہیں کہ فلاں لڑکی کی پرورش کا مجھے زیادہ حق ہے۔ لوگوں کو لوٹنے والے پاسبان ملک و ملت بن گئے۔ جو دنیا کا مالِ غنیمت بنے ہوتے تھے خود مالک بحر و بر ہو گئے۔ یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپکے اتباع کی برکت تھی۔

وہ مسلمان جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا یا مسلمان ہو کر آپکی صحبت اختیار کی وہ عزت و عظمت کے اس بلند مقام پر فائز ہوتے کہ اس درجہ پر قیامت تک کوئی بڑے سے بڑا ولی اللہ، امام، غوث اور قطب نہیں پہنچ سکتا۔ امام ابو حنیفہ رح، امام مالک رح، امام احمد بن

حنبل رح، امام شافعی رح، جنید بغدادی رح، شبلی رح اور غزالی رح سب بڑے بڑے صاحبان علم و فضل اور بزرگ اشخاص تھے لیکن وہ ایک ادنیٰ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام قبول کرنے کے بعد صرف ایک مرتبہ دیکھا ہو۔ صحابہ کرام رض، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہکار اور کمالات نبوت کے آئینہ دار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رض کا تزکیہ و تصفیہ کیا اور اُن کے قلوب و وجود کو منور کر دیا۔ صحابہ رض کی سیرت اور اُن کے کردار سے حُسنِ نبوت آشکار ہوتا تھا۔ اُن کی زندگی نبی کی زندگی کا پرتو تھی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و کمالات کی جھلک نظر آتی تھی۔ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کی رسالت و صداقت کی دلیل تھے اصحاب رسول میں عدالت، طہارت اور شرف و کمال اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر تھا۔

صحابہ کرام رض میں یہ شرف و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے پیدا ہوا۔ معلوم ہوا کہ صحبت ایسی پُر تاثیر چیز ہے کہ ذرا سی دیر میں آدمی کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتی ہے۔ شیخ سعدی رح نے اسی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے | رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری | کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم | ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد | وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ان اشعار سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صحبت نہ صرف یہ کہ جاندار چیزوں میں اثر کرتی ہے بلکہ مادیات بھی اسکی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔

صوفیائے کرام نے بھی اصلاحِ نفس کے لئے صحبتِ نیک کو نہایت اہم اور ضروری قرار دیا ہے اور مختلف عنوانات سے اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

مشائخ طریقت نے بھی اپنی تصنیفات اور اپنے ملفوظات و مکتوبات میں جابجا تاکید فرمائی ہے کہ اصلاحِ احوال میں صحبت کو بہت بڑا دخل ہے۔ علامہ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے بزرگوں کے اقوال کی ترجمانی صرف ایک شعر میں مکمل کردی ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اس دور میں حق پرست اور اللہ والے بزرگ نایاب تو نہیں کمیاب ضرور ہیں پھر حالات کی مجبوریاں، کھانے کمانے کا فکر، آمد و رفت کی دشواریاں صحبتِ نیک اختیار کرنے میں سدِّ راہ ہیں۔ ایسی صورت میں صحیح اولیائے کرام کا ملنا اور ان تک پہونچنا اور اُن کی خدمت میں حاضر رہنا بہت مشکل ہے۔ اس دشواری کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بزرگانِ دین اور علمائے کرام نے بزرگوں کی حکایات اور اُن کے ملفوظات کو جمع کیا تاکہ ایسے حضرات جو صحبتِ نیک سے محروم ہیں یا کسی مجبوری کی وجہ سے بزرگانِ دین کی خدمت میں حاضری سے معذور ہیں اُن کے لئے ایسی کتابوں کا مطالعہ ہی صحبتِ نیک کا قائم مقام بن جائے۔

چنانچہ قدیم ایام سے یہ معمول جاری ہے کہ اکابر علمائے اسلاف اور اربابِ طریقت نے بزرگوں کی حکایات اور اُن کے ملفوظات و ارشادات اور حالاتِ حیات کو جمع کیا تاکہ لوگ اُن سے نفع اُٹھائیں۔ قصص الانبیاءؑ،

روضۃ الریاحین ، تذکرۃ الاولیاء ، حکایات الصالحین ، حکایات صحابہ رض ، حیاۃ الصحابہ رض اور ازواج ثلاثہ سب اسی مقصد کو پورا کرنے والی کتابیں ہیں ۔ ان کتابوں سے لوگوں کو جسقدر نفع ہوا وہ اظہر من الشمس ہے ۔ یہ کتابیں لوگوں کی زندگیاں بنانے میں پوری پوری معاون ثابت ہوئی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام اور مشائخ عظام نہ صرف یہ کہ طالبین کو ان کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب و تاکید فرماتے رہے بلکہ اُن کی خانقاہوں میں روزانہ ان کتابوں کے پڑھنے اور سنانے کا معمول چلا آتا ہے ۔

یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ جن بزرگوں سے انسان کو خاندانی انتساب اور محبّت ہوتی ہے اُن کی حکایات اور اُن کے ملفوظات وحالات سے خاص انس اور اُن کے اعمال واقوال کے اتباع کی جانب خاص کشش ہوتی ہے ۔ آج کے حالات کا تقاضا تھا کہ بزرگانِ قریب کے حالات وحکایات میں بھی کوئی کتاب مرتب ہو جاتی تاکہ اصلاح احوال واعمال میں مددگار ثابت ہو ۔ اس فتنہ و فساد بھرے دور میں اصحابِ کمال اور اربابِ حال کا پتہ لگانا بھی کارے دارد ہے ۔ عوام صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر سکتے ۔ ایسے بھی لوگ ہیں جن کے پاس دین کا ایک شوشہ بھی نہیں ہے لیکن وہ خانقاہ وسجادہ کو سنبھالے بیٹھے ہیں نماز روزہ سے انہیں کوئی کام نہیں ہے مریدوں سے روپیہ بٹورنا اور دادِ عیش دینا اُن کی زندگی کا معمول بن گیا ہے علم وآگہی سے تہی دست ہیں لیکن انھیں زعم ہے کہ علم وعرفان ان کے گھر کے دربان ہیں ۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اصلاح نفس کے لئے اخلاص اور اخلاق حسنہ کی تحصیل ضروری ہے ۔ فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل

مثلاً حسد، کینہ، ریا، عجب، کبر، حُبِّ جاہ و حُبِّ مال اور دوسرے اخلاقِ ذمیمہ سے نجات حاصل کرنا لازمی ہے۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت، محاسبۂ نفس کی عادت، صفائیِ معاملات، صدق و امانت اور حقوق العباد کی اہمیّت اور نفس پر قابو رکھنا انتہائی مستحسن ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کا خاندان نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علم کا صحیح وارث اور شریعت و طریقت کا جامع ہے۔ وہ دن کو علم و دانش کے مسند نشین تھے اور قال اللہ و قال الرسول اُن کا دن بھر کا مشغلہ تھا۔ رات کے وقت تہجد و ذکر اللہ اور محبّتِ الٰہی میں گریہ و بکا، اُن کا معمول تھا ہندوستان میں حدیث نبوی ص کی تعلیم کے جملہ سلسلے خاندانِ ولی اللّٰہی پر منتہی ہوتے ہیں۔ یہ جبّہ و دستار کے امین اور شریعت و طریقت کے راہ رو تھے۔

خاندانِ ولی اللّٰہی کے علمی و روحانی وارث اور اُن کے خاص مشن دعوت توحید و سنّت کے علمبردار اکابر علماء دیوبند و سہارنپور ہیں۔ ان حضرات کی تصانیف ان مضامین سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔ اُن کے اخلاق، اخلاقِ نبوی ص کا پرتو، اُن کے معاملات و اعمال سنّت کے مطابق اور اُن کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اسکی ترازو میں تلی ہوئی۔

انہیں رسوم سے بے پرواہ، بے گانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا۔ اُن کے اتباعِ سنّت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع اور محیط پایا۔ وہ مجتہد تھے۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح اور معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا،

ضبط نفس اور ایثار و انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضائے الٰہی بنیادی چیزیں ہیں۔

دار العلوم دیوبند کے قیام کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رکھا جائے اس لیے اس کا مسلک یہ رہا ہے کہ دین صرف کتابی حروف و نقوش کا نام نہیں ہے اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول بھیجا تاکہ وہ اپنے عمل سے کتاب کی تفسیر کرے۔ کتاب اللہ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ مومن کو خدا سے قریب کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ سب راستے گمراہی و ضلالت کی طرف لے جانے والے ہیں۔

دار العلوم دیوبند اپنے عہد شباب میں محض ایک علمی درسگاہ نہیں تھی جس میں طلبہ کو صرف کتابوں کے حروف و نقوش اور صرف علم کا ظاہری خول دیا جاتا ہو بلکہ یہ ساتھ ساتھ ایک عملی تربیت گاہ بھی تھی، جہاں علم کے ظاہری بدن میں عمل صالح اور اخلاقِ فاضلہ کی روح بھری جاتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صرف ظاہری علوم ہی سے آراستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے جن کی ہر ہر نقل و حرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ العزیز راوی ہیں کہ اُن کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ دار العلوم دیوبند کے قرنِ اوّل کے طلبہ میں سے تھے اور دار العلوم دیوبند ہی میں مدرس بھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"ہم نے دار العلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے جب اس کے ایک چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے گونجتا تھا"

چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دار العلوم دیوبند سے تیار ہوئیں، انہوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کئے ہیں کہ آج اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا، وہ جہاں بیٹھ گیا، ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھا۔ علم اگر روح عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن دار العلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا۔ بلکہ اس میں اخلاق و عمل اور عشق و محبت کا سوز و ساز بھی شامل تھا۔ اس کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا وہاں ہر شخص علم و عمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء اور خودداری کے حامل تھے اور دوسری طرف فروتنی، خاکساری اور ایثار و زہد کے جذبات سے معمور۔

دار العلوم دیوبند کا اصل مقصد چونکہ دین کی حفاظت تھا اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہو سکتا تھا جب تک ایک جماعت دوسرے ہر کام کو چھوڑ کر صرف اسی مقصد کی نہ ہو رہے اس لئے انہوں نے دنیوی مناصب اور عہدوں سے قطع نظر کر کے اور خود پیٹ پر

پتھر باندھ کر اس خدمت کو انجام دیا، لیکن عام مسلمانوں کی مادّی ترقی کی فکر انھیں ہمیشہ دامن گیر رہی اور انھوں نے ہر اُس پُرخلوص تحریک کے ساتھ مقدور بھر تعاون کیا جو دین کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور مادّی ترقی کا مقصد لے کر آگے بڑھی، ہاں جس جگہ مادّی ترقی کے شوق میں انہیں دین پامال ہوتا نظر آیا وہاں وہ دین کی حفاظت کے لئے سدِّ سکندری بن گئے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دو سو سال انگریز اور ہندو کی دوہری چکّی میں پسنے کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے دین آج بھی اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔

انگریزوں نے نظام تعلیم کو بدل کر مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے انگریز کا غلام بنا دینے کی جو سازش کی تھی اس کا تدارک دارالعلوم کے ذریعہ سے کیا گیا جس میں حریت ومساوات، اخلاق واعمال اور دین ومذہب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آزادیٔ فکر اور جذبۂ جہاد پیدا کیا جاتا تھا نیز طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزمائی کا پورا حوصلہ پیدا کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کی سازش اور اپنوں کی سادہ لوحی سے جو فتنے اُٹھے دارالعلوم دیوبند کے فضلاء اس کے لئے سدِّ سکندری ثابت ہوئے اور فتنوں کا جڑ سے صفایا کر دیا۔ اگر کچھ فتنے باقی بھی رہے تو ان میں وہ جوش وخروش باقی نہ رہا اور اُن کی تلبیسات سے عوام واقف ہو گئے۔ یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ انگریزی دورِ حکومت میں جس قدر فتنے پیدا ہوئے اُن سب کا تریاق دیوبند کے علماء بوریہ نشین کے پاس ہی دستیاب ہوا۔

دارالعلوم نے "مدرسہ" و "خانقاہ" اور "علم" و "عمل" کو یکجا

کر دیا ہے۔ قرونِ وسطیٰ سے علومِ ظاہرہ اور تزکیۂ نفس و علومِ باطنہ کی تعلیم عملاً جُدا جُدا ہو گئی تھی۔ لیکن اکابر دیوبند نے دونوں کو ایک ساتھ جمع کر کے اسلافِ اُمّت کی صحیح یادگار قائم فرمادی۔

دارالعلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیّتیں پیدا کی ہیں اتنی شخصیّتیں کم ہی کسی علمی درسگاہ کے حصّہ میں آئی ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، حضرت علاّمہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ، حضرت علاّمہ شبیر احمد عثمانی رحؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحؒ اور نہ جانے علم و عمل کے کیسے کیسے آفتاب ماہتاب اس درسگاہ سے پیدا ہوئے جن میں سے ہر شخص ایک مستقل جماعت کی حیثیت رکھتا تھا۔

اس کتاب میں خاندان شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحؒ سے نسبی یا علمی و باطنی انتساب رکھنے والے حضرات علمائے دیوبند و سہارنپور کے اکابر علماء و صوفیاء کی ایسی سبق آموز حکایات درج کی گئی ہیں جو انتہائی سبق آموز اور نتیجہ خیز ہیں۔ اُن کے پڑھنے سے زندگی کی حقیقی راہ ملتی ہے اور نیک اعمال کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر حکایت مستند حوالہ کے ساتھ درج ہے اور متعلقہ حکایت کا حوالہ اسی کے ساتھ درج کیا گیا ہے تاکہ قاری کو کسی قسم کا اشکال پیدا نہ ہو

دوسری بات یہ ہے کہ اس کتاب میں ستّر کے قریب علماء کرام کی مؤثر حکایات مستند کتابوں اور رسالوں سے لی گئی ہیں۔

ان حکایات کو جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں سے پوری پوری واقفیت حاصل کریں تاکہ ان میں راست بازی، دیانت داری، خوش معاملگی، حسنِ اخلاق، صبر و استقلال، اخوت و مساوات اور عدل و انصاف کے جوہر پیدا ہوں۔

اُمید ہے کہ قارئین اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے اور ان شاء اللہ یہ کتاب آئندہ کام کرنے والوں کے لئے "سنگِ میل" ثابت ہو گی۔

احقر ابو محمد سنگھانوی
یکم ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ



(۱)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک صاحب مطبع میں ملازم رکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا:-

"علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں۔ البتہ قرآن کی تصحیح کر لیا کروں گا۔ اس میں دس۱۰ روپے دے دیا کرو۔"

اسی زمانہ میں ایک ریاست سے تین سو روپیہ ماہوار کی نوکری آگئی۔ مولانا نے جواب لکھا:-

"آپ کی یاد آوری کا شکر گذار ہوں مگر مجھ کو یہاں دس۱۰ روپے ملتے ہیں جس میں پانچ روپے تو میرے اہل وعیال کے لئے کافی ہو جاتے ہیں اور پانچ روپے بچ جاتے ہیں۔ آپ کے یہاں سے جو تین سو روپیہ ملیں گے۔ اُن میں سے پانچ روپے تو خرچ میں آئیں گے اور دو سو پچانوے روپے جو بچیں گے میں اُن کا کیا کروں گا۔ مجھ کو ہر وقت یہی فکر رہے گا کہ اُن کو کہاں خرچ کروں۔"

غرض تشریف نہیں لے گئے۔ اللہ اللہ کیا تواضع اور زہد ہے۔ [۱]

(۲)

ایک درویش مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں امتحان درویشی لینے بڑے تزک و احتشام سے آئے بہت سے گھوڑے اور خادم اور بھنگی اور گھسیارے وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ مولانا نے سب کی دعوت

---

۱ خیر المال للرجال صہ۴۳۔

کی اور شاہ صاحب اور ان کے مخصوصین کی خدمت کے لئے مولانا نے اپنے خادم مقرر کئے اور خود شاہ صاحب کے نوکروں کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ شاہ صاحب کے نوکروں اور بھنگیوں کو اپنے ہاتھ سے اسی شان کے برتنوں میں کھانا کھلایا جیسے برتنوں میں خود کھاتے تھے۔ درویش مولانا کا یہ انکسار اور خلق دیکھ کر مولانا رح کے کمال کے قائل ہو گئے۔ [۱]

(۳)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے عشاء کے وقت مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس کا جواب دیدیا۔ مستفتی کے جانے کے بعد ایک شاگرد نے عرض کیا کہ مجھے یہ مسئلہ یوں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو اور مستفتی کو تلاش کرنا شروع کیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ:۔

"اس وقت رات زیادہ ہو گئی ہے۔ آپ آرام فرمایئے ہم صبح ہونے پر اس کو بتلادیں گے"۔

لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور اس کے مکان پر تشریف لے گئے۔ گھر میں سے اس کو بلایا اور فرمایا کہ:۔

"ہم نے اس وقت مسئلہ بتلایا تھا۔ تمھارے جانے کے بعد ایک شخص نے صحیح مسئلہ ہم کو بتلایا اور وہ اس طرح ہے"۔

جب یہ فرما چکے تب چین آیا اور واپس آکر آرام فرمایا۔ [۲]

---

[۱] شوق اللقاء صـ۳۱ [۲] طریق النجاۃ صـ۴۲۔

(۴)

ایک بار جاڑے کے دنوں میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رضائی تو کسی مہمان کو دے دی۔ پھر مولانا رشید احمد گنگوہی رح سے ان کی اپنے لئے رضائی مانگی تو فرمایا اپنی رضائی کیوں دوسرے کو دے دی میں تو اپنی رضائی نہیں دیتا۔ جب انہوں نے کہا حضرت میں رات بھر جاڑے مروں گا تب دو[۲] شرطوں سے دی ایک یہ کہ تہجد کے وقت مجھے واپس کر دینا کیونکہ لحاف اوڑھ کر مجھ سے نہ اٹھا جائے گا اور دوسرے کسی اور شخص کو مت دینا تاکہ کسی کی جوں نہ چڑھ جاوے[۱]

(۵)

ایک بار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :۔

"جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے۔ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب سے مجھ کو اتنی نہیں"

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سُن کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے فرمایا کہ :۔

"اب تو ماشاء اللہ آپ کی حالت باطنی حضرت حاجی صاحب رح سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے"

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :۔

"لاحول و لا قوۃ، استغفر اللہ، بھلا کہاں حضرت، کہاں

---

[۱] حسن العزیز ج ۱ ص ۲۳۹ ۔

میں ؏ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک ۔ مجھے اس بات سے بڑی تکلیف ہوئی ۔ بڑا صدمہ ہوا ۔"

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ :۔

" خیر آپ اُن سے بڑھے ہوئے نہ سہی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ تکلیف آپ کو کیوں ہوئی ۔ بس یہی ہے محبت ۔ آپ تو کہتے تھے مجھے حضرت سے محبت ہی نہیں ۔ اگر محبت نہ تھی تو یہ صدمہ کیوں ؟ ویسے ہی اپنی فضیلت کی نفی کر دیتے ۔ بس یہی محبت ہے ۔"

حضرت مولانا گنگوہی رحؒ نے فرمایا کہ :۔

" بھائی تم بڑے استاد ہو ۔" [1]

بڑی ہی بے تکلفی تھی آپس میں ۔

(۶)

ایک جگہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحؒ بھی شریک تھے ۔ ایک صاحب بولے کہ :۔

" خیر وعظ کی مجلس میں بیٹھنے کا ثواب تو ہو گیا ۔ باقی سمجھ میں کچھ نہیں آیا ۔ اگر مولانا عام فہم مضامین بیان فرمایا کریں تو کچھ نفع بھی ہو ۔"

حضرت مولانا گنگوہی رحؒ سن رہے تھے فرمایا کہ :۔

" افسوس ہے شاہباز عرش سے درخواست کی جاتی ہے کہ زمین پر اڑے ۔"

---

[1] حسن العزیز جلد اول ص ۲۵۶ ۔

ف: مولانا محمد قاسم صاحب رح فرمایا کرتے تھے کہ:-
"میں وعظ میں جو کہیں کسی قدر رک جاتا ہوں تو سوچنے کی غرض سے نہیں بلکہ مضامین کا اس قدر ہجوم اور تواتر ہوتا ہے کہ پریشان ہو جاتا ہوں، سوچتا ہوں کہ کس کو مقدم کروں، کس کو مؤخر کروں"۔ لے

(۷)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں ایک دفعہ اعظم گڑھ گیا اور اس ضلع میں چھوٹا سا گاؤں تھا اسٹیشن سے چار میل دور، وہاں کے لوگوں نے مجھے بلایا تو وہاں سے جب فارغ ہوا اور ریل رات کو گیارہ بجے جاتی تھی، سردی کا زمانہ تھا تو لوگوں نے کہا کہ سردی کا زمانہ ہے، اندھیری رات ہوگی، بارشیں ہو رہی ہیں۔ اسلئے رات کو جانے میں تکلیف ہوگی، اس لئے مناسب ہے کہ عصر کے وقت اسٹیشن پہونچا دیا جائے، رات کو ٹرین آئے گی تو سوار ہو جائیں گے۔ حضرت کو سوار کر کے اسٹیشن لائے جو بہت چھوٹا سا تھا نہ ویٹنگ روم نہ مسافر خانہ، ایک ہی کمرہ تھا دفتر کا اور اسی سے ملا ہوا مال گودام تھا، بوریاں وغیرہ رکھی تھیں۔ اسٹیشن ماسٹر ہندو تھا مگر بھلا آدمی۔ اس نے دو چار بوریاں ہٹائیں اور مصلے کی جگہ بنائی اور کچھ آرام کی جگہ ہو گئی۔ حضرت سے کہا کہ آرام سے بیٹھیں، فرماتے تھے جب مغرب کا وقت ہوا تو میں نے نماز پڑھی اس کے بعد سنتیں اور اس کے بعد نفلوں کی نیت باندھی تو وہ اسٹیشن ماسٹر ایک لیمپ لیکر آیا تاکہ روشنی ہو جائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:-
"معاً مجھے یہ خطرہ ہوا کہ مال گودام کے لئے گورنمنٹ نے کوئی لیمپ

لے حسن العزیز جلد اوّل صـ ۳۸۲۔

رکھا نہیں ہے۔ یہ محض میری وجہ سے لایا ہوگا، تو میں گویا غاصب ٹھہرا میرے لئے حق نہیں کہ اسے استعمال کروں۔ نماز میں ایک بے چینی شروع ہوگئی کہ اے اللہ تو نے ہمیشہ مجھے مشتبہ چیزوں سے بچایا ہے۔ یہ مشتبہ چیز آرہی ہے جس کا مجھے حق نہیں اسلئے تو ہی بچانے والا ہے"۔

حضرت تھانوی رح فرماتے تھے کہ بمشکل میں نے دو رکعتیں ختم کیں اور اس نے لیمپ رکھا نہیں بلکہ لئے کھڑا رہا جب میں نے سلام پھیرا تو اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ :۔

"میں یہ لیمپ لے کر آیا ہوں اور یہ اسٹیشن کا نہیں میرا ذاتی ہے اس لئے لایا کہ اندھیرے کی تکلیف نہ ہو"

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ میں نے اتنی دعائیں کیں اس کے حق میں کہ اتنی رعایت ہے اس لئے اس نے خود محسوس کیا کہ مجھے حق نہیں لہٰذا اپنے گھر سے لایا۔

ف : جب طبیعت میں سلامتی ہو تو کافر بھی ہو قدرت رہنمائی کرتی ہے۔ بشرطیکہ مذہب کا کوئی جذبہ موجود ہو اخلاقی قدریں اس کے اندر ہوں۔ متقی جب تقویٰ تک پہنچ جائے تو حق تعالیٰ ایسے راستے پیدا فرما دیتے ہیں کہ مشتبہات سے بھی بچاتے مگر یہ جب ہی ہوتا ہے کہ تقویٰ باطنی کی عادت ڈالے جو تقویٰ ظاہر کا ہے وہ تو یہ ہے کہ بُرا عمل نہ کرے ناجائز نہ کرے۔ ہر کام جائز عمل کی حد میں اور ایک ہے باطنی تقویٰ وہ زیادہ دقیق ہوتا ہے ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی جب تک کہ اعلیٰ درجہ کا متقی نہ ہو۔ [1]

---

[1] الحق ص۸۔ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

(۸)

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ رام پور تشریف لے گئے۔ نواب کلب علی خاں کا زمانہ تھا۔ نواب صاحب نے بلوا بھیجا کہ:-

"آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن مجھے زیارت کا بے حد اشتیاق ہے۔"

مولانا نے اوّل تہذیب کا جواب کہلا بھیجا کہ:-

"میں ایک کاشتکار کا بیٹا ہوں۔ آداب دربار سے ناواقف ہوں کوئی بات آداب دربار کے خلاف ہوگی تو یہ نازیبا سا ہے۔"

نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ:-

"آپ کے لئے سب آداب معاف ہیں۔"

پھر مولانا نے کہلا بھیجا کہ:-

"وہ جواب تو تہذیب کا تھا۔ اب ضابطہ کا جواب دینا پڑا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ملاقات کا اشتیاق ہے۔ سبحان اللہ اشتیاق تو ہو آپ کو اور حاضر ہوں میں یہ عجیب بے جوڑ بات ہے۔"

پھر نواب صاحب کی ہمت نہ بلانے کی ہوئی نہ خود حاضر ہونے کی۔[۱]

(۹)

ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ

---

[۱] حسن العزیز ج ۱ ص ۳۸۱۔

تشریف لائے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کی صاحبزادی کی عمر کوئی تین سال کی تھی۔ حضرت حاجی صاحب رح نے اسکے ہاتھ میں پانچ روپیہ شیرینی کے دیئے۔ حضرت گنگوہی رح کی صاحبزادی نے وہ روپیہ لے کر حضرت کے قدموں میں رکھ دیئے پھر دیئے اس نے ایسا ہی کیا ہر چند حضرت نے پھسلایا کہ تو میری بیٹی ہے لے لے مگر اس نے مانا ہی نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

"آخر تو فقیر کی بیٹی فقیر ہی ہے"

اس کے بعد یہ دعا فرمائی :۔

"این دختر صاحب نصیب است۔ و ہیچ عسرتے در دنیا نہ بیند زاہد و صالح خواہد شد"	یہ بچی صاحب نصیب ہے اور دنیا میں خوشحال رہے گی۔ زاہدہ اور صالحہ ہوگی۔

اس کے بعد حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہ نے فرمایا :۔

"الحمد للہ! میری بیٹی کو دنیا کی محبت بالکل نہیں"

ف : بچوں پر شفقت تو عام بزرگوں کی عادت ہے مگر روپیہ بھی دینا اور ایسے زمانہ میں کہ اس وقت کے پانچ کسی طرح بھی اس وقت کے پچاس ساٹھ سے کم نہ تھے۔ یہ مال سے بے تعلقی کی اعلیٰ دلیل ہے اب تو اکثر مشائخ لینا ہی جانتے ہیں پانچ پیسے بھی ہاتھ سے ڈالنا مشکل ہے[1]

(۱۰)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد

---

[1] امداد المشتاق صد ۱۸۹۔

فرمایا کہ ایک شخص نے مجھے کیمیا کا نسخہ بتایا اور کہا کہ اس نسخہ اکسیر سے سونا بنتا ہے۔ میں نے اُس بہوس سے کہا کہ :-

"میں ہندوستان کو چھوڑ کر مکہ معظمہ میں جو آیا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تلاش کے لئے آیا ہوں کیمیا کی تلاش میں نہیں آیا"

ف : اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استغنا عن الدنیا ظاہر ہوا۔[1]

(۱۱)

پیر جیو محمد جعفر صاحب ساڈھوروی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دن عرض کیا کہ :-

"حضرت کیمیا مرکبات سے بنتی ہے یا قدرتی جمادات سے"

مولانا گنگوہی رح نے فرمایا :-

"کیمیا مرکبات سے بنتی ہے مگر تم اس کو ہرگز نہ سیکھنا ایک شخص نے مجھ کو کیمیا کا نسخہ بتایا تھا میں نے کبھی اس نسخہ کے بنانے کا ارادہ بھی نہیں کیا اور نہ وہ نسخہ اب میرے یاد رہا"[2]

(۱۲)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی معتقد نے ایک چادر بیش قیمت اور ایک عدد زیور طلائی بی بی صاحبہ (یعنی اہلیہ محترمہ) کی ملک کر کے بھیجا تو حضرت نے اہلیہ محترمہ سے فرمایا :-

"فی الحقیقت چادر اور زیور سے دل خوش ضرور ہوتا ہے، لیکن چند

---

[1] امداد المشتاق صـ ۱۹۰ [2] تذکرۃ الرشید صـ ۲۳۵ ۔

روز کے استعمال سے یہ دونوں ہی چیزیں خراب ہو جائیں گی۔ یہ کام اس ریشمین چادر سے نکلے گا، وہی لٹھے کی سفید چادر سے بھی نکل سکتا ہے، کسی مستحق کو دے دو ــــــ خداوند تعالیٰ اُن کے عوض، عاقبت میں پائدار لباس اور زیور عطا فرمائیں گے"۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ یہ صحابۂ کرام رضؓ کی زندگی کے مطابق زندگی گذارنے والا عالم جو خود اپنی ہی حد تک تیار نہیں بلکہ اس کی بیوی بھی اسی رضا و رغبت کے ساتھ راہِ خدا میں دینے کو آمادہ ہے چنانچہ :۔

"بی بی صاحبہ نے فوراً چادر ریشمین اور طلائی زیور دونوں کو دے دیا اور دل پر میل نہ آیا"۔

ف: ربّ العٰلمین بال بال مغفرت فرمائے آمین، بیسویں صدی میں وہ نمونہ قائم فرما گئے جو عہدِ نبوت میں نظر آتے ہیں۔ ؎

(۱۳)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ عشاء کے بعد دودھ استعمال فرماتے تھے، چنانچہ جوں ہی آپ تشریف لاتے اہلیہ محترمہ دودھ کا پیالہ لے کر حاضر ہوتیں مگر آپ ذوقِ عبادت میں نوافل کی نیت باندھ لیتے اور رات بھر اسی طرح عبادت میں گذار دیتے اہلیہ محترمہ کا بیان ہے :۔

"کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت نے نوافل میں پوری شب گذار دی، اور میں بھی پوری شب پیالہ لئے کھڑی کی کھڑی رہ گئی"۔

؎ ماہنامہ دارالعلوم صـ۱۱ جولائی ۱۹۵۵ء۔

اللہ اللہ بیوی ہو تو ایسی، آج اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہمارے اسلاف نے جہاں اوروں پر اثر ڈالا، وہاں سب سے زیادہ اپنی "بیوی" ہی پر اثر ڈالا۔ خود حضرت نانوتوی رحہ ہی کی اہلیہ محترمہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ :-

"اذان کی، "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" پر کام کو چھوڑ کر، اس طرح اُٹھ جاتی تھیں کہ گویا اس کام سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ تھا، بالکل ہر چیز سے بے گانہ بن جاتیں"

ف :- کاش مسلمانوں کی تمام عورتوں میں دین کا یہی شغف پیدا ہو جاتا۔ پھر مسلمانوں کے اعمال و اخلاق میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا اور پوری مسلمانی دنیا سنور جاتی۔ ؎۱

(۱۴)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی جناب مولوی ابو حبیب صاحب مرحوم کو گاؤں کی مسلمان بی بیوں کو اسلام کی صحیح تعلیم سے آشنا کرنے کی دھن تھی اور اس کے لئے وہ ہفتہ میں ایک دن اُن کے سامنے اس طرح وعظ و تلقین فرماتے تھے کہ سید سلیمان ندوی صاحب (جو ابھی بچّے ہی تھے) بی بیوں کے بیچ میں بیٹھ کر مولانا شاہ اسماعیل شہید رحہ کی "تقویۃ الایمان" پڑھتے تھے اور اُن کے بڑے بھائی صاحب مرحوم پردہ کے پیچھے سے اسکی تشریح کرتے، اس طرح بھائی جو کچھ کہتے وہ سید صاحب کے دل میں بھی بیٹھتا جاتا۔ چنانچہ اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں :-

"یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور

؎۱ ماہنامہ دارالعلوم ص۱۲ نومبر ۱۹۵۵ء۔

ایسی سکھائیں کہ اثنائے تعلیم ومطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں اور کتنی دفعہ خیالات کے طوفان اُٹھے مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں اُن میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکی، علم کلام کے مسائل، اشاعرہ ومعتزلہ کے نزاعات، غزالی ورازی وابن رشد کے دلائل یکے بعد دیگرے نگاہوں سے گذرے مگر اسماعیل شہید رح کی تلقین بہر حال اپنی جگہ پر قائم رہی[1]"۔

(۱۵)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رح کو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح سے بڑی عقیدت تھی جب اُن میں تصوّف وسلوک کا ذوق پیدا ہوا تو پہلے مولانا مدنی رح ہی کی جانب اُن کا میلان ہوا اور اُن ہی سے بیعت کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ایک روز خواب میں دیکھا کہ :-

"ایک پلنگ پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ تشریف فرما ہیں اور اسی کے پاس ایک دوسرے پلنگ پر وہ خود مولانا حسین احمد صاحب رح کے ساتھ بیٹھے ہیں یکایک مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح اپنی جگہ سے اُٹھے اور سید صاحب کا ہاتھ پکڑ کر مولانا اشرف علی رح کے سامنے پیش کر کے فرمایا "ان کو میری طرف سے قبول فرمالیں"، اسی خواب کے بعد وہ مولانا تھانوی رح کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے"۔

اس انقلاب کے بعد سید صاحب کے پاس بہت سے خطوط آئے کہ :-

---

[1] معارف، سلیمان نمبر ص۲۰۔

"ان کے جیسے فاضلِ اجل اور محقق کو ایک پرانے طرز کے عالم کے سامنے سر جھکانے کی کیا ضرورت تھی"۔

اس کے جواب میں اکثر نجی صحبتوں میں فرماتے تھے کہ :-

"یہ لوگ مجھ کو زبان سے تو فاضل اور محقق کہتے ہیں، مگر درحقیقت مجھ کو بے عقل جانتے ہیں۔ آخر اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے کہ اُن کے خیال کے مطابق اگر واقعی محقق اور علامہ دہر ہوں تو کیا بلا وجہ میں نے مولانا تھانوی رح کا دامن تھاما؟ ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ میں نے اپنے اندر کوئی تو کمی پائی جس کی تکمیل کے لئے وہاں گیا"۔

ف : ایک نجی خط میں تحریر فرمایا :-

"علماء پر فرائض کا بار عام مسلمانوں سے زیادہ ہے اس لئے اگر وہ درست نہ ہوں تو اُن پر عذاب دوسروں سے زیادہ ہے۔ معاملہ دماغ کا نہیں قلبِ سلیم اور قلبِ منیب کا ہے، نفس کا نہیں روح کا ہے............... صرف تسبیح اور مراقبہ سے کچھ نہیں ملتا، جب تک دل کا تعلق دل والے سے نہ ہو"۔ [۱]

(۱۶)

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور اہل علم اور صاحبِ قلم کے ہمراہ دہلی سے لکھنؤ جا رہے تھے۔ راستہ میں موصوف نے مولانا سیوہاروی سے کہا کہ :-

---

[۱] معارف ص ۶۸، سلیمان نمبر۔

"پاجامہ اور دھوتی کی جنگ ختم کرنے کے لئے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی طرح مغربی لباس تیار کر لیا جائے؟"

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے فوراً اتڑاق سے جواب دیا کہ :-

"اگر مسلمانوں نے ہندوؤں سے مرعوب ہوکر اسی طرح اپنی قومی تہذیب اور ملّی تمدّن کو چھوڑ کر مغربی تہذیب و تمدّن کو اختیار کر کے اپنی عافیت و اطمینان کا سہارا ڈھونڈا تو پھر بات ہی کیا ہوتی؟ اور یہ تو کسی آزاد ملک کے ایک آزاد باشندہ کی زندگی نہ ہوتی۔ اُسے میں ہرگز پسند نہیں کرتا۔" [۱]

(۱۷)

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے دوران حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحؒ دہلی شہر کا گشت لگا رہے تھے۔ اچانک دیکھا کہ کچھ نہتے مسلمان کسی مومن کی نماز جنازہ کی تیاریاں شروع کر رہے ہیں، جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے۔ مولانا تیزی سے اس مقام پر پہونچے تو صف بندی ہو چکی تھی۔ مولانا کی نظر اچانک سامنے پڑی تو دیکھا کہ چند فوجی اسلحہ سے لیس چلے آرہے ہیں۔ مسلمانوں کو صف باندھے دیکھ کر فوجیوں نے گولی چلانے کا ارادہ کر لیا اور بندوقیں سیدھی کر لیں۔ اگر چند لمحے اسی طرح بیت جاتے تو اُن میں سے کوئی نہ بچتا۔ مولانا اس منظر کو دیکھ کر موٹر سے کودے اور آناً فاناً اس درندہ صفت فوجیوں کے سامنے جا دھمکے

---

[۱] بیس بڑے مسلمان ص ۹۴۳۔

اور گرج کر پوچھا :-

"ان نہتے مسلمانوں پر گولی چلانے کا تمھیں کس نے اختیار دیا ہے؟"

فوجی مولانا کی اس بے باکی اور غیر معمولی جرأت پر حیران رہ گئے۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ :-

"یہ سب مسلمان مل کر ہم پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں"

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا :-

کیا یہ نہتے مسلمان جن کے سامنے ایک بھائی کا جنازہ رکھا ہے تم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کے خون سے اس طرح ہولی کھیلو تو یہ حفظ الرحمٰن کی زندگی تک ممکن نہیں میں ہرگز یہ نہیں ہونے دوں گا" ۱؎

(۱۸)

ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ آٹھ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ ملّاواں سے چلے آپ کے والد کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا جس میں طوطی تھی۔ آپ جب کنویں کے کھیت پر پہونچے تو آپ کے والد نے کونی یعنی کاکن کے درخت کا ایک خوشہ توڑ کر جانور کے پنجرہ میں دے دیا۔ مولانا مرحوم نے منع کیا۔ آپ کے والد نے اُسے خفیف سمجھ کر نہیں مانا اور چلے گئے۔ جب آپ کے والد بیس پچیس قدم چلے گئے تو دیکھا کہ مولانا مرحوم میرے پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ وہیں کھیت پر کھڑے

۱؎ بیس بڑے مسلمان ص ۹۲۴ .

ہیں۔ پکارا کہ آؤ کیوں کھڑے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ :-

"جب مالک کھیت کا آوے گا تو اس سے معاف کرا کر آؤں گا کہ خوشہ ہمارے پنجرہ میں ہے"

آپ کے والد نے کم سنی کے سبب سے نہیں چھوڑا اور کہا کہ :-

"لو ہم نہیں لے جاتے ہیں"

پنجرہ کھول کر خوشہ کو پھینک دیا۔ تب آپ وہاں سے تشریف لے چلے۔

ف : بچپن میں اتباع شریعت کا کیسا اہتمام تھا۔ اور عادت کے پختہ ہونے کا یہی زمانہ ہے اگر بچپن کھیل کود میں گنوا دیا اور عبادت کی طرف توجہ نہ کی تو بڑی عمر میں عبادت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ [۱]

(۱۹)

ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مکان سے ہم دہلی گئے اور شاہ عبدالعزیز صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ صاحب رح نے حدیث مسلسل بالاولیت سنائی اور چند اور بھی حدیثیں، اس وقت مرزا حسن علی صاحب محدث لکھنوی رح اور مولوی عبدالصمد صاحب رح وغیرہ بیٹھے تھے۔ اُن سے فرمایا کہ :-

"اگر یہ لڑکا چار مہینے بھی ہمارے پاس ٹھہرے تو ہم حدیث پڑھا دیں"

مولانا فضل رحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ :-

"حضرت مجبور ہوں، میری والدہ نے مجھے ایک ہی مہینہ کی

---

[۱] تذکرہ فضل رحمٰن صد ۲۹۔

اجازت دی ہے اس سے زیادہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔"

ف: سبحان اللہ ماں کی فرمانبرداری کا کس قدر اہتمام تھا۔[۱]

(۲۰)

ایک مرتبہ کسی دعوت میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کا تعارف ایک ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص سے کرایا گیا جو کسی اونچے مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور عیسائی ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں عیسائیت کی تبلیغ کا بڑا زور تھا اور عیسائی مشنریوں کے اثر اور مشن اسکولوں میں تعلیم پانے کی وجہ سے بہت سے خاندانی مسلمان عیسائیت قبول کر رہے تھے۔ اس عیسائی نے آپ سے بھی مذہبی گفتگو شروع کر دی اور آپ کو عیسائیت کی دعوت دینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ:-

"تم لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں تم نے ہم سے چار سو بیس کیا ہے۔ ہمارے باپ دادا غیر مسلم تھے تمہارے بزرگوں کی تبلیغ و تلقین سے انہوں نے اسلام قبول کر لیا اب جب ہم مسلمان ہو گئے تو تم ہم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے اب بھی تمہارا کیا اعتبار ہے۔ ہم تمہارے پیچھے چلیں گے تو تم ہم کو چھوڑ کر پھر کہیں اور چلے جاؤ گے۔"

یہ سنکر وہ شخص بہت خفیف ہوا اور کہا ہم آپ سے پھر کبھی نہیں کہیں گے۔[۲]

(۲۱)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری کے نانا مولانا محمد

---

[۱] تذکرہ فضل رحمٰن صد۳۱ [۲] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صد۱۷۔

احسن صاحب بڑی بڑی ضخیم کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کرتے، ہر وقت کتابت اور نقل کا مشغلہ رہتا تھا جب اُس سے تھکتے تو نوافل شروع کر دیتے تھے۔ کتابوں کے جمع کرنے کا اتنا شوق تھا کہ اپنے مکانات سات سات روپے پر فروخت کر کے کتابیں خرید لیتے تھے جو قیمت بھی لگائی جاتی تھی کتاب کے شوق میں اس کو فوراً قبول کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ اپنے بھائی کی شادی کا سامان خریدنے کے لئے بھیرہ (ضلع سرگودھا) گئے، حجام ساتھ تھا وہاں کسی ایسی کتاب کا علم ہوا کہ فروخت ہو رہی ہے جس کی تیس برس سے آرزو تھی۔ اس محلہ میں گئے کتاب کی قیمت دریافت کی، دام بتائے گئے فرطِ مسرت سے سب رقم کھول کر ڈال دی اور کتاب لے کر چلے آئے۔ فرمایا :-

"ایسی چیز لے کر آیا ہوں جو پشت ہا پشت کام آئے گی"

حجام نے ملامت کی، فرمایا :-

اس کتاب کے حصول کے لئے تیس برس سے دُعا کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے آج نصیب فرمائی اور یہ شعر پڑھا ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم   بحمد اللہ کہ بس ارزاں خریدم [1]

(۲۲)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہٗ سے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی (ثم المدنی) رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ :-

"اگر جامع ترمذی وغیرہ پر کوئی شرح تالیف فرما دیتے تو

---

[1] سوانح شاہ عبد القادر صہ ۱۹۔

پس ماندگان کے لئے سرمایہ ہوتا"

حضرت علامہ انورشاہ صاحب قدس سرہٗ نے غصہ میں آکر فرمایا کہ:-

"زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھا کر پیٹ پالا گیا آپ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد میری حدیث کی خدمت بکتی رہے"

ف:- حضرت علامہ انورشاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں گیارہ بارہ سال تک کوئی تنخواہ نہیں لی۔ آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ سے بار بار طلب کیا گیا، بڑی بڑی تنخواہیں پیش کی گئیں۔ لیکن آپ نے کبھی بڑی تنخواہوں کو ترجیح نہیں دی اور ہمیشہ دیوبند اور ڈابھیل کے خشک خطوں ہی کو پسند فرمایا۔ نور اللہ ضریحہ وطاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔[1]

(۲۳)

سنہ ۱۳۱۳ھ میں علامہ رشید رضا مدیر المنار مصر جب بسلسلہ صدارت اجلاس ندوۃ العلماء لکھنؤ ہندوستان آئے اور دیوبند کی دعوت پر دارالعلوم میں بھی تشریف لائے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی موجودگی میں خیر مقدم کا عظیم الشان جلسہ نودرہ ہال میں منعقد ہوا، حضرت علامہ انورشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں اُن کا خیر مقدم کرتے ہوئے دارالعلوم کے علمی مسلک پر روشنی ڈالی۔ جس کا اہم جزو یہ تھا کہ:-

---

[1] حیات انور ص۱۸۳

"ہم تمام مختلف فیہ مسائل میں فقہ حنفی کے مسائل کو ترجیح دیتے ہیں اور تمام متعارض روایات کی تطبیق و ترجیح کے سلسلہ میں فقہ حنفی کی تائید حاصل کرتے ہیں۔"

تقریر کے دوران ہی علامہ رشید رضا صاحب نے تعجب آمیز لہجہ میں کہا کہ :۔

"کیا سارا ذخیرۂ روایات حدیث صرف فقہ حنفی ہی کی حمایت کے لئے اُتارا گیا ہے"

اس پر حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے تقریر کے رُخ کو پھیرتے ہوئے اس متعجبانہ استفسار کے جواب کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ :۔

"ہمیں تو ہر حدیث میں وہی نظر آتا ہے جو (امام) ابو حنیفہؒ نے سمجھا اور کہا ہے"

اور اس پر لبطور دلیل حنفیہ شافعیہ کے مشہور مختلف فیہ مسائل کی مثالیں دیتے ہوئے تطبیق روایات اور ترجیح راجح کے اپنے اصول بیان فرمائے اور واضح کیا کہ ان اصول کے تحت ہمیں ذخیرۂ حدیث سے کس طرح فقہ حنفی نکلتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس تقریر سے علامہ رشید رضا مرحوم بہت زیادہ محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ :۔

"اگر میں دارالعلوم (دیوبند) نہ دیکھتا تو ہندوستان سے نہایت مایوس ہو کر واپس جاتا۔ اس دارالعلوم نے مجھ کو بتا دیا ہے کہ ہندوستان میں ابھی علوم عربیہ اور تعلیمات مذہبی اعلیٰ پیمانہ پر موجود ہیں"

ف : اس سے واضح ہو گیا کہ فقہ حنفی کی عظمت شان محض قیاسی طور پر نہیں بلکہ نصوص حدیث کی بنیاد پر ہے[1]

(۲۴)

ایک بار علامہ انور شاہ صاحبؒ اور ایک عالم اہل حدیث کے مابین ایک مناظرہ ہوا جس میں اہل حدیث عالم نے پوچھا :-

"کیا آپ ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں"

شاہ صاحبؒ نے فرمایا :-

"نہیں۔ میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں"

اُس نے کہا کہ :-

"آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی ہی کی تائید کر رہے ہیں پھر مجتہد کیسے ؟"

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا :-

"یہ حسن اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد کلیتہً ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق ہے"

ف : اس طرز جواب سے سمجھانا یہی منظور تھا کہ ہم فقہ حنفی کو خواہ مخواہ بنانے کے لئے حدیث کو استعمال نہیں کرتے بلکہ حدیث میں سے فقہ حنفی کو نکلتا ہوا دیکھ کر اس کا استخراج سمجھا دیتے ہیں اور طریق استخراج پر مطلع کر دیتے ہیں۔"[2]

(۲۵)

ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند میں علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حیات انور ص۲۱۰۔ [2] حیات انور ص۲۱۲۔

عصر مغرب کے درمیان بخاری شریف کا درس دے رہے تھے کہ اچانک کتاب بند کر دی اور فرمانے لگے کہ :۔

"جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہو گئے تو اب درس کا کیا لطف رہا۔ جاؤ تم بھی گھر کا راستہ لو۔"

سب طلبہ حیران کہ :۔

"کون بھائی شمس الدین اور وہ آئے کب تھے اور رخصت کب ہو گئے؟"

طلبہ کی حیرانی کو دیکھ کر سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو غروب ہو رہا تھا فرمایا کہ :۔

"جاہلین دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین جا رہے ہیں اب کیا اندھیرے میں سبق پڑھو گے؟ کیا وہ لطف کا سبق ہو گا۔" [1]

(۲۶)

ایک بار حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی تجمل حسین بہاری رحؒ نے عرض کیا کہ :۔

"حضرت اس زمانہ کے آدمی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مولانا کا سب عمل سنّت پر ہے۔ مگر مخلوق سے بگڑنا یہ کیسی سنّت ہے؟"

حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب رحؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ میاں ادھر آؤ

---

[1] حیات انور ص۲۲۱۔

اور کان میں فرمایا کہ :-

"اوپر کے جی سے میں کڑکا کرتا ہوں اور ہم نے اپنے خالق سے پہلے ہی دعا کر لی ہے کہ جس کے لئے میں بد دُعا کروں وہ دعا سمجھی جائے ورنہ ہجوم خلق سے نماز پڑھنا مشکل ہو دہقانی لوگ بہت تنگ کریں، بقول نور میاں صاحب ؎

دانائیوں سے پھنستے ہیں نادانیوں میں ہم
دیوانگی بھی اپنی ہے تجویز عقل سے

ہیں جلوۂ نگاہ کی مہمانیوں میں ہم
جائے خیال غیر کہ فرصت نہیں یہاں

ف : بعض بزرگوں کی ڈانٹ ڈپٹ اور سختی مصلحتاً ہوتی ہے[۱]

(۲۷)

حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ سے مولانا محمد علی مونگیریؒ نے عرض کیا کہ :-

"حضرت حالتیں سب کچھ طاری ہوتی ہیں مگر وہ جو بات ہے وہ نہیں ہے"

حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ :-

"کوئی آسمان پر اُڑنے نہیں لگتا ہے، ولایت اسی کو کہتے ہیں کہ احکام شریعت بے تکلف ہونے لگیں اور افعالِ شریعت ایسے ہو جائیں کہ گویا امور طبعی ہیں"۔

ایک اور مرتبہ فرمایا کہ :-

"اتباع سنت یہی ہے کہ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] تذکرہ فضلِ رحمٰن ص۱۴۱ ۔

نے کیا ہے اسی طرح کرے گھٹائے بڑھائے نہیں"

اور یہ شعر پڑھا: ؎

گرد نعل اسپ سلطان شریعت سرمکن
تا شود نور الہٰی با دو چشمت مقترن [1]

(۲۸)

ایک مرتبہ الٰہ آباد سے ہائی کورٹ کا افسر اس تحقیق کے لئے آیا تھا کہ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رح کے پاس مجمع ہر ملک کے لوگوں کا اس قدر کیوں رہتا ہے کیونکہ اسی زمانہ میں حیدر آباد دکن سے نواب خورشید جاہ بھی حضرت کے پاس آئے تھے۔ حضرت نے تحقیقاتی افسر سے فرمایا کہ :۔

"توبہ کے لئے لوگ آتے ہیں۔ ہم اُن کے گواہ ہو جاتے ہیں تم بھی شرک سے توبہ کرو، ہم گواہ ہو جائیں گے۔"

پھر وہ انگریز بہت خوش ہوا اور کہا کہ :۔

"آپ کے خرچ خانقاہ کے لئے اگر فرمایئے تو ملکہ کے پاس لکھوں۔"

آپ نے فرمایا کہ :۔

"کیا ضرورت ہے ہمارے پاس خدا کے فضل سے دو جوڑے کپڑے اور دو لوٹے مٹی کے اور دو گھڑے موجود ہیں مجھے کیا ضرورت ہے۔"

---

[1] تذکرہ فضل رحمٰن ص۵۳۔

وہ انگریز رخصت ہوگیا۔

اسی طرح ایک اور حاکم نے بھی عرض کیا تھا کہ:۔

"اگر آپ فرمائیں تو آپ کی خانقاہ کے لئے گورنمنٹ سے کچھ مقرر کرادیں۔"

آپ نے فرمایا کہ:۔

"میں تمھاری گورنمنٹ کا روپیہ لے کر کیا کروں گا، خدا کے فضل سے ایک رسّی کی بنی ہوئی چارپائی، اور دو لوٹے مٹی کے اور دو گھڑے مٹی کے موجود ہیں اور بعض مرید ہمارے باجرہ لے آتے ہیں، اس کی روٹی ہوجاتی ہے۔ بی بی صاحبہ کچھ ساگ یا دال پکا دیتی ہیں اس سے لگاکر کھا لیتے ہیں۔" [۱]

(۲۹)

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے بیان فرمایا کہ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ کو ایک بار سرِ شام کسی نے پانچ سو روپیہ نذر کئے اسی وقت اعلان فرمادیا کہ

"ہمارے حجرہ کی دیوار گری جارہی ہے اسکی مرمت کی ضرورت ہے۔"

اہل قصبہ اس ادا سے واقف تھے۔ بہت سے شرفا اور غربا ٹوکریاں اور پھاوڑے وغیرہ لے کر حاضر ہوگئے اور کسی نے دیوار کو ہاتھ لگایا کسی نے کچھ کیا، آپ نے کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ۔ سونے سے پہلے پہلے ساری رقم تقسیم فرماکر فارغ ہو گئے۔ کسی صاحب نے عرض کیا کہ آخر ایسی کیا عجلت تھی؟ فرمایا:۔

---

[۱] تذکرہ فضلِ رحمٰن صہ ۶۸ ۔

"واہ! ہماری دیوار گری جا رہی تھی تم باتیں بناتے ہو" ۵۱

(۳۰)

ایک بار وزیر لکھنؤ پر عتاب شاہی ہوا۔ وہ از بس متفکر تھے سیف الدولہ مرحوم کہ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے عقیدت رکھتے تھے انہوں نے وزیر صاحب سے کہا کہ اب کوئی چارۂ کار نہیں۔ ان دنوں حضرت مولانا لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں اُن سے اگر التجا کیجئے تو یہ کام ہو جائے۔ غرض وہ حضرت قبلہ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض مطلب کیا۔ حضرت نے بشارت فرمائی۔ بادشاہ نے وزیر صاحب کو بلا کر اعزاز بخشا، وزیر صاحب دو ہزار روپیہ نذرانہ لائے۔ حضرت نے فرمایا:-

"روپیہ ہم کیا کریں گے۔ تم اس روپیہ کے قرآن شریف چھپوا دو"

پھر آپ لکھنؤ سے چلے گئے اور ایک برس کے بعد پھر لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں قرآن شریف چھپے ہوئے تیار تھے۔ وزیر صاحب کو خبر ہوئی۔ ایک اونٹ پر تمام جلدیں قرآن شریف کی لدوا کر اور بمزید انبساط ایک گھوڑا مع ساز و براق ساتھ لے کر آئے اور نذر کیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور وہاں سے سندیلہ کی طرف روانہ ہوئے اور سندیلہ تک سارے قرآن شریف بانٹتے آئے بلکہ اونٹ بھی دے دیا اور محتاجوں کو گھوڑے کا ساز و براق تک تقسیم کر دیا اور آخر میں گھوڑا بھی کسی کو عطا فرما دیا۔ ۵۲

(۳۱)

مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھنوی رح نے فرمایا کہ جب حضرت مولینا

---

۵۱ تذکرہ فضل رحمٰن ص ۶۶۔ ۵۲ تذکرہ فضل رحمٰن ص ۶۵۔

فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رح لکھنؤ میں تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں ٹھہرے۔ ہم بھی حدیث پڑھنے کو جاتے تھے۔ آپ کے مکان سے بنجارہ آیا ہم نے خبر دی کہ حضرت وطن سے آدمی آیا ہے اس سے خیریت دریافت کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں! بلاؤ کہاں ہے۔ وہ حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ :۔ کہو وطن میں کوئی مرا تو نہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں صاحب کوئی مرا نہیں ہے پھر جب وہ جانے لگا تو اس نے میر صائب علی صاحب سے کہا کہ گھر میں خرچ مانگا تھا۔

میر صائب علی صاحب نے کہا کہ :۔

"حضرت! عورتوں نے کچھ خرچ مانگا ہے"

آپ نے فرمایا کہ :۔

"خدا کی پناہ! سولہ سیر باجرہ اور سولہ سیر جوار ہم دے کر آئے"

یہ سب کھا گئیں غضب خدا کا۔ جنگِ تبوک میں صحابہ رض کو ایک

خرما روز دیا جاتا تھا اسی پر قناعت کرتے تھے"

المختصر اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں دیا۔ باوجودیکہ شرف الدولہ نے کئی ہزار روپیہ آپ کو دیا تھا وہ روز تقسیم ہوتے تھے۔ اس میں سے ڈیڑھ سو بچ بھی گیا تھا۔ مگر اس کو بھی لینے دینے کے لئے رکھا تھا کہ کوئی مستحق آجاوے گا تب کام آوے گا پہلے روز جو روپیہ آیا تو آپ نے عبدالرحمٰن خاں صاحب سے پوچھا کہ :۔ بخاری شریف تمھارے پاس کے جلد ہے؟ اُنھوں نے کہا :۔ بیس جلد فرمایا قیمت کیا ہے؟ کہا :۔ تیس روپیہ۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے لے لیا پھر پوچھا کہ مسلم شریف وغیرہ کس قدر ہے؟ غرض جتنی کتابیں حدیث فقہ کی تھیں سب خرید لیں اور پھر تقسیم کرتے تھے۔ آخر بنجارہ کو میر صائب علی خاں صاحب

نے اپنے پاس سے تین روپیہ نکال کر دیئے اور اس کو رخصت کیا۔[1]

(۳۲)

امروہہ کے مولوی محب اللہ خاں صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ :- ہم سے نواب کلب علی خاں والی ریاست رام پور بے تکلفی رکھتے تھے اور بہت محبّت کرتے تھے ایک دن نواب صاحب نے ہم سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہم کو بہت تمنّا ہے کہ :-

" مولانا مولوی فضل رحمٰن محدّث اس رام پور میں ہمارے یہاں تشریف لادیں تو خوب ہو۔ کیونکہ سب اہل علم ہر فن کے مجتمع ہیں مگر وہی ایک صاحب یہاں نہیں ہیں کہ جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے صحبت یافتہ ہیں "

اس پر مولوی صاحب موصوف نے نواب صاحب موصوف سے کہا کہ :-

" اگر اُن کو ہم لادیں تو کیا آپ اُن کے لئے نذر کریں گے ؟"

نواب صاحب نے کہا کہ :-

" ایک لاکھ روپیہ مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا "

چنانچہ مولوی محبّ اللہ خاں صاحب مراد آباد پہونچے اور مولانا سے ملے۔ سب قسم کی باتیں توحید وغیرہ کی ہونے لگیں۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ :-

" رام پور تشریف لے چلئے۔ نواب کلب علی خاں آپ کے
بہت مشتاق ہیں اور لاکھ روپیہ نذر کریں گے "

آپ جس طرح سے بات کر رہے تھے اسی طرح کرتے رہے اور اس

---

[1] تذکرہ فضل رحمٰن ص ۶۹۔

حکایت کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا اور فرمایا کہ :۔

"میاں! لاکھ روپیہ پر خاک ڈالو اور بات سنو ؎

جو ہم دل پہ ان کا کرم دیکھتے ہیں ۔ تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

اور پھر وہی عشق و معرفت کی کہانی کرتے رہے ۔ ؎۱

(۳۳)

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدّث سہارنپوری رح نے اوّل جو صحیح بخاری چھپوائی اس کا ایک نسخہ لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش کیا اور کہا کہ :۔

"میں نے اسکی تصحیح میں بہت کوشش کی ہے اگر اس میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو حضور اس کو بتائیں "

حضرت نے فرمایا ہاں اور ایک صفحہ لوٹا اور ایک سطر پہ ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ لفظ غلط ہے پھر دو تین ورق لوٹے اور اسی طرح ایک غلطی بتائی چنانچہ چار پانچ غلطیاں ان کو دکھلائیں مولانا احمد علی صاحب بہت متعجب ہوئے کہ :۔

"میں آٹھ برس سے اس کتاب کو درست کر رہا ہوں غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں "

اور اُٹھتے وقت فرمایا کہ :۔

"وہ کسبی بات نہیں ہے وہبی بات ہے " ؎۲

(۳۴)

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رح کے یہاں درس صحیح بخاری

؎۱ تذکرہ فضل رحمن صـ ؎۲ تذکرہ فضل رحمٰن صـ ۱۳۸

ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے جا بجا کہیں غلطی کتابت ہوتی تو قلم دوات لاکر صحیح کرتے جاتے۔ اتفاق سے دوات خشک تھی۔ قلم نہ چلتا تھا حاضرین میں سے ایک صاحب نے مسجد کے لوٹوں سے ایک الٹا کر دوات میں پانی ڈال دیا۔ مولانا کی نگاہ نیچی تھی نہ دیکھا۔ جب قلم پڑا تو ناخوش ہوئے کہ

"بے تمیز وضو کرنے والوں کا ماء مستعمل دوات میں ڈال کر روشنائی خراب کردی۔ اب میں اس سے حدیث لکھوں"۔ [1]

(۳۵)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے قرن اوّل میں صدر مدرس تھے اوائل عمر میں ان کو سرکاری ملازمت کی نوبت آئی۔ اجمیر شریف میں مدارس کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔ وہاں ایک صاحب فن موسیقی کے بڑے استاد اور ماہر تھے۔ مولانا جامع علوم وفنون اور ہر فن میں بڑے محقق تھے۔ ہر علم وفن کے حاصل کرنے کا شوق تھا اس ماہر موسیقی سے یہ فن بھی سیکھ لیا۔ اور اس فن میں بڑے ماہر ہوگئے۔

ایک روز اپنے بالاخانے پر موسیقی میں مشغول تھے۔ نیچے سے ایک مجذوب گذرے اور پکار کر کہا :۔

"مولوی تیرا یہ کام نہیں تو دوسرے کام کے لئے ہے"۔

یہ سننا تھا کہ اس کام سے بالکل نفرت ہوگئی اور اسی وقت توبہ کرلی۔ ان کی توبہ کی خبر ان کے استاد کو پہونچی تو اس نے بھی توبہ کرلی۔

ف :۔ صالحین سے بھی غلطی ہوسکتی ہے مگر جب اُن کو متنبہ کیا جاتے تو

---

[1] تذکرہ فضل رحمٰن صد ۱۳۹۔

فوراً ابا ز آجاتے ہیں۔ لے

(۳۶)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر دار العلوم کراچی اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب مدرس دار العلوم دیوبند رح کی معیت میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ نے فرمایا کہ :۔

"اس وقت میرے آنے کا سبب یہ لڑکا ہے"

حضرت مفتی صاحب آگے بڑھے۔ حضرت تھانویؒ نے نہایت شفقت سے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ رکھا۔
حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ نے فرمایا کہ :۔

"یہ یہاں آنا ہوا اس لئے ڈرتا تھا کہ یہاں بہت قواعد ضوابط ہیں اُن کی اُن کی پابندی کیسے ہو گی"

حضرت حکیم الاُمت نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ :۔

"بھائی مجھے تو خواہ مخواہ لوگوں نے بدنام کیا ہے میں از خود کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں بناتا۔ لوگوں کی غلط روش نے مجھے مجبور کر دیا کہ آنے والوں کو کسی وقت اور قاعدہ کا پابند کراؤں ورنہ یہ تو مجھے کسی وقت ایک دفعہ اللہ کا نام بھی نہ لینے دیں دوسرے کام اور آرام کا تو ذکر کیا"

پھر فرمایا کہ :۔

لے مجالسِ حکیم الامت صـ۵۵۔

"تم تو میری اولاد کی جگہ ہو تمھیں کیا فکر ہے۔ جب چاہو آیا کرو اور میرے یہاں جو قواعد و ضوابط ہیں اُن سے مستثنیات اتنے ہیں کہ مستثنیٰ منہ سے بڑھ جاتے ہیں تم بے فکر رہو۔"

حضرت مفتی صاحب رح نے تحریر فرمایا کہ :۔

"حضرت رح (حکیم الامت) کی اس شفقت اور لطف و کرم نے پہلی مرتبہ میرے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ وہاں سے لوٹنے کو دل نہ چاہتا تھا۔"

ف : بزرگوں سے دور رہ کر لوگ یکطرفہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ وہ بڑے سخت ہیں حالانکہ ان کی خدمت میں حاضری سے قلب کی تمام وحشت دور ہو جاتی ہے لہٰذا بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت قلب کے میلان پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ [1]

(۲۷)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تیسری حاضری میں تھانہ بھون حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ :۔

"مجھے حق تعالیٰ نے کچھ عرصہ حضرت شیخ الہند رح کی خدمت میں حاضری کی توفیق بخشی ہے۔ دل کی خواہش یہ تھی کہ ان سے بیعت ہوں مگر حضرت اس وقت اسیر ہیں اور معلوم نہیں کب رہائی ہو۔ اب میں حضرت ہی سے مشورہ کا طالب ہوں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی مسرت کا اظہار فرماتے

---

[1] مجالس حکیم الامت صد ۱۴۔

ہوئے فرمایا کہ :۔

" اس میں اشکال کیا ہے۔ تصوّف و سلوک اعمالِ باطنہ کی اصلاح کا نام ہے جو ایسا ہی فرض ہے جیسے اعمالِ ظاہرہ کی اصلاح۔ اس کو مؤخر کرنا تو میرے نزدیک درست نہیں لیکن اس کے لئے بیعت ہونا کوئی شرط نہیں۔ بیعت کے لئے حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) کا انتظار کرو اور حضرت کے واپس تشریف لانے تک میں خدمت کے لئے حاضر ہوں میرے مشورہ کے مطابق اصلاح کا کام شروع کر دو"۔ ؎۱

(۳۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہٗ سے عرض کیا کہ :۔

" حضرت میری تمنّا تو بہت ہے کہ تصوّف و سلوک کے مراحل طے کروں مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے۔ میں خلقۃً ضعیف بھی ہوں۔ زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں اور فرصت بھی کم ہے اور وقت تمام درس و تدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گذرتا ہے۔ کیا ان حالات میں بھی مجھے کوئی حصّہ نصیب ہو سکتا ہے؟"

حضرت حکیم الامّت رح نے بڑی شفقت سے فرمایا :۔

" یہ تم نے کیا کہا۔ کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لئے ہے ضعفاء کے لئے نہیں؟ فارغ البال لوگوں کے لئے ہے کم فرصت لوگوں کے

؎۱ مجالسِ حکیم الامّت ص ۱۶

لئے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے۔
ہاں ہر ایک کے لئے عمل کا طریقہ مختلف ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے۔

طرق الوصول الی اللہ بعدد النفس الخلائق — یعنی اللہ تک پہونچنے کے راستے اتنے ہی ان گنت ہیں جتنے انسان

"یہاں کوئی عطائی کی دوکان نہیں کہ سب کو ایک ہی گولی دی جائے ہم آپ کو ایسا طریق بتائیں گے جس میں نہ قوت کی ضرورت نہ فرصت کی"۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ:-

فرائض و واجبات اور سُنن وغیرہ جو سب مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں۔ آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کرلیں انشاء اللہ سارا سلوک اسی سے طے ہو جائے گا۔

(۱) "تقویٰ اختیار کریں اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہر میں ہے"۔

(۲) "دوسرے ہر لایعنی (بے فائدہ) کام، کلام، مجلس، ملاقات سے پرہیز کریں اور فرمایا لایعنی سے میری مراد وہ کام ہے جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا۔ غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال، اقوال مجالس میں بہت سا وقت ایسا گذرتا ہے کہ کام کی بات تھوڑی سی اور بے فائدہ زیادہ بس ان سے پرہیز کرنا۔

(۳) تیسرے بقدر ہمت و فرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں"۔

"اب بتلاؤ اس نسخہ میں کونسی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہو

سکتی اگر غور کرو گے تو اس میں قوت اور زیادہ محفوظ رہے گی کیونکہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرتے ہیں اور جب لایعنی کاموں، ملاقاتوں، مجلسوں سے پرہیز کرو گے تو تمہاری فرصت علمی مشاغل کے لئے اور بڑھ جائے گی"۔

آخر میں فرمایا کہ :-

"نسخہ تو آپ کے لئے اتنا ہی ہے اگر دل چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح شام سبحان اللہ، الحمد للہ، لاالٰہ الا اللہ، سو سو مرتبہ اور استغفار و درود شریف سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کا التزام کر لو"۔ [1]

(۳۹)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک آزادیٔ ہند کے امام تھے اس وقت کی سیاسی تحریکات نے ہندوؤں کے اشتراک اور شرعی حدود سے ناواقفیت اور بے پرواہ لیڈروں کی شمولیت سے اسلامی شعائر اور شرعی حدود کی کوئی پرواہ نہ رہی تھی۔ اس لئے شیخ الہندؒ کو ایک جماعت "جمعیت علماء ہند" قائم کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ تاکہ اس تحریک کے ساتھ علماء کی رہنمائی کی وجہ سے ان منکرات اور خلافِ شرع امور سے نجات ملے جس کا پہلا جلسہ دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ ہی کی صدارت میں ہوا اور اس کے خطبۂ صدارت میں اس طرح کے منکرات پر کھل کر نکیر بھی کیا گیا۔

---

[1] مجالس حکیم الامت رح صـ ۱۶

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی نظر میں اس وقت تحریک پر قبضہ ایسے لیڈروں کا ہو چکا تھا جن کی اکثریت سے علماء کے اتباع اور حدود شرعیہ کی رعایت کی اُمید نہ تھی، خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ جن بنیادوں پر اشتراک ہو رہا تھا ان سے کسی حال یہ اُمید نہ تھی کہ اس کے نتیجہ میں کوئی اسلامی حکومت بن سکے۔ اسلئے آپ ان تحریکات سے الگ رہے۔

دونوں بزرگوں کا یہ اختلاف رائے دینی اور شرعی وجوہ ہی کی بناء پر تھا اور اختلاف کے اصلی حدود کے اندر تھا۔ حضرت حکیم الامت تو شاگرد ہونے کی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ کا انتہائی ادب و احترام رکھتے ہی تھے۔ خود حضرت استاد کا بھی یہ حال تھا کہ تھانہ بھون میں جلسۂ خلافت کی صدارت کے لیے قصبہ کے لوگوں نے آپ کو دعوت دی اور اس زمانے میں حضرت اکثر اس طرح کے جلسوں کے لیے سفر کر رہے تھے۔ مگر اہل تھانہ بھون کی درخواست پر فرمایا کہ:۔

"اور جہاں کہیں آپ جلسہ کرائیں میں شریک ہوں گا مگر تھانہ بھون جا کر جلسہ کرنا مجھے پسند نہیں۔ کیونکہ مولانا تھانوی کو میری رائے سے جو اختلاف ہے وہ بھی دینی اور شرعی وجوہ پر ہے۔ اگر میں وہاں جلسہ پر گیا تو وہ اپنی فقہی اور شرعی رائے کی بناء پر شرکت نہ کر سکیں گے اور عدم شرکت سے ان کو سخت ضیق اور تنگی پیش آئے گی میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔" [1]

(۴۰)

ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد

---

[1] مجالس حکیم الامت ص ۲۔

دکن کے مولوی نواب فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ کی لڑکی کی شادی میں تشریف لے گئے۔ چونکہ نواب صاحب اور اُن کے خاندان کو علمائے دیوبند کے ساتھ قدیم رابطہ اور قلبی علاقہ تھا۔ اس لئے شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ دورانِ قیام میں بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور نظام حیدر آباد دکن کی ملاقات ہو جائے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کو اس کی اطلاع ہوئی فرمایا:۔

"مجھ کو ملنے میں عذر نہیں ہے۔ لیکن اس سفر میں، میں نہیں ملوں گا۔ کیونکہ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کی بچی کی تقریب میں شرکت تھا۔ اور بس! اور میں اس مقصد کو خالص ہی رکھنا چاہتا ہوں"۔

چنانچہ ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور ادھر نظام حیدر آباد دکن کا بھی ایما تھا۔ مگر حضرت شاہ صاحب کسی طرح رضامند نہیں ہوتے۔ [۱]

(۴۱)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں کشمیر سے دیوبند کے لئے چلا۔ راستہ کی کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرنی پڑتی تھی۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہو گیا۔ یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے اور ان ہی کے پاس جا رہے تھے یہ مجھ سے اپنے ان پیر صاحب کا اور اُن کے کمالات اور کرامات کا تذکرہ راستہ بھر کرتے رہے۔ اُن کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی

---

[۱] حیات انور ص ۱۷۴۔

خدمت میں حاضر ہوں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں بھی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہونچے تو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لیئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اسلیئے میں پہلے جاکر آپ کے لیئے اجازت لے لوں چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے ان بزرگ نے اطلاع پاکر خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لیئے بھیجا اور اکرام سے پیش آئے۔ خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے باقی سب مریدین وطالبین نیچے فرش پر تھے مگر مجھے اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ کچھ باتیں ہوئیں اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے میں یہ سب دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا کہ :-

"میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں"

اُنھوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی لیکن مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ کچھ دیر کے بعد اُنھوں نے خود ہی فرمایا کہ :-

"آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا"

یہ واقعہ نقل کر کے ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا :-

"کچھ نہیں ہے لوگوں کو متاثر کرنے کے لیئے ایک کرشمہ ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں معمولی مشق سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں"

پھر اسی سلسلہ میں اور اسی جوش کی حالت میں فرمایا :-

"اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت و سنّت پر استقامت ہے۔" ؎۱

(۴۲)

دارالعلوم دیوبند میں اختلافات کے باعث جب حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رح نے استعفیٰ دے دیا اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو اس کے چند روز بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ، ایک دن ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے پاس گئے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مولانا سے فرمایا کہ :۔

"آپ کا یا دوسرے مسلمانوں کا جو بھی تاثر ہو میں بہر حال شاہ صاحب کے استعفیٰ کی خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔"

مولانا سعید احمد صاحب نے بڑے تعجّب سے پوچھا کہ :۔

"آپ کو دارالعلوم دیوبند کے نقصان کا کچھ ملال نہیں ہے۔"

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمایا :۔

"کیوں نہیں ؟ مگر دارالعلوم دیوبند کو صدر المدرسین اور بھی مل جائیں گے اور یہ جگہ خالی نہ رہے گی لیکن اسلام کے لئے اب جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتا ہوں اس کو سوائے شاہ صاحب کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ،،

ف :۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بعض مخلص دوستوں سے پچاس ہزار روپے

؎۱ حیات انور صہ ۱۵۵۔

کے لگ بھگ مواعید بھی لے لئے تھے تاکہ حضرت کشمیری رح کی شایانِ شان رہائش کا انتظام کیا جاسکے۔ ڈاکٹر صاحب نے دیوبند خط لکھا۔ تار دیا اور اس کے بعد مولانا عبدالحنان ہزاروی خطیب جامع مسجد آسٹریلیا کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا لیکن حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ علامہ صاحب ڈابھیل تشریف لے گئے۔ ؎۱

(۴۳)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ :-

"نماز پانچ وقت کی کیوں مقرر ہوئی؟"

حضرت نے تھانوی رح نے بطورِ نظیر کے اُن سے پوچھا کہ :-

اوّل یہ بتلایئے کہ آپ کی ناک چہرے پر کیوں لگائی گئی کمر پر کیوں نہیں لگائی گئی۔ جب اس ترتیب کے وجوہ اور مصالح سب آپ کو معلوم ہو جائیں تو اس کے بعد اوقاتِ نماز کی تعیین کے مصالح دریافت کیجئے۔

ف : جس کو فن سے مناسبت نہیں ہوتی اس کا بولنا ہمیشہ بے موقع ہوتا ہے اسلیئے وہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ؎۱

(۴۴)

حضرت مولینا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کالپی تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نہایت صاف ستھرا اُجلے کپڑے پہنے ہوئے

؎۱ ماہنامہ الرشید ص۲ جولائی ۱۹۷۰ء ؎۱ ضرورۃ التوبہ ص۱۰۱ ۔

جامع مسجد میں نماز کو آیا۔ اس کے گاؤں والوں سے معلوم ہوا کہ یہ پہلے بھنگی تھا اب مسلمان ہوگیا ہے۔ لیکن وہاں کے چودھری ساتھ کھلانا پلانا تو درکنار اس کے ہاتھ کا برتن بھی نہیں لیتے تھے۔ وہاں جلسہ تھا اس میں وہ بھی موجود تھا اور وہاں کے رئیس بھی جمع تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت تھانوی رح سے خواہش کی کہ آپ اس موقع پر ان لوگوں کو سمجھا دیں کہ اب پرہیز نہ کیا کریں۔ اسکی سخت دل شکنی ہے حضرت نے دل میں سوچا کہ نرے سمجھانے سے کچھ کام نہ نکلے گا سمجھانے سے تو اس وقت ہاں ہاں کہہ دیں گے پھر بعد کو کون پرواہ کرتا ہے۔ حضرت تھانوی رح نے ایک بدھنے میں پانی منگوایا۔ جب پانی آگیا تو حضرت تھانوی رح نے اس نومسلم سے فرمایا کہ ٹونٹی سے منہ لگاکر پانی پیو۔ پھر بدھنا اس کے ہاتھ سے لیکر خود بھی ٹونٹی ہی سے منہ لگاکر اس کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا۔ پھر آپنے سب سے فرمایا کہ سب لوگ پانی پئیں۔ اس وقت سوا مان لینے کے کسی سے کوئی عذر نہ بن پڑا۔ سب نے جیسے تیسے پانی پیا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ دیکھو بھائی اب اس سے پرہیز نہ کرنا۔ کہنے لگے اجی بس اب منہ ہی کیا رہا پرہیز کرنے کا۔ آپ کی ترکیب ہی ایسی ہے کہ ہمارا سارا دھرم ہی لے لیا۔ اب آپ اطمینان رکھیں۔ اب ہم اُسے اپنے ساتھ کھلائیں پلائیں گے۔ اس سے پرہیز ہی کیا رہ گیا۔ جب اس کا جھوٹا پانی ہی آپنے پلوا دیا۔

ف: یہ توحید ہی کی برکت ہے کہ ایک شخص بھنگی ہے یا چمار ہے وہ مسلمان ہوگیا تو آج تمام مسلمان اس کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلاتے ہیں۔ ورنہ ساری قومیں ایسے شخص کو اپنے سے گھٹا ہوا اور

ذلیل سمجھتی ہیں[1]

(۴۵)

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح مرادآباد تشریف لے گئے اور جانا آگے تھا، مرادآباد ہی ٹھہرے اور پروگرام میں حضرت نے صرف ایک دن رکھا تھا۔ آگے جانا تھا۔ لوگوں نے (مزید ٹھہرنے کیلئے) اصرار کیا مگر انکار فرمایا تو علماء کا طبقہ جمع ہو کر آگیا کہ ٹھہر جائیں۔ انکار کر دیا کہ نہیں ٹھہروں گا پھر بعض امراء جمع ہو کر آگئے تو امراء سے کہا کہ جب علماء کی نہ سُنی تو آپ کی کیسے مانوں۔ تو مرادآباد کے لوگوں کے دل میں ٹھن گئی کہ کسی نہ کسی طرح ٹھہراؤ۔ ایک نے مشورہ دیا کہ ایک ہی صورت ہے ان کو ٹھہرانے کی۔ فلاں دفتر میں ایک کلرک ہے ایک چودہ پندرہ سال کا لڑکا اُسے بلا لاؤ وہ ٹھہرا سکے گا۔ جب وہ آیا تو حضرت نانوتوی رح نے ادب سے اپنی مسند چھوڑ دی۔ کھڑے ہو گئے اور بہت جھک کر مصافحہ کیا اور اپنی جگہ پر اُسے بٹھایا خود مؤدب ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔ اس نے کہا کہ حضرت جی چاہتا ہے کہ کچھ ٹھہر جائیں۔ فرمایا بہت اچھا۔ ٹھہر گئے اور اتنے ٹھہرے کہ ایک ہفتہ تک ٹھہر گئے۔ لوگوں نے سوچا کہ حضرت اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک وہ لڑکا نہ کہے گا۔ تب آکر اُس نے اجازت دی۔

بات یہ تھی کہ حضرت کے شیخ تھے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے شیخ تھے حاجی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ اور یہ لڑکا میاں جی مرحوم کا نواسہ لگتا تھا تو شیخ کی نسبت میں اتنا ادب تھا

---

[1] رمضان فی رمضان صہ ۲۸ ۔

کہ ان کے حکم کی وجہ سے وہیں رُک گئے۔ کسی کا حکم نہ مانا لیکن شیخ کی نسبت کا ادب کیا۔

ف: یہ ادب تب ہوتا ہے کہ جب اصل شیخ کا ادب دل میں ہو۔ نسبت کا ادب اور عظمت یہ کوئی غیر شرعی چیز نہیں ہے۔ [1]

(۴۶)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جب ہجرت فرماکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو عمر بھر سیاہ جوتا نہیں پہنا۔ سرخ یا زرد رنگ کا پہنا کرتے۔ فرمایا کہ:۔

"سیاہ رنگ کا ممنوع نہیں مگر بیت اللہ کا غلاف سیاہ ہے تو پاؤں میں اس رنگ کا جوتا کیسے پہنوں"

: اس ادب کی وجہ سے سیاہ رنگ کا جوتا پہنا چھوڑ دیا

ف: پگڑی تو سیاہ رنگ کی باندھتے تھے کہ یہ تو ادب کا مقام ہے مگر قدموں میں سیاہ رنگ کا جوتا نہیں پہنتے تھے۔ [2]

(۴۷)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حرم مکہ میں سیلاب آیا اور حرم شریف میں پانی بھر آیا۔ مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت کی تعمیر فرمائی تھی وہ اب بھی محفوظ ہے۔ اس مقام ابراہیم پر بنی ہوئی عمارت کا برج گر پڑا اور .... وہ مقامِ ابراہیم کے اوپر آگیا جس سے مقامِ ابراہیم

---

[1] ماہنامہ الحق صفحہ ۱۰ رمضان ۸۹ھ [2] الحق ص ۱۴ رمضان ۱۳۸۹ھ۔

کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا اور وہ کنارہ شریف مکہ کے خزانے میں پہونچا دیا گیا وہ چیز مقدس تھی شریف مکہ علماء ومشائخ کو وقتاً فوقتاً اسکی زیارت کراتے تھے۔ تو خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ اس کے دو تین ٹکڑے ہو گئے اس میں سے ایک چھوٹا ٹکڑا شریف مکہ نے ہدیہ کے طور پر بعض مشائخ کو دیا اور وہ کسی نہ کسی طرح منتقل ہو کر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کے پاس پہنچ گیا۔

مولانا گنگوہی کی عادت یہ تھی کہ اس مقام ابراہیم کے ٹکڑے کو نکال کر پانی میں ڈالتے اور وہ پانی تقسیم کیا جاتا تھا تمام اہل مجلس میں۔ اس ٹکڑے میں سے کچھ ریزے گر گئے تو حضرت گنگوہی رح نے فوراً ریزوں کو جمع کر کے آنکھوں کے سرمہ میں شامل کر لیا جب آنکھوں میں سرمہ لگاتے تو وہ حل کیا ہوا پتھر بھی آنکھوں میں جاتا۔

ف: یہ ادب کی بات تھی ورنہ طبی اصول پر دیکھا جائے تو آنکھوں کے اندر مٹی یا پتھر کا ریزہ ڈالنا بینائی کے لئے نقصان دہ ہے۔ مگر اس چیز کی پرواہ نہ تھی۔ بینائی کیا چیز ہے اس شرف کے مقابلہ میں جو مقام ابراہیم کی مجاورۃ اور قرب سے نصیب ہوتا ہے۔ [1]

(۴۸)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کو مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم سے بہت سی چیزوں میں اختلاف ہے۔ قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا۔ مگر جب مجلس میں ذکر آتا تو فرماتے: مولانا احمد

---

[1] الحق ص ۱۴ رمضان ۱۳۸۹ھ۔

رضا خان صاحب مرحوم۔ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر مولانا کے احمد رضا کہہ دیا۔ تو حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ :۔

"عالم تو ہے اگرچہ اختلاف رائے ہے تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو کس طرح جائز ہے"۔

ف : رائے کا اختلاف اور چیز ہے اور اس عالم کی عزت کرنا اور چیز ہے۔ تو بہرحال وہ حجت سے اختلاف کرنا الگ چیز ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اُن کو خطا سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے مگر اُن کی توہین اور بے ادبی کرنا بُرا ہے۔ اسی لئے مولانا تھانوی رح نے مولانا کا لفظ نہ کہنے پر بُرا مانا حالانکہ مولانا تھانوی رح کے مقابل جو مولانا تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے۔ مگر مولانا تھانوی رح اہل علم میں سے تھے وہ تو نام بھی کسی کا آیا تو ادب ضروری سمجھتے تھے چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ [1]

(۴۹)

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام دہلی میں تھا۔ حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تلامذہ ساتھ تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح، دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن امروہی رح اور حاجی امیر شاہ خاں صاحب مرحوم۔ مولانا احمد حسن صاحب رح نے اپنے ہمجولیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ :۔

"بھئی لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں اُن کی قرأت بہت اچھی ہے کل صبح کی نماز اُن کے پیچھے پڑھ لیں"۔

---

[1] الحق ص۱۷ رمضان ۱۳۸۹ھ۔

شیخ الہند رحؒ نے غصّہ میں آکر فرمایا کہ :۔

"تمھیں شرم نہیں آتی بے غیرت، وہ تو ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے ہم اُس کے پیچھے نماز پڑھیں گے "

اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ یہ جملے حضرت مولانا نانوتوی رحؒ کے کان میں پہنچے تو اگلے دن حضرت ان سب شاگردوں کو لے کر اسی مسجد میں پہنچے۔ صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر اس امام کے پیچھے جاکر نماز پڑھی۔ سلام پھیرا تو چونکہ یہ اجنبی تھے۔ نمازیوں نے دیکھا کہ ہیں تو علماء صورت تو پوچھا کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ تو مولانا محمد قاسم ہیں اور وہ اُن کے شاگرد مولانا محمود حسن رحؒ اور یہ مولانا احمد حسن محدّث امروہی رحؒ اُن کے تلمیذ ہیں۔

امام صاحب کو سخت حیرت ہوئی کہ میں تو رات دن انھیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لئے میرے پیچھے آگئے تو امام صاحب نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا کہ :۔

"حضرت میں آپ کی تکفیر کرتا تھا اور میں آج شرمندہ ہوں۔ آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا "

حضرت نانوتوی رحؒ نے فرمایا کہ :۔

"کوئی بات نہیں میرے دل میں آپ کے اس جذبہ کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے ۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہونچی ہے کہ میں توہینِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کرتا ہوں۔ تو آپ کی غیرت ایمانی کا یہی تقاضا تھا۔ ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہیئے تھی، تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں اس شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین کرے اور اگر آپ کو یقین نہ

آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اب امام بے چارہ قدموں میں گرا پڑ بچھا جاتا ہے۔

ف: بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں تواضع باللہ اور ادب مع اللہ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا۔ استہزاء اور تمسخر تو بجائے خود ہے بے قدری بھی اپنے معاندوں کی نہیں کرتے تھے۔ [1]

(۵۰)

ایک مرتبہ مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رح کو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں زیادہ دیر لگ گئی تو اٹھتے وقت بطور معذرت کے حضرت سے عرض کیا کہ:-

"آج حضرت کا بہت حرج ہوا، کیونکہ یہ وقت عبادت کا تھا"

حضرتؒ نے فرمایا کہ:-

"میاں کیا تسبیح چلانا ہی عبادت ہے، دوستوں سے باتیں کرنا بھی تو عبادت ہے" کیونکہ اس میں تطییبِ قلب مسلم ہے۔

ف: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے ایک بار حضرت مولانا تھانویؒ کا نام لے کر فرمایا کہ:-

"میاں اشرف علی جب ہم مجلس میں باتیں کرتے ہوں اس وقت بھی تم ہمارے باطن کی طرف متوجہ رہا کرو۔ یہ مت سمجھنا کہ اس وقت تو باتوں میں مشغول ہیں اس لئے باطن سے فیض نہ ہوگا۔ بھائی

---

[1] الحق صـ۱۴ رمضان ۱۳۸۹ھ۔

ہمارا باطن اس وقت بھی ذکر میں مشغول رہتا ہے۔" لہ

(۵۱)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح ایک مرتبہ تھانہ بھون سے کہیں باہر جا رہے تھے ایک طالب علم اپنا ٹکٹ نہیں خرید سکا، حضرت تھانویؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گارڈ کو کہہ کر ٹکٹ بنوا لو۔ وہ طالب علم گارڈ کے پاس گیا تو گارڈ نے یہ کہا کہ تم طالب علم ہو تم سفر کرو میں تمھیں نہیں پوچھوں گا۔ اس پر حضرت تھانوی رح نے فرمایا کہ :-

"یہ تو اس کے قبضہ میں نہیں۔ اس کے معاف کرنے سے تو معاف نہیں ہو سکتا اس لئے ٹکٹ دے دو۔"

چنانچہ گارڈ نے اس کو ٹکٹ بنا دیا۔ حضرت تھانوی رح نے اتنے پیسے کا ٹکٹ زائد لے کر ضائع کر دیا جتنا سفر وہ کر آیا تھا۔ اس واقعہ کو چند ہندو دیکھ رہے تھے انہوں نے اپنے دل کی بات کہی کہ :-

جب اس طالب علم نے آکر پہلے یہ کہا کہ گارڈ نے مجھے کرایہ معاف کر دیا ہے تو ہم دل میں بہت خوش ہوئے کہ اس نے غریب پروری کی ہے ایک غریب کی رعایت کی ہے۔ لیکن جب آپ نے فرمایا کہ :-

"یہ مالک نہیں ہے اس کو اجازت نہیں ہے کہ دوسرے کے مال میں رعایت کر سکے۔"

تو ہمیں اپنے دل کا روگ معلوم ہوا کہ ہماری نیت خراب تھی۔" لہ

لہ ماہنامہ الحق: ص ۳۲ شوال المکرم ۱۳۸۹ھ۔ لہ ماہنامہ الحق شوال ۱۳۸۹ھ۔

(۵۲)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ کی بھابی صاحبہ نے ایک مرتبہ حضرت سے کہا کہ آپ کے یہاں اتنے آدمی آتے ہیں کچھ ہمیں بھی تو بتلایئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تم سے کچھ نہیں ہونے کا۔ آخر جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ :-

"جتنی روٹی کھاتی ہو اس میں سے آدھی روٹی رکھا نا چھوڑ دو"

انھوں نے ایک دو وقت تو ایسا کیا آخر کہنے لگیں کہ :-

"آدھی روٹی تو نہیں چھوڑی جاتی ہاں روزہ کہو تو رکھ لوں"

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ :-

"جب آدھی نہیں چھوڑی جاتی تو ساری کیوں کر چھوٹے گی"

ف : یہ لطیف طریقۂ امتحانِ طالب کے جن کو بجز مشائخ کے کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔ [1]

(۵۳)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشدِ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں صرف چالیس روز رہے اور اکتالیسویں دن جب آپ وطن کو روانہ ہوئے تو مرشد صاحب نے کامیابی کا پروانہ آپ کو عطا فرما دیا اور بیعت لینے کی اجازت دے دی تھی اس چلّہ میں آپ کا امتحان لیا گیا اور کسوٹی پر کس کر آپ کے قلب کو پرکھ لیا گیا تھا کہ اس میں کبر و نخوت

---

[1] امداد المشتاق صد ۱۶۹ ۔

کا کوئی شائبہ تو باقی نہیں رہا۔ حضرت مولیٰنا گنگوہیؒ خود فرماتے تھے کہ :۔

"تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوتے چند روز گذرے تو میری غیرت نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ پر کھانے کا بار ڈالنا گوارا نہیں کیا۔ آخر میں نے یہ سوچکر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی ہے اور ناگوار بھی۔ رخصت چاہی۔ حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھہرو۔ میں خاموش ہو گیا قیام کا قصد تو کر لیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فکر ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیئے تھوڑی دیر کے بعد جب اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ صاحبؒ) مکان تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہو کر فرمانے لگے:۔

"میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا ہمارے ساتھ کھائیو"

دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا اعلیٰ حضرتؒ نے مجھے دسترخوان پر بٹھالیا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے علیحدہ ہی اپنی طرف رکھا اور معمولی سالن کا پیالہ میرے قریب سرکا دیا میں اپنے حضرت کے ساتھ کھانا کھانے لگا اتنے میں حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ تشریف لائے کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا دیکھ کر اعلیٰ حضرت (حاجی صاحبؒ) سے فرمایا:۔

"بھائی رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے"

اعلیٰ حضرت (حاجی صاحبؒ) نے بے ساختہ جواب دیا :۔

"اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑھوں، چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا۔"

اس فقرہ پر اعلیٰ حضرت رح نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرما رہے ہیں بالکل سچ ہے اس دربار سے روٹی ہی ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے اس کے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا۔

ف: یہ ہے تربیت اخلاق کی اور تصرف کی قوت۔ اس سے ظاہر ہے کہ چالیس روز میں واصل بنا دیا۔[1]

(۵۴)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ:-

"حضرت میں اللہ کا نام لیتا ہوں مگر کچھ نفع نہیں ہوتا"

حضرت رح نے فرمایا کہ :-

"یہ تھوڑا نفع ہے کہ نام لیتے ہو یہ تمہارا نام لینا ہی نفع ہے اور کیا چاہتے ہو"

ع گفت آں اللہ تو لبیک ماست
ویں نیاز و سوز و درد پیک ماست

ف: پس دنیا میں تو یہ رحمت کہ نام لینے کی اجازت دی اور آخرت میں اس پر قبول اور رضا مرحمت فرمائیں گے۔[2]

(۵۵)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے یہ مضمون

---

[1] امداد المشتاق صہ ۱۶۸ [2] امداد المشتاق صہ ۱۵۵۔

بیان فرمارہے تھے کہ جس طرح راحت و آرام نعمت ہے اسی طرح بلا بھی نعمت ہے کہ اسی وقت ایک شخص آیا اس کا ہاتھ زخم کی وجہ سے خراب ہو رہا تھا اور سخت تکلیف میں مبتلا تھا اور عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیے۔ حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا کہ اس وقت میرے قلب میں یہ خطرہ گذرا کہ حضرت اگر دعا نہ کریں تو اس شخص کے مذاق کی رعایت نہیں ہوتی اور یہ شیخ کامل کے لئے ضروری ہے آپ نے فرمایا کہ :-

"سب لوگ دعا کریں کہ اے اللہ اگرچہ ہم کو معلوم ہے کہ یہ تکلیف بھی نعمت ہے لیکن ہم لوگ اپنے ضعف کی وجہ سے اس نعمت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس نعمت کو مبدل بہ نعمت صحت فرما دیجئے"[۱]

(۵۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ سے مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی رح کے ساتھ ایک مسئلہ میں مناظرہ کی غرض سے تھانہ بھون پہونچے۔ تھانہ بھون میں داخل ہوتے ہی اوّل پیر محمد والی مسجد میں پہونچے دیکھا کہ ظہر کی نماز ہو چکی ہے اور اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ صاحبؒ) اپنی سہ دری میں بیٹھے ہوئے تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہیں حضرت مولانا حاضرِ خدمت ہوئے اور ختمِ تلاوت پر سلام مسنون عرض کر کے بیٹھ گئے اس سے قبل غالباً ایک مرتبہ دہلی اور دو مرتبہ گنگوہ اور ایک مرتبہ گذرگاہ وطن بنا کر تھوڑی دیر کے لئے تھانہ بھون میں اعلیٰ حضرت (حاجی صاحبؒ) کی زیارت ہوتی تھی۔ یہ پانچویں ملاقات تھی ....

۱؎ امداد المشتاق ص ۱۵۵۔

.... مگر یوں کہنا چاہیئے وطن میں اعلیٰحضرت

کے مہمان بن کر حاضری کا عمر بھر میں آپ کو پہلا اتفاق تھا۔

اعلیٰحضرت نہایت ہی کریمانہ اخلاق سے پیش آئے اور غایت درجہ خاطر

و مدارات فرمائی اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے۔ حضرت مولانا گنگوہی رح نے

مناظرہ کا مقصد ظاہر کیا۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا :-

"ہا ہا ایسا ارادہ نہ کرنا میاں وہ ہمارے بزرگ ہیں بڑے ہیں"

بس مباحثہ کا تو اسی جگہ فیصلہ ہو گیا اور حضرت گنگوہی رح یہ کہہ کر خاموش

ہو گئے کہ :-

"حضرت آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں"

اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور آپ نے موقع پا کر بالفاظ

مناسب بیعت ہونے کی درخواست کی۔

حضرت حاجی صاحب رح نے عادتِ شریفہ کے موافق بیعت میں تامّل

ہی نہیں فرمایا بلکہ طلب صادق کو امتحان کی کسوٹی پر کسنے اور اعتقاد و شوق

بڑھانے کے لئے صورۃً انکار کے لفظ زبان پر لائے۔ یہاں سوائے اخلاص

و شوق کے کیا تھا۔ قطبیت کا جامہ پہننے والا ایک جسم تھا جو سراپا طلب

بنا ہوا تھا نخوتِ علم و تکبر مولویت نام کو بھی نہ تھی اور جو کچھ تھی وہ پہلی ہی

گفتگو پر نکل چکی تھی پس نتیجہ امتحان یہ تھا کہ جتنا ادھر سے انکار تھا اسی قدر

اُدھر سے اصرار اور جس قدر اس جانب سے استغنا کا برتاؤ تھا اتنا ہی

اس طرف سے احتیاج و افتقار کا اظہار چونکہ پیرانِ عظام ہمیشہ طالب

صادق اور ہونہار کی تلاش میں رہتے ہیں اس لئے انہیں امتحان والے

دو تین دن میں مولانا شیخ محمد صاحب نے بھی جن سے مناظرہ کرنے تشریف

لائے تھے طرح طرح سے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔

مَاجَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ط

صاحبِ دل کا ایک دل چونکہ ایک کا ہولیا تھا اس لئے نہ پھرنا تھا نہ پھرا اور ثابت قدم کو، استقلال کے پاؤں ایک مخصوص آستانہ کی جانب لپک چکے اور امدادیہ دربا گہر بار میں جم چکے تھے اس لئے نہ ڈگنے تھے نہ ڈگے چنانچہ اسی اثنا میں حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ سے آنے کا سبب اور حالِ دل پوچھنے لگے تو آپ نے بے اختیار فرمایا:۔

"جدھر دل کا میلان ہے وہ قبول نہیں کرتے۔ دوسرے اپنی طرف کھینچتے ہیں عجب قصّہ ہے"

جناب حافظ صاحبؒ نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ ابھی جلدی کیا ہے چند روز ٹھہرو یہاں کے حالات دیکھو آخر جب آپکی پختگی ہر طرح ظاہر ہوگئی تو جناب حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں سفارش کا اجر حاصل فرمایا اور تھانہ بھون کی حاضری سے دو تین روز کے بعد آپ کو سلاسل اربعہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت حاصل ہوئی حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:۔

جب اعلیٰ حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت ہونے کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ "حضرت! ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہوسکتا اور نہ رات کو اُٹھا جائے"۔

اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ نے تبسم کے ساتھ فرمایا:۔

"اچھا کیا مضائقہ ہے"

اس تذکرہ پر کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہے! تو آپ نے جواب دیا

اور عجیب ہی جواب دیا کہ :-

"پھر تو مر مٹا"

القصہ حضرت مولانا قدس سرہٗ منظوری شرط کے بعد بیعت ہوئے اور اعلیٰ حضرت نے آپ کو بارہ تسبیح تلقین فرمادیں شب کے وقت اعلیٰ حضرت نے وہ چارپائی جس پر آپ استراحت فرماتے تھے اپنے پلنگ کے پاس بچھوائی اور آرام فرمایا۔ آخر شب میں جب اعلیٰ حضرت حسب معمول اُٹھے تو حضرت مولانا گنگوہی رحؒ کی بھی آنکھ کھل گئی مگر چونکہ بیعت کے وقت شرط ہو چکی تھی اس لئے اعلیٰ حضرت نے کچھ نہیں فرمایا کہ اُٹھ بیٹھو یا بتلائی ہوئی دوازدہ تسبیح کا ذکر کرو لیکن قدسی نفس شیخ کا پگھلا دینے والا اور کام کرانے والا سریع النفوذ فیضان پہلے ہی اپنا اثر کر چکا تھا اُدھر موثر قوی التاثیر ادھر متاثر کمال درجہ کا قابل تاثر اور دونوں پر طرہ مواجہت واتصال بھلا کس طرح ممکن تھا کہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ بستر پر لیٹے رہتے یا نیند آجاتی دو چار کروٹیں آپ نے ضرور بدلیں اور کسی درجہ میں چاہا بھی کہ نیند آجائے مگر حق تعالیٰ کو آپ سے جو کام چند ہی روز بعد لینا منظور تھا اس کے اسباب قریبہ اسی پہلی رات سے پیدا ہونے مقدر تھے پس نہ آپکی آنکھ لگی اور نہ آپ اس ناگوار ومضطرب حالت اضطجاع وتقلب کے متحمل ہو سکے آخر خود ہی اُٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے ایک گوشہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشہ میں آپ جا کھڑے ہوئے بہ نیت تہجد نوافل ادا کئے اور ذکر نفی واثبات بالجہر شروع کر دیا حضرت قدس سرہٗ نے جس وقت اس قصّہ کا خود تذکرہ فرمایا کہ آخر کار میں نے ذکر بالجہر شروع کیا گلا اچھا تھا بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت فرمانے لگے کہ تم نے ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا

مشاق کرنے والا ہو اس دن سے ذکر جہر کے ساتھ مجھے محبت ہو گئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اسکی ممانعت کی معلوم ہوئی یہ پہلا صلہ تھا جو شیخ کی زبان سے بہ تفاول نیک غیبی بشارت بن کر آپ کو ایک شب کی قلیل محنت پر عطا ہوا تھا جس کا ادنی ثمرہ یہ تھا کہ تا وصال حضرت مولانا قدس سرہٗ بارہ تسبیح منجملہ دیگر مراقبہ ومشاغل کے ایسی ہلکی آواز کے ساتھ ذکر فرماتے رہے کہ جس کو حجرہ کے پاس بیٹھنے والا سُن سکتا تھا۔ بمقتضائے۔

احب الاعمال مادیم علیہ الحدیث۔ زیادہ پیارا عمل وہ ہے جس پر مداومت ہو۔

خدا کے نزدیک اس ذکر بالجہر کی کس درجہ محبوبیت وپسندیدگی ہوگی جس کی مواظبت ابتدائی گھڑی سے انتہائی ساعت تک رہی ہو۔

باوجود گھر کے تقاضوں اور اقارب کے بار بار بلاووں کے آپ تھانہ بھون سے باہر نہ نکل سکے اور گو حاضری کے وقت قیام کا مطلق قصد یا خیال نہ تھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور اور قدرت کے دست تقدیر سے معذور چلہ پورا کرنا پڑا اور روز یہی رہا کہ آج نہیں کل چلا جاؤں گا اور کل نہیں پرسوں چلا جاؤں گا اگر کبھی ادھر سے اجازت کی طلب ہوئی تو اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ جواب تھا کہ چلے جانا...... آج نہیں کل سہی اور اگر کسی وقت اُدھر سے استفسار ہوا کہ کب جاؤ گے تو حضرت کی طرف سے یہ جواب تھا کہ آج نہیں کل چلا جاؤں گا نہ اُن کا جانے کو جی چاہے نہ ان کا بھیجنے کو دل چاہے ؂

الفت کا جب مزہ ہے کہ ہوں وہ بھی دردمند — دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی
عشق اوّل دردل معشوق پیدا می شود — گر نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

یہاں تک کہ آپ کو بیعت ہوئے اور ذکر بالجہر کرتے ایک ہفتہ گذرا تھا کہ آٹھویں دن شیخ العرب و العجم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی جانب سے دوسرا صلہ عطا ہوا اور واقع ہونے والی غیبی بشارت باین الفاظ صادر ہوئی کہ:-

"میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے"

حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی رح ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:-

"میں اس وقت بہت ہی متعجب ہوا کہ حضرت کیا فرماتے ہیں وہ کونسی چیز ہے جو اعلیٰ حضرت کو حق تعالےٰ نے دی تھی اور مجھے عطا ہوئی آخر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ کیا تھا"

حضرت مولانا کا یہ سفر زیادہ تر بہ نیت مباحثہ فقہیہ تھا اور آپ جن دو کپڑوں کو پہنے ہوئے تھے انہیں میں تھانہ بھون چلے آئے تھے نہ دوسرا جوڑا ساتھ تھا اور نہ قیام کی نیت تھی کہ بنا بنوالیں محض بلا قصد و ارادہ ٹھہرنا پڑا کچھ اوپر چالیس دن۔ اس لئے جب کپڑے زیادہ میلے ہو گئے تو اُن کو خود دھولیا ورنہ میلے ہی پہنے رہے آخر اسی فیضانِ صحبت و مشغلۂ ذکر میں چالیس دن پورے ہوئے اور حضرت قطب العالم مولٰنا گنگوہی قدس سرہٗ بخار میں مبتلا ہو گئے ادھر علالت کے باعث یہ خیال کہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ پر تیمارداری اور خدمتِ مرض کا بار ڈالنا خلافِ ادب ہے اور ادھر گھر والوں کے شدید تقاضوں پر تقاضے کیونکہ جو دن گذرتا تھا متعلقین کا فکر بڑھتا اور خدا جانے کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے تھے کہ بیٹھے بٹھائے بلا سامانِ سفر و زاد راہ ایک دن کو تھانہ بھون گئے تھے سبب کیا کہ ہفتے لگادیئے اور گھر کا نام نہیں لیتے اسلیے حضرت گنگوہی رحنے اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ سے رخصت چاہی اور آپ نے بخوشی اجازت مرحمت

فرمائی چنانچہ پورے بیالیس روز ختم فرما کر حضرت مولانا گنگوہی رح تھانہ بھون سے روانہ ہوئے اور اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رح بہ نفس نفیس معہ دیگر متعلقین کے ایک جم غفیر میں بغرض مشایعت مسنونہ روانہ ہوئے اور تھوڑی دور تک ہونہار مسافر مہمان کے ساتھ ساتھ تشریف لے چلے۔ حضرت مولانا کا اصرار تھا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں مجھے آپ کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رح کا دل یہ چاہے کہ جہاں تک بھی طاقت یاری دے ساتھ چلیں آخر دونوں خادم و مخدوم معہ دیگر ہمراہی احباب و ہمعصر اصحاب کے پاپیادہ روانہ ہوئے اور سواری کی بہلی خالی کبھی پیچھے اور کبھی آگے چلتی رہی اعلیٰ حضرت کی پدرانہ شفقت اور سادگی کے ساتھ مربیانہ محبت کا یہ اقتضا کہ مولانا سواری میں سوار ہو جائیں کیونکہ عشق کی اندرونی حرارت کے ساتھ بخار زدہ بدن کا ضعف راحت کا طالب ہے اور سعید و رشید مولانا گنگوہی رح کے غایت تادب و تکریم اور عجز و انکسار کے ساتھ خوردانہ توقیر و تعظیم کا یہ مقتضیٰ کہ گو اعلیٰ حضرت کا قدم قدم سرچشمہ وصل و آبحیات ہونے کی وجہ سے ذریعہ فلاحِ دین و دنیا ہے۔ عجیب سماں تھا کہ نہ امام ربانی گنگوہی رح غایت ادب کے باعث سواری پر سوار ہوتے ہیں اور نہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رح اپنے لاڈلے روحانی بیٹے کی درخواست پوری فرما کر واپس ہوتے ہیں یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رح بایں خیال کہ بیماری کی حالت میں پاپیادہ چلنا مبادا چہیتے دینی بیٹے کی کلفت و ماندگی اور زیادت مرض کا باعث ہو۔ ٹھٹکے اور مجمع کو وہیں کھڑا کر کے حضرت مولانا کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب علیحدہ لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے :۔

"اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کر لینا"

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :۔

"میں نے عرض کیا۔ مجھ سے کون درخواست کرے گا"
اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :-
"تمھیں کیا؟ جو کہتا ہوں وہ کرنا" ؎۱

(۵۷)

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ جو کہ میاں جی کے نام سے مشہور تھے۔ دیوبند کے ایک نہایت ہی برگزیدہ ہستی تھے۔ مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے اُن کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ میاں جی صاحب کا ایک پکا مکان تھا جس کی ہر موسم برسات میں لپائی کرتے تھے۔ اس عرصہ میں وہ میرے ہاں قیام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مفتی صاحب نے عرض کیا کہ :-

حضرت! اپنا مکان پختہ کیوں نہیں کروا لیتے تاکہ ہر سال کی تکلیف سے نجات مل جائے"

حضرت میاں جی صاحبؒ نے مفتی صاحب قدس سرہٗ کو شاباش دی اور فرمایا کہ واقعی نہایت اچھی بات ہے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آہستہ سے فرمایا کہ :-

"میں جس محلے میں رہتا ہوں وہاں سارے مکان کچے ہیں، اگر میں اپنا مکان پختہ بناتا ہوں تو غریبوں کو اپنی مفلسی کا احساس اور شدید ہو جائے گا۔ میں یہ نہیں چاہتا" ؎۱

(۵۸)

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی رحؒ کے ایک وکیل صاحب

؎۱ امداد المشتاق ص۱۸   ؎۲ ماہنامہ الحق ص۵۶ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ

.... دوست تھے جو میرٹھ کے رہنے والے تھے وہ ایک مرتبہ کاندھلہ آئے واپسی پر مولانا احتشام الحسن صاحب نے کہا کہ سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے بھی ملاقات کرتے جایئے گا چنانچہ وہ یہاں صبح کے وقت میں آئے ملاقات ومصافحہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو انھوں نے کہا کہ کاندھلہ سے، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:-

"اس وقت تو میں بات نہیں کر سکتا ساڑھے گیارہ بجے ملاقات ہوگی"۔

دوپہر کے کھانے میں وکیل صاحب حاضر ہوتے تو شیخ الحدیث صاحب نے اُن سے پوچھا:-

"آپ وکیل ہیں بتائیں اگر آپ مثلیں دیکھنے میں مشغول ہوں اور کوئی آپ سے آکر بات کرنا چاہے تو آپ پسند کریں گے (مطلب یہ تھا کہ سبق پڑھانے کے دوران کسی کو ملاقات کے لئے نہ آنا چاہیے)"۔

بہر حال دسترخوان پر اُن سے خوب بے تکلفی رہی۔ کھانے کے بعد شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اب عصر کے بعد ملاقات ہوگی۔ عصر کے بعد کا منظر بھی انہوں نے دیکھا وہ دوسرے دن واپس میرٹھ گئے۔ وہاں سے اسی دن انہوں نے مولوی احتشام الحسن صاحبؒ کو خط لکھا کہ:-

"آپ نے مجھے ایک ایسے آدمی کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا، مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے اگر دوپہر کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت

وہاں سے چلا آتا مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس کا ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے۔ عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخ وقت معلوم ہوتا ہے انھوں نے لکھا کہ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایک آدمی میں تین آدمی دکھا دیئے"۔ لہ

(۵۹)

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب آخری مرتبہ کراچی تشریف لے گئے تو ہوائی اڈے پر آپ کے خلیفہ مجاز جناب حاجی نور محمد صاحب بٹ مع اپنے دونوں صاحبزادوں کے تشریف لائے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ چونکہ ایک پیر سے معذور تھے اس لئے بٹ صاحب کے ایک صاحبزادے جو ماشاء اللہ جسم کے لحاظ سے بھاری بھرکم ہیں حضرت مفتی صاحبؒ کو ہوائی جہاز سے اتارنے کے لئے آگے بڑھے۔ جب حضرتؒ کو اُن کا ارادہ معلوم ہوا تو ہنس کر فرمایا کہ :-

"میاں تم اپنے آپ کو اُٹھاؤ گے یا مجھکو"

عرض کیا کہ حضرت میں دونوں کو اُٹھالوں گا۔ ٢ہ

(۶۰)

جناب سلطان محمود صاحب ہیڈ ماسٹر (جو مسلکاً اہل حدیث ہیں) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

لہ صحبتے با اولیاء صـ ۱۴۷ ٢ہ تذکرہ حسن صـ ۶۸ ۔

مدرسہ نعمانیہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ اس کے ایک اجلاس کی صدارت کے لئے مجھے حکم دیا، میں نے کہا:-

"یہ علماء کا مجمع ہے اور میری ڈاڑھی چھوٹی ہے۔ میں اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ ایسے اہم اجلاس کی صدارت کروں۔"

مفتی محمد حسن صاحبؒ نے ازراہ مزاح فرمایا:-

"آپ کی ڈاڑھی چھوٹی ہے تو کیا ہوا۔ میری ڈاڑھی جو لمبی ہے۔ میں آپ کے ساتھ بیٹھوں گا اور آپ کی ڈھال بنوں گا۔ جو لوگ صدر کو دیکھنا چاہیں گے وہ آپ کو دیکھ لیں گے اور جو ڈاڑھی کو دیکھنا چاہیں گے وہ مجھے دیکھ لیں گے۔" [1]

(۶۱)

جناب منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب ملتانی اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:-

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ انسان کسقدر با اختیار ہے اور کتنا بے اختیار؟ حضرت علی رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ایک ٹانگ اوپر اٹھاؤ۔ جو انہوں نے بآسانی اونچی کر لی۔ فرمایا اب دوسری بھی اٹھاؤ۔ اس شخص نے کہا یہ تو ممکن نہیں۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ بس انسان اتنا با اختیار ہے اور اتنا بے اختیار۔

اس واقعہ پر مجھے ایک اشکال پیدا ہوا کہ فی الواقع انسان کو اپنی ٹانگ بھی اٹھانے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اس کا اٹھانا بھی توفیقِ الٰہی

---

[1] تذکرۂ حسن صہ ۶۸

کے تابع ہے میں نے یہ اشکال ایک روز حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت طلبہ کی ایک جماعت آپ کے پاس موجود تھی۔ میں نے جب اپنا یہ اشکال پیش کیا تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ :-

"آپ اپنی ٹانگ اوپر اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟"

میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا :-

"بس انسان اس حد تک بااختیار ہے جو کام آپ کر سکتے ہیں وہ کرتے چلے جائیں"

یہ فرما کر آپ درس میں مشغول ہو گئے۔ جب طلبہ سبق پڑھ کے چلے گئے تو پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور رازدارانہ انداز میں فرمایا :-

"آپ نے بہت اونچے درجے کی بات کی ہے۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ حقیقت تک پہونچ گئے۔ سب کچھ اسی کی دی ہوئی توفیق سے ہوتا ہے۔ وہ اگر نہ چاہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں فی الواقع ہم بے بس و بے اختیار ہیں۔ ہمارا بس و اختیار سب اسی کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ مگر ایسی باتیں عوام میں کرنے کی نہیں ہوتیں" لے

(۶۲)

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب فراش ہونے سے قبل خود ہی فتووں کے جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے۔ مگر جب سے علالت

لے تذکرۂ حسن صد۶۵۔

کا سلسلہ شروع ہوا اور جب دیکھا کہ بیماری دائمی صورت اختیار کر گئی تو اس وقت حضرت نے یہ کام ترک فرما دیا اور دوسروں کے سپرد فرما دیا۔ کافی عرصے تک مختلف اصحاب علم انجام دیتے رہے اب یہ کام حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ، کے سپرد ہے۔ اس درمیان میں جو صاحب بھی حضرت سے مسئلہ پوچھتے تھے تو فرماتے تھے کہ :۔

"بھائی یہ کام میں نے بہت دنوں سے ترک کر دیا ہے اور اب مسائل بھی مستحضر نہیں رہے۔ اس لئے نیچے (کی منزل میں) جا کر مفتی صاحب سے دریافت کرو۔" [۵]

(۶۳)

حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دفعہ دو عورتیں بے پردگی کی حالت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں۔ حضرت نے صاحبزادہ صاحب کے ذریعہ کہلوایا کہ پردہ کر کے آئیں۔ انھوں نے جواباً کہہ دیا کہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے پردہ کیا جا سکے۔ پھر حضرت نے خود ہی اپنے چہرہ مبارک پر رومال ڈال لیا اور فرمایا کہ ان سے کہو کہ آجائیں۔ جب آکر بیٹھ گئیں تو حضرت مفتی صاحبؒ سے فرمایا کہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ ایک نے کہا کہ :۔

"یہ میرے ساتھ میری چھوٹی ہمشیرہ ہے اس کا شوہر نہ تو اسے آباد کرتا ہے اور نہ ہی اس کو چھوڑتا ہے اور اس کو تنگ رکھتا ہے۔ اس کے چھٹکارے کی شرعاً کیا صورت ہے ؟"

---

[۵] تذکرۂ حسن صد ۶۶

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا :۔

"اس سے چھٹکارے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ طلاق ہے تم اُس سے کسی طرح طلاق حاصل کر لو۔ بس اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں"

مکرر دریافت کرنے پر کہ رہائی کی کوئی صورت نکالی جائے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :۔

"میں مسئلہ بتاتا ہوں، بناتا نہیں۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں"

جب وہ اُٹھ کر چلی گئیں تو حضرت نے اس وقت تک اپنے چہرہ سے رومال نہیں اُتارا جب تک کہ سیڑھیوں میں اُن عورتوں کے اُترنے کی آواز کو نہ سن لیا۔ پھر فرمایا :۔

دیکھو ان کا ظاہر تو ایسا ہے جو قابلِ نفرت ہے مگر اُن کے دل میں دین کی محبت و عظمت ہے اگر دین سے محبت و تعلق نہ ہوتا تو میرے پاس مسئلہ پوچھنے نہ آتیں۔

ف : اس واقعہ سے حضرت کا کمالِ تواضع ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کسی کو ذلیل نہ سمجھتے تھے۔ ؎۱

(٦٤)

ایک دفعہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے اپنے صاحبزادے جناب حافظ ولی اللہ صاحب سے بطور سوال یہ فرمایا کہ :۔

؎۱ تذکرۂ حسن صـ ٦٣۔

تم دیکھتے ہو کہ میرے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ آنے والوں کے اندر امیر، غریب، اعلیٰ افسر اور علماء ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کیوں آتے ہیں؟"

صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں خاموش ہو گیا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے خود ہی فرمایا:۔

"میرے پاس کیا ہے کچھ نہیں، لیکن ان لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں دیندار ہوں تو گویا یہ لوگ دین کی وجہ سے میرے پاس آتے ہیں۔ اس سے اندازہ کر لو کہ دین میں کتنی عظمت پوشیدہ ہے۔ دین کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ دین اللہ کی رحمت و برکت کا سرچشمہ ہے۔ دولت کوئی چیز نہیں وہ ہوا کے جھونکے کی طرح نکل جاتی ہے۔"[1]

۶۵

حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پر ایک زہریلا قسم کا پھوڑا ہو گیا تھا جس نے رفتہ رفتہ ساری پنڈلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ جب وہ زخم اوپر بڑھنے لگا تو اس وقت مخلصین کے اصرار پر آپ ٹانگ کٹوانے پر راضی ہو گئے۔

جب آپ کی ٹانگ کاٹی گئی تو ڈاکٹروں کو خطرہ تھا کہ شاید آپ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ کرنل امیر الدین صاحب گھبرائے ہوئے تھے اور ٹانگ کاٹ رہے تھے اور ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب ٹانکے لگا رہے تھے اور کرنل ڈاکٹر ضیاء اللہ صاحب نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ مفتی صاحب

---

[1] تذکرۂ حسن ص۱۶۱۔

بھی پریشان ہوں گے مگر آپ بالکل مطمئن تھے اور فرمایا کہ "میرے لئے تو آج عید ہے"۔

ٹانگ کاٹنے سے قبل حسبِ دستور ڈاکٹروں نے ایسی دوا دینی چاہی کہ شدید تکلیف کا احساس نہ ہو یا ہو تو کم ہو۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے کوئی ایسی دوا لینے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:-

"مجھے میرے حال پر چھوڑ کر آپ اپنا کام شروع کریں"

ستّر برس کی عمر ڈاکٹر صاحبان بڑے پریشان تھے۔ طوعاً و کرہاً ایک ٹیکہ لگا کر ران کاٹنی شروع کر دی اس میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا۔ آپریشن کے وقت جس ڈاکٹر نے آپ کے نبض پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اُن کا بیان ہے کہ:-

"حیرت ہے کہ آپریشن کے شروع سے اختتام تک نبض کی رفتار میں سرمو فرق نہیں آیا اس آپریشن کے بعد جو درد ہوتا ہے اسکی شدت کا اور کوئی فرد مقابلہ نہیں کر سکتا مگر حضرت جس بشاشت کے ساتھ آپریشن روم میں داخل ہوتے تھے اسی کے ساتھ واپس ہوئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں"۔

حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کو تشریف لائے تو آپ نے اس استقامت کا (جو کہ ٹانگ کٹنے کے وقت تھی) راز پوچھا آپ نے فرمایا:-

"میں اس وقت اس تکلیف کے اجر جزیل کو خوشی میں جو متشکل ہو کر سامنے آ گیا تھا ایسا محو ہوا کہ مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے"۔

ف: یہ عین الیقین کا مقام تھا کہ تکلیف تک کا احساس نہ ہوا۔ [1]

---

[1] تذکرۂ حسن صفحہ ۵۔

(۶۶)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور آکر یہ عرض کیا کہ :-

"میں بیمار ہو گیا تھا، اتنی مدت تک مجھ کو حرم شریف کی نماز نصیب نہ ہوئی"

حضرت حاجی صاحبؒ اس سے کچھ نہ فرمایا لیکن اپنے خاص لوگوں سے فرمایا :-

"عارف ان باتوں سے رنجیدہ نہیں ہوتا کیونکہ مقصود تو خدا تعالیٰ کی رضا مندی اور ان کی نزدیکی ہے۔ اور جس طرح کہ قدرت رکھنے کی حالت میں حرم شریف کی نماز خدا تعالیٰ کی نزدیکی کا ایک طریقہ ہے اسی طرح ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بیمار ہو جائیں اور بیماری کا ثواب ملے جو تندرستی میں حرم شریف کے اندر ملتا تھا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ جو کام تندرستی میں کیا کرتا تھا۔ بیماری میں بھی اس کا برابر ثواب ملتا رہتا ہے"

اس کے بعد فرمایا کہ :-

"بندہ کو مولا پر فرمائش کرنے کا حق نہیں کہ مجھ کو فلاں طریقہ سے مقصود حاصل ہو۔ دونوں راستے خدا تک پہونچنے کے ہیں وہ جس طریقہ سے چاہے پہنچائے بندے کو کیا حق ہے کہ ایک راستہ کو اپنی رائے سے مقرر کرے اور اسکی فرمائش کرے" [1]

---

[1] وعظ آرزو کا چھوڑنا صـ ۲۹-۳۰

(۶۷)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ انبیٹھ میں ایک دولت مند شخص کو بہت سخت مرض تھا مولانا کو بلایا گیا تو مولانا نے اس کے لئے افتیمون بتلائی۔ ان لوگوں نے سستی دوا سمجھ کر ٹال دیا وہاں ایک اندھے حافظ جی رہتے تھے اُن سے علاج پوچھا گیا انہوں نے خواب میں دیکھا کہ:-

"کوئی بزرگ افتیمون ہی بتلاتے ہیں۔"

انھوں نے لوگوں سے ذکر کیا لوگوں نے حضرت مولانا سے ذکر کیا۔ مولانا خوش مزاج بہت تھے حافظ جی سے پوچھا کہ:-

"خواب میں کہیں میں تو نہ تھا؟"

تو حافظ جی کہتے ہیں جی ہاں! آواز تو ایسی ہی تھی۔ غرض جب خواب سے یہی دوا معلوم ہوئی تب کہیں اسکی قدر ہوئی اور پھر اسکو استعمال کیا گیا۔

ف: سستے ہونے سے کسی چیز کے نفع کو معمولی سمجھنا خود ہی غلطی ہے کیونکہ اکثر تو یہی ہے کہ جس قدر کوئی چیز زیادہ نفع کی ہے اسی قدر وہ زیادہ نفع کی ہے جیسے ہوا کہ نفع تو اس کا اس قدر کہ زندگی کا مدار اسی پر ہے اور سستی اتنی کہ بالکل بے قیمت۔ ہوا کے بعد پانی ہے کہ وہ نفع میں ہوا کے برابر نہیں اسی لئے اتنا سستا بھی نہیں۔[1]

(۶۸)

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سہارنپور

---

[1] وعظ اصلاح کی آسانی ص ۱۲۔۱۳۰

سے کانپور تشریف لے جارہے تھے۔ حضرت کے ساتھ کچھ پونڈے بھی تھے۔ انہیں تلوا کر محصول دینا چاہا۔ جو لوگ رخصت کرنے آئے تھے انہوں نے تو منع کیا ہی مگر خود اسٹیشن والوں نے بھی کہا کہ :۔

"آپ لے جائیں محصول کی ضرورت نہیں ہم گارڈ سے کہدیں گے کوئی روک ٹوک نہ کرے گا"

حضرت تھانویؒ نے پوچھا کہ یہ گارڈ کہاں تک جائے گا جواب ملا غازی آباد تک۔ حضرت حکیم الامتؒ نے دریافت فرمایا کہ آگے کیا ہوگا جواب ملا کہ آگے وہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہدے گا۔ حضرت نے پھر پوچھا کہ آگے کیا ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ :۔

"بس آگے کانپور آجائے گا اور سفر ختم ہو جائے گا"

حضرتؒ نے فرمایا کہ :۔

"نہیں اس سے آگے آخرت ہوگی اور وہاں جانا پڑے گا تو وہاں کی روک ٹوک اور پکڑ دھکڑ سے کیا گارڈ صاحب بچائیں گے؟"

اس پر سب چُپ ہو گئے اور اسٹیشن ماسٹر پر اس کا بڑا اثر ہوا اور محصول لے لیا گیا۔ غرض آخرت اُن عقلمندوں کو یاد نہ آئی۔ [۱]

(۶۹)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے ایک شخص نے پوچھا کہ :۔

"آپ نے اپنے بھتیجے کے لئے کیا تجویز کیا اور اس کو کس کام میں لگایا"

حضرت رحؒ نے فرمایا کہ :۔

---

[۱] وعظ۔ عالموں کی ضرورت ص۱۱ ۔

عربی پڑھتا ہے تاکہ دین کی خدمت کرے۔"

وہ کہنے لگے کہ :۔

"دیوبند کے مدرسہ میں ہمیشہ سو ڈیڑھ سو آدمی فارغ ہو کر نکلتے ہیں وہ دین کی خدمت کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے اُن کے لئے انگریزی کیوں پسند نہ کی کہ دنیا کی ترقی کرتا اور خوب روپیہ کماتا۔"

حضرت حکیم الامت تھانوی رہ نے فرمایا کہ :۔

"جناب دین کی خدمت کرنا اگر خسارے اور ٹوٹے کی بات ہے تب تو کیا وجہ ہے کہ مدرسہ دیوبند کے طالب علموں کے واسطے یہ گری ہوئی حالت پسند کی جائے۔ بلکہ چلو اور سب کو مشورہ دو کہ سب عربی چھوڑ کر انگریزی میں لگ جائیں آخر وہ بھی مسلمانوں ہی کے بچے ہیں۔ اگر دینی خدمت کچھ فائدہ کی چیز ہے تو کیا وجہ ہے کہ میرے بھتیجے (حضرت مولانا شبیر علی صاحب رح) کے لئے اس کو تجویز اور پسند نہ کیا جائے۔"

اس جواب سے وہ بالکل خاموش رہ گئے۔ حضرت رح نے پھر فرمایا کہ :۔

"افسوس کی بات ہے کہ دیوبند کے طالب علم تو ایسے ذلیل کہ جس شغل اور کام کو آپ بیکار سمجھ رہے ہیں وہ تو اُن کے لئے تجویز کیا جائے اور آپ کی اولاد ایسی عزیز اور لائق کہ اس کے لئے ڈپٹی کلکٹری اور تحصیلداری تجویز کی جائے۔" ؎۱

(۷۰)

حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما رہے تھے۔ اُن کے

؎۱ وعظ۔ عالموں کی ضرورت ص۱۵۔۱۶۔

سامنے ایک نوجوان پٹھان بھی وضو کر رہا تھا، اس نوجوان کے پاؤں خشک رہ گئے۔ شاہ صاحب نے حکمت عملی سے کام لیا اور فرمایا کہ :۔

"بھائی! میں بوڑھا ہوں میری نظر کمزور ہے مہربانی فرما کر میرے پاؤں دیکھو کہ کہیں خشک تو نہیں رہ گئے۔ حدیث میں اس بارے میں سخت وعید آئی ہے"۔

جب نوجوان نے اپنے پاؤں دیکھے تو وہ خشک تھے اس نے کہا کہ :۔

"اے شیخ! خدا آپ پر رحمت کی بارش برسائے آپ نے مجھے اچھے وعظ اور اچھی نصیحت سے غلطی بتلائی"۔

اور اس نے فوراً اپنی اصلاح کر لی۔ [1]

(۷۱)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مظفر نگر میں ایک تھانیدار معتقد تھا۔ ایک دن اس نے حضرت مولانا نانوتوی رح کی دعوت کی۔ مولانا نے دیکھا تھا کہ تھانیدار کی کمائی مشتبہ اور مشکوک ہے اس وجہ سے اس کی دعوت کو نامنظور فرما دیا۔ تھانیدار نے دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ معلوم کی تو حضرت نے فرمایا میں معذور ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر آپ بیمار ہوں تو علاج کرا دوں۔ حضرت نے فرمایا نہیں کوئی اور عذر ہے۔ اس نے کہا اگر جانے میں تکلیف ہو تو سواری کا انتظام کر دوں۔ حضرت نے فرمایا یہ مجبوری نہیں بلکہ دوسرا عذر ہے۔ اس نے پھر درخواست کی کہ کھانا آپ کے یہاں بھیج دوں۔ آپ نے انکار فرمایا اس نے عرض کیا میں خود حاضر ہو کر کھانا پیش کروں گا۔ حضرت رح نے صاف

---

[1] فلسفہ نماز و تبلیغ صد ۱۷-۱۸۰ ۔

انکار فرما دیا۔ وہ تھانیدار ایک دم غصّہ ہوگیا اور کہا کہ آپ نہ بزرگ ہیں اور نہ نیک کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دعوت قبول کرو اور آپ قبول نہیں کرتے۔ اس پر مولانا نانوتوی رح نے فرمایا کہ جو عیوب تو نے بیان کئے ہیں ان سے زیادہ عیوب کا مرتکب اور مستحق ہوں۔ اس وقت تھانے دار کو ہوش آیا اور سوچا تو معلوم ہوا کہ حضرت میری دعوت میرے مال کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے رد فرما رہے ہیں۔ اس نے اسی دن سے تھانیداری چھوڑ دی۔ کچھ دنوں بعد پھر دعوت کی اور عرض کیا کہ :۔

"حضرت! اب میری اپنی جائیداد کی حلال کمائی ہے آپ کی دعوت کرتا ہوں"

مولانا محمد قاسم صاحب رح نے دعوت منظور فرمالی اور اس سے فرمایا کہ :۔

"ملازمت بھی کرو لیکن دیانت داری سے کام لو کیونکہ تھانیداری کرنا دیانت داری کے ساتھ تمام بھلائیوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ محتسب کے درجہ میں تھانے دار ہوتا ہے"

ف : پس معلوم ہوا کہ امر بالمعروف کے لئے حکمت عملی اور نرمی کا ہونا ضروری ہے۔ [1]

(۷۲)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح کے یہاں ایک بنگالی مہمان ہوا۔ مولانا گھر والوں کو کھانا کھلانے کی تاکید فرما کر مدرسہ وغیرہ چلے گئے۔ واپسی میں مہمان سے پوچھا کہ :۔

---

[1] فلسفہ نماز و تبلیغ ص ۱۹-۲۰۔

"کیا آپ نے کھانا کھا لیا ہے؟"

وہ کہنے لگا نہیں کھایا۔ مولانا گھر میں آکر خوش ہونے لگے۔ گھر والوں نے کہا ہم تو کھانا کھلا چکے۔ مولانا کو حیرت ہوئی۔ سوچنے سے یہ بات سمجھے کہ:۔

"یہ لوگ چاول کو کھانا کہتے ہیں"

آپ نے جب دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ:۔

"روٹی بھیجی تھی چاول نہ تھے"

غرضیکہ وہ لوگ چاول ہی کو کھانا کہتے ہیں۔ ہر ایک کی اصطلاح جدا ہے۔ [1]

(۷۳)

الہ آباد میں ایک ولایتی محمد شاہ صاحبؒ تھے۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب بگھروی ایک شخص کے ساتھ ان کی زیارت کو گئے۔ انہوں نے ساتھ والے شخص سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟۔ انھوں نے کہا کہ:۔

"یہ حافظ بھی ہیں، حاجی بھی ہیں"

حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے تواضعاً کہہ دیا کہ:۔

"جی نہیں، میں کچھ بھی نہیں ہوں"

بس پھر کیا تھا محمد شاہ صاحب اُن کے سر ہو گئے اور کہا:۔

"اچھا تم یہ چاہتے ہو کہ حق تعالیٰ تم سے حفظ کی دولت چھین لے اور تمھارا حج باطل کر دے"

حافظ صاحب بالکل خاموش ہو گئے۔ پھر جب بھی حافظ صاحب اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے:۔

---

[1] وعظ مظاہر الآمال صہ ۵۔

"آؤ ناشکرا، آؤ ناشکرا"

ف :- پس اعمال کو ایسا حقیر نہ سمجھا جائے کہ نعمت حق کی ناشکری ہونے لگے۔ لہ

(۷۴)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح ایک دفعہ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جانے کے لئے سہارنپور سے لکھنؤ جانیوالی ریل میں سوار ہوئے اسی گاڑی میں ایک جنٹل مین ہم وطن بھی پہلے سے سوار تھے۔ حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ :-

"کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

کہنے لگے میں میرٹھ جا رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ :-

"یہ گاڑی میرٹھ نہیں جا رہی ہے بلکہ لکھنؤ جا رہی ہے۔"

یہ بات سنتے ہی اُن کی حالت بدل گئی۔ بار بار لاحول پڑھتے کبھی ادھر دیکھتے کبھی اُدھر دیکھتے سارا سکون چھن گیا۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا:-

"میاں! رڑکی سے اسطرف تو یہ گاڑی ٹھہرے گی نہیں۔ پریشان ہونے سے کیا حاصل اطمینان سے بیٹھو اور بات چیت کرو۔"

یہ بات سنتے ہی ایک دم غصہ ہو گئے اور کہنے لگے :-

"آپ کو باتوں کی سوجھی ہے اور مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔"

حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے فرمایا کہ :-

"میں نے اس وقت اپنی اور اُن کی حالت پر غور کیا۔ حالانکہ میں

لہ وعظ مظاہر الآمال صہ ۲۵۔

ابھی تک منزل پر نہیں پہنچا تھا اور وہ ابھی اپنے مقصود سے بہت دور نہیں ہوئے تھے بلکہ لوٹتی گاڑی میں یہ اپنی منزلِ مقصود پر مجھ سے پہلے پہنچ جائیں گے مگر پھر بھی میں مطمئن تھا اور وہ غیر مطمئن۔ تو آخر میرے اطمینان اور ان کی بے اطمینانی کا سبب کیا ہے؟ تو یہی معلوم ہوا کہ میرے اطمینان کا سبب یہ تھا کہ میں راہ پر تھا اور اُن کی بے اطمینانی کا سبب یہ تھا کہ وہ راہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ اُس وقت ریل جسقدر مسافت طے کرتی تھی مجھے مسرّت اور راحت ہوتی تھی اور اُن کو ہر ہر قدم پر پریشانی ہوتی تھی اور غصہ آتا تھا۔" [۱]

(۷۵)

ایک مرتبہ ریل میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح ایک رئیس کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اُن کے ہاتھ سے ایک بوٹی نیچے کے تختے پر گر پڑی تو ان صاحب نے اس کو بوٹ سے پھینچ کر نیچے کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت تھانویؒ کو بڑا صدمہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے رزق کی یہ بے قدری۔ آپ نے خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ سے فرمایا کہ:-

"ذرا اس بوٹی کو اُٹھا کر پانی سے دو لیجئے اور دھو کر مجھے دے دیجئے میں اس کو کھاؤں گا۔"

خواجہ صاحب نے اس بوٹی کو دھویا اور دھو کر کہنے لگے کہ:-

"اگر کوئی دوسرا شخص اس بوٹی کو کھالے تو اجازت ہے؟"

---

[۱] وعظ۔ مظاہر الآمال صہ۳۲۔

حضرت تھانوی رح نے فرمایا کہ ہاں! اجازت ہے۔ لہٰذا خواجہ صاحب نے خود کھا لی۔ وہ رئیس بعد میں کہتے تھے کہ اس عملی تنبیہہ کا مجھ پر ایک اثر ہوا کہ :-

"میں کٹ کٹ گیا اور اُس دن سے میں کبھی گرے ہوئے لقمہ کو زمین پر نہیں چھوڑتا بلکہ صاف کر کے کھا لیتا ہوں۔" ؎۱

(۷۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی خدمت میں ایک گنوار شخص آیا اور کہا کہ مولوی جی مجھے مرید کر لو۔ حضرت نے فرمایا اچھا بھائی آؤ۔ مرید کرتے ہوئے جو جو باتیں کہلواتے ہیں مثلاً نماز پڑھو، روزہ رکھو۔ سب کچھ کہلوا لیا۔ جب مولانا اپنی باتیں پوری فرما چکے تو اس نے کہا کہ :-

"مولوی جی! تم نے افیون سے تو توبہ کرائی نہیں۔"

حضرت نے فرمایا کہ :-

"بھائی! مجھے کیا خبر کہ تو افیون بھی کھاتا ہے۔"

حضرت گنگوہی رح چونکہ طبیب تھے اور جانتے تھے کہ ایک دم افیون کا چھوڑنا مشکل ہے اور طالب کی حالت کی رعایت ضروری ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ کتنی افیون کھایا کرتے ہو میرے ہاتھ پر رکھ دو۔ اس نے گولی بنا کر حضرت کے ہاتھ پر رکھ دی۔ حضرت نے اس میں سے کچھ کم کر کے باقی اس کو دے دی اور فرمایا کہ اتنی کھا لیا کرو۔ بعد میں پھر مشورہ کر لینا۔ وہ شخص کچھ دیر خاموش بیٹھ کر کہنے لگا :-

"اجی مولوی جی! جب توبہ ہی کر لی تو پھر اتنی اور اتنی کیا۔"

؎۱ وعظ عصمۃ الصفوف ص۳۲

یہ کہہ کر افیون کی ڈبیہ نکال کر دیوار پر ماری اور یہ کہا کہ :۔

"اری افیون! جا میں نے تجھے چھوڑ دیا"

بس یہ کہہ کر چلا گیا نہ ذکر پوچھا نہ شغل۔ افیون کے چھوڑنے سے دست آنے لگے اس نے کہلا کر بھیجا کہ :۔

"مولوی جی! دُعا کر دیجیو کہ میں اچھا ہو جاؤں مگر افیون نہ کھاؤنگا"

غرض بُری حالت تک نوبت پہنچی مرتے مرتے بچا مگر اچھا ہو گیا۔ تندرست ہو کر حضرت کی خدمت میں ہوا۔ حضرت نے پوچھا کون ؟ اس نے بتایا میں افیون والا ہوں اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد ۲ دو روپے پیش کئے۔ مولانا نے کسی قدر عذر کے بعد دل جوئی کی غرض سے قبول فرما لئے۔ اس نے کہا :۔

"اجی مولوی جی! یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ کیسے روپے ہیں"

مولانا نے فرمایا کہ بھائی! اب بتلا دے کیسے روپے ہیں اس نے کہا کہ یہ روپے افیون کے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ افیون کے کیسے ہیں۔ اس نے بتایا کہ :۔

"میں ۲ دو روپے مہینے کی افیون کھایا کرتا تھا جب میں نے افیون سے توبہ کی تو نفس بڑا خوش ہوا کہ اب دو روپے ماہوار بچیں گے۔ میں نے کہا یہ تو دین میں دنیا مل گئی بس میں نے نفس سے کہا کہ یہ یاد رکھ کہ یہ روپیہ تیرے پاس نہ چھوڑوں گا۔ یہ مت سمجھ کہ تجھے دوں گا بلکہ اسی وقت نیّت کر لی کہ جتنے روپے کی افیون کھایا کرتا تھا وہ پیر کو دیا کروں گا پس یہ دو روپیہ ماہوار آپ کے پاس آیا کریں گے"

ف :۔ یہ گنوار کی حکایت ہے جس کو لکھنا پڑھنا کچھ نہ آتا تھا مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحؒ کی صحبت کی برکت سے دین کی سمجھ ایسی تھی کہ دین میں

دنیا کی آمیزش کو فوراً سمجھ گیا۔ یہ وہ بات ہے کہ اچھے اچھوں کی بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ ؎ا

(۷۷)

مولانا عبدالرّب واعظ دہلوی رح ایک امیر کے یہاں مہمان ہوئے۔ مولوی صاحب کو کسی وقت رات میں رفع حاجت کی ضرورت ہوتی میزبان کے یہاں دو بیت الخلاء تھے ایک عام دوسرا خاص چونکہ مولوی صاحب مہمانِ خصوصی تھے لہٰذا خاص بیت الخلاء میں جانے لگے۔ محافظ نے ٹوکا کہ کون۔ مولانا نے ذرا سخت لہجہ میں فرمایا کہ ہم ہیں مولانا صاحب دہلی والے۔ وہ معافی مانگنے لگا کہ معاف کر دیجئے میں نے پہچانا نہیں تھا۔

ف: بعض مرتبہ تواضع سے کام نہیں چلتا ایسے موقع پر بے باکانہ بات کہنا چاہیئے۔ ؎۲

(۷۸)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کو کان پور میں ایک عدالت میں جانے کا اتفاق ہوا وجہ یہ ہوئی کہ ایک فتویٰ پر مولانا کے دستخط تھے وہ مقدمہ اٹھارہ ۱۸ سال سے چل رہا تھا اور کوئی فیصلہ نہ ہوتا تھا۔ دستخط کرنے والے علماء میں سے جس عالم پر ایک فریق رضامند ہوتا تو فریقِ ثانی انکار کر دیتا۔ حضرت حکیم الامت کے دستخط پر فریقین نے رضامندی ظاہر کی چنانچہ مولانا کے نام سمن آیا اور آپ عدالت میں

؎ا وعظ خیر المال للرجال صـ۲۴ ۔ ؎۲ وعظ۔ اعانۃ النافع صـ۱۱ ۔

تشریف لے گئے عدالت میں مولانا سے سوال کیا گیا کہ :۔

"کیا آپ عالم ہیں ؟"

حضرت نے فرمایا کہ :۔

"اس وقت مجھے بے حد خلجان ہوا اگر انکار کروں تو وکلاء اور حکام تواضع کو کیا جانیں کہ یہ انکار تواضعاً ہے اور اگر یہ کہوں کہ میں عالم ہوں تو یہ اپنی وضع کے خلاف ہے"۔

تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ :۔

"مجھے مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں"۔ [1]

(۷۹)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رح نے دیکھا کہ ایک پہلوان مسجد میں آیا اور غسل کرنا چاہتا تھا مؤذن نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ :۔

"نہ نماز کے نہ روزے کے مسجد میں نہانے کے لئے آجاتے ہیں"۔

مولانا کاندھلوی رح نے مؤذن کو روکا اور خود اس کے نہانے کے لئے پانی بھرنے لگے اور اس سے فرمایا :۔

"ماشاء اللہ تم تو بڑے پہلوان معلوم ہوتے ہو۔ ویسے تو بہت زور کرتے ہو ذرا نفس کے معاملہ میں بھی تو زور کیا کرو۔ نفس کو دبایا کرو اور ہمت کرکے نماز پڑھا کرو پہلوانی تو یہ ہے"۔

اتنا سننا تھا کہ وہ شخص شرم سے پانی پانی ہو گیا اور اس نرم گفتگو کا اس پر

---

[1] وعظ۔ اعانۃ النافع صد۱۱ ۔

اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت سے نماز کا پابند ہو گیا۔
ف : بعض افراد پر نرمی کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور سختی سے وہ دین سے بیزار ہو جاتے ہیں اس لئے لوگوں کے مزاج کو ہمیشہ نظر رکھ کر بات کرنی چاہیئے۔[1]

(۸۰)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رح نے ایک دفعہ راستہ میں دیکھا کہ ایک بوڑھا سر پر بوجھ لئے جا رہا ہے اور تھک گیا ہے آپ سے نہ رہا گیا۔ اس سے کہہ سن کر اس کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا حالانکہ خود بھی جوان نہ تھے۔

اس بوڑھے نے کہا بھی کہ :-

"میاں جی! تم بھی تو بوڑھے ہو"

آپ نے فرمایا کہ :-

"اوّل تو میں آپ سے کم بوڑھا ہوں، دوسرے تازہ دم ہوں"

اس کا بوجھ لئے دور تک چلے گئے۔ اس سے باتیں کرتے رہے اس نے کہا :-

"میں مولوی مظفر حسین سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں۔ سنا ہے وہ آجکل ادھر آئے ہوتے ہیں"

مولانا نے فرمایا کہ :-

"ہاں! میں اُن سے آپ کی ملاقات کرا دوں گا"

یہاں تک کہ جب اُس کے گاؤں میں پہنچ گئے وہاں پہنچ کر اس نے پھر کہا کہ :-

"بھائی! یاد رکھیو مجھ کو مولوی مظفر حسین سے ضرور ملائیو"

---

[1] وعظ۔ اوج قنوج ص۱۴۔

اس وقت فرمایا کہ :۔

"مظفر حسین تو میں ہی ہوں"

وہ بوڑھا شخص بہت شرمندہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ :۔

"بھائی! شرمندگی کی کیا بات ہے ایک مسلمان کا کام کر دیا تو کیا ہو گیا" ؂۱

(۸۱)

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رح کے مکان پر ایک بار ایک نائب تحصیل دار صاحب ملنے کی غرض سے آئے۔ اس وقت مولانا گھر پر تشریف فرما نہ تھے۔ گنگوہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد نائب تحصیلدار صاحب نے ایک طالب علم کو ایک پرچہ میں ایک شعر لکھ کر دے دیا کہ جب مولانا تشریف لے آئیں تو انھیں یہ پرچہ دکھادیں اور خود جلال آباد چلے گئے شعر یہ تھا ؂

چوں غریب تند کے بدرت رسیدہ باشد
چہ قدر تپیدہ باشد چوں ترا ندیدہ باشد

اتفاق سے مولانا اسی دن مغرب کے وقت تشریف لے آئے۔ اس طالب علم نے وہ پرچہ پیش کر دیا مولانا دیکھ کر بے چین ہو گئے کہ اُن صاحب کو میرے نہ ملنے سے بہت قلق ہوا ہو گا۔ اپنے اوپر قیاس کیا حالانکہ انہوں نے تو ویسے ہی لکھ دیا تھا۔ مگر مولانا فوراً اسی وقت جلال آباد تشریف لے گئے جو تھانہ بھون سے دو میل ہے۔ اُن صاحب سے مل کر فوراً واپس ہوئے۔

؂۱ وعظ۔ اوج قنوج ص۴۳

ف: یہ ہے بزرگی اور یہ ہیں بزرگ جن پر تمام دنیا کو فخر ہے۔ ؎۱

(۸۲)

حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ ایک سفر سے مسکین پور واپس تشریف لائے۔ آپ نے حضرات علماء کو جو رفیقِ سفر تھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

"یہ سفر میں نے تمہارے ساتھ اسلیئے اختیار کیا تھا کہ آپ حضرات نقائص سے آگاہ کریں گے مگر افسوس آپ حضرات نے مجھے آگاہ نہیں کیا"

علماء نے عرض کیا کہ :۔

"حضرت دورانِ سفر کوئی نقص ہم نے نہیں دیکھا"

حضرت نے فرمایا :۔

"کیا میں معصوم ہوں ؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر تم نے حق گوئی کا ثبوت نہیں دیا"

علماء خاموش رہے اور معذرت پیش کرتے رہے کہ حضرت ہم نے کوئی نقص شرعی آپ کے کسی عمل میں نہیں دیکھا دوسرے دن حضرت نے وضو فرمایا اور علماء دیکھ رہے تھے کہ حضرت نے گردن کے مسح کے لیئے نیا پانی لے کر مسح فرمایا (یہ اس وجہ سے کیا کہ آیا علماء کچھ کہتے ہیں یا نہیں ورنہ حضرت کا معمول یہ نہیں تھا کہ نیا پانی گردن کے مسح کے لئے لیتے)۔

ایک عالم نے عرض کیا :۔

"حضرت ہمارے مذہب میں گردن کے لئے نیا پانی لینا نہیں ہے"

؎۱ وعظ۔ سلوۃ الحزین ص۱۲

فوراً حضرت شیخ نے ان مولوی صاحب کو دعا دی اور فرمایا:۔

"شاباش تم نے میری غلطی پکڑی"

اس کے بعد دوسری مجلسوں میں حضرت اس واقعہ کو بار بار دہراتے اور فرماتے کہ:

"فلاں مولوی صاحب نے مجھے اس غلطی پر آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے اور مزید توفیق بخشے"۔ لے

(۸۳)

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب نقشبندی قدس سرہٗ کے پاس تین فوجی آئے۔ حضرت عشاء کی نماز کے بعد اپنی نشست پر تشریف فرما تھے۔ تینوں حاضر خدمت ہوئے جن میں سے ایک ڈاڑھی والے اور دو بغیر ڈاڑھی کے تھے وہ تینوں پٹھان تھے۔ حضرت نے مسئلہ سمجھانے کے لئے ابتداءً مذاقِ لطیف کے طور پر فرمایا کہ:۔

"پٹھان ہو کے عورتیں بن رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ جماعت کی صفوں میں کونسی صف میں کھڑے ہوگے۔ مرد تو ہو نہیں کیونکہ ڈاڑھی ہے نہیں، مرد کی نشانی ڈاڑھی ہے۔ عورت بھی نہیں کیونکہ عورت کے سر پر چوٹی ہوتی ہے لہٰذا تم خنثیٰ ہو گئے۔ اب تیسری صف کی تیاری کرنا"۔

اس پر وہ فوجی بولے کہ حضرت! وہاں فوج میں سختی ہوتی ہے درخواست دینی پڑتی ہے۔ آپ دُعا فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ڈاڑھی چھوڑیں گے اس پر

لے تجلیات صدیقی ص۹۲

حضرت نے ایک واقعہ بیان فرمایا۔ فرمانے لگے کہ:۔

"نواب بھاولپور کو فوجی افسر (اعلیٰ) کی ضرورت تھی تو انگریز کی فوج سے افسر اعلیٰ کے منصب کے لئے آدمی لانے کو غالباً کراچی تشریف لے گئے اور انگریز افسر سے کہا کہ مجھے نہایت بہادر اور سنجیدہ آدمی فوج کی کمان کے لئے چاہیئے انگریز افسر نے فوج کے بڑے بڑے آفیسر جو کہ اُن کے معتمد تھے نواب صاحب کے سامنے پیش کر دیئے لیکن ان میں سے نواب صاحب کو کوئی پسند نہ آیا۔ آخر خود فوج کا معائنہ کیا۔ تو ایک سپاہی جو کہ انگریز کی نظروں میں نہایت بیکار تھا اس کو پسند فرمایا۔ انگریز نے کہا صاحب! یہ اس مقام کا اہل نہیں ہے ان کے سوا بڑے افسر موجود ہیں۔ آپ جس کو چاہیں لے جائیں۔ اس کو چھوڑ دیں۔ لیکن نواب صاحب نے فرمایا کہ نہیں مجھے یہی چاہیئے۔"

حضرت قبلہ نے فرمایا کہ:۔

"میری ملاقات اس سپاہی سے ہوئی جب کہ وہ نواب صاحب کی فوج کا کمانڈر بنا اور میری ملاقات کو احمد پور شرقیہ آگیا۔ باتوں باتوں میں اُن کے عہدے کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ انگریز افسر نے مجھے کہا کہ ڈاڑھی منڈوا دو یا فوج سے نکل جاؤ۔ میں نے خدا کے ساتھ وعدہ کیا کہ اے اللہ! میں فوج سے نکل جاؤں گا لیکن ڈاڑھی نہیں منڈواؤں گا۔ جس پر اللہ نے مجھے یہ ترقی دی اور سپاہی سے مجھے کمانڈر بنا دیا۔"

حضرت نے فرمایا کہ:۔

"دیکھا اس نے ہمت کی اور اتباع سنّت کی استقامت دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے اسکی مدد کی۔ آپ بھی اگر اس طریقے سے کام کرلیں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے اور کسی درخواست کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

یہ بات سن کر ان فوجیوں نے وعدہ کیا کہ :۔

"ان شاء اللہ تعالیٰ اب ہم ڈاڑھی چھوڑ کر مرد بنیں گے۔"

حضرت نے ان کی استقامت کی دعا فرمائی اور گھر تشریف لے گئے۔[1]

(۸۴)

جنرل اعظم خاں جب دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈو الہ یار سندھ میں مدرسہ کے معائنہ کے لئے آئے تو دورانِ گفتگو مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ :۔

"مولانا! آپ کے کپڑے اس قدر صاف ہیں آپ کس دھوبی سے کپڑے دھلواتے ہیں۔"

مولانا نے فرمایا کہ :۔

"کپڑوں کی صفائی کے لئے دل کی صفائی بھی ضروری ہے۔"

(۸۵)

ایک مرتبہ دورانِ گفتگو ایک صاحب نے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ :۔

---

[1] تجلیات صدیقی ص۲۰۶

آپ کی کتنی بیویاں ہیں ؟

مولانا نے فرمایا کہ ایک ہی ہے۔ یہ سُن کر وہ صاحب کہنے لگے پھر آپ اس بات کی تردید کیوں نہیں کرتے ہیں کہ میرے دو بیویاں نہیں ہیں صرف ایک ہی ہے۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا:-

"کس کس بات کی تردید کی جائے۔ پھر لطیفہ سنایا کہ ایک صاحب کے متعلق اخبار میں شائع ہوا کہ انہوں نے شراب چھوڑدی ہے۔ یہ خبر پڑھ کر انھیں بڑا غصہ آیا اور ایڈیٹر کو مطلع کیا کہ وہ اس خبر کی تردید شائع کرے۔ دوسرے روز خبر چھپی کہ فلاں صاحب کے بارے میں جو خبر کل شائع ہوئی تھی وہ غلط تھی۔ انہوں نے شراب نہیں چھوڑی ہے۔ یہ تردید پڑھ کر ان صاحب نے اپنا سر پیٹ لیا"

(۸۶)

حضرت مولانا محمد جلیل صاحب استاذ دار العلوم دیوبند نے ایک مرتبہ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا کہ

"حضرت شیخ الہند رح کے یہاں ایک دفعہ بہت زیادہ مہمان آگئے تھے بیت الخلاء صرف ایک ہی تھا لہٰذا دن بھر کی گندگی سے پُر ہوجاتا تھا لیکن مجھے تعجب تھا کہ روزانہ بیت الخلاء صبح صادق سے پہلے ہی صاف ہوجاتا تھا اور پانی سے دُھلا ہوا پایا جاتا تھا"

چنانچہ ایک دن تمام رات اس راز کو معلوم کرنے کے لئے بیدار رہا اور اُسے جھانکتا رہا جب رات کے دو بجے تو یہی حضرت شیخ الاسلام ٹوکرا لے کر پاخانہ میں داخل ہوئے اور پاخانہ بھر کر جنگل کا رخ کیا فوراً ہی میں نے جاکر راستہ روک

لیا تو ارشاد فرمایا :۔

"دیکھئے کسی سے تذکرہ نہ کیجئے" ؎۱

(۸۷)

دیوبند کے ایک صاحب جو آج بھی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان پر کھاتے ہیں اور برسوں سے کھاتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک دن جب آپ نے اُن کو دسترخوان پر نہ دیکھا تو دریافت کیا کہ :۔

"وہ صاحب کہاں ہیں ؟"

خدام میں سے کسی نے عرض کیا :۔

"حضرت ! فلاں آدمی نے اُن کو جھڑک دیا"

پس پھر کیا تھا حضرت آگ بگولہ ہو گئے اور دسترخوان سے اُٹھ کھڑے ہوئے چاروں طرف آدمی دوڑا دیئے حتیٰ کہ خود اس آدمی کے گھر تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ لاکر کھانا کھلایا۔ ؎۲

(۸۸)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مہمان آیا جس کے کپڑوں میں بھی بدبو آتی تھی اور بے انتہا جوئیں اس کے کپڑوں میں تھیں جس جگہ بیٹھتا سو پچاس جوئیں جھڑ جاتیں۔ مہمان خانہ میں کوئی پاس نہ پھٹکنے دیتا لیکن حضرت مدنی رح نے اس کو اپنے برابر بٹھا کر کھانا کھلایا اور منہ ہاتھ صاف کرنے کے لئے اپنا تولیہ عنایت فرمایا چنانچہ حضرت کے

؎۱ انفاس قدسیہ ص۲۳ ؎۲ انفاس قدسیہ ص۴۳ ۔

کپڑوں پر بہت سی جوئیں چڑھ گیئں جن کو آپ نے اندر تشریف لے جا کر صاف کرایا۔
ف : سبحان اللہ مہمانوں کی اس قدر دلداری اور ان کا اتنا خیال۔ حضرت مدنیؒ کا دستر خوان اتنا وسیع تھا کہ دس بیس ہی نہیں بلکہ دو دو سو اور تین تین سو مہمان ہو جاتے تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ کے درِ دولت سے کوئی مہمان بھوکا آیا ہو اگر کوئی مہمان کھانے کے وقت دستر خوان پر نہ ہوتا تو تلاش کراتے تھے۔ [1]

(۸۹)

ایک مرتبہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ دیوبند تشریف لائے۔ دورانِ ملاقات دونوں حضرات نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے درخواست کی کہ :-

"حضرت! اب آپ بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں اسفار بند کر دیجئے"۔

حضرت مدنی رحنے جواب دیا کہ :-

"اگر میرے بس کی بات ہو تو اسفار بند کر دوں"۔

ف : سبحان اللہ کس قدر للّٰہیت تھی کہ دین کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے سفر بند کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس سلسلہ میں اپنی صحت اور اپنے ضعف کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اس واقعہ سے ان بزرگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو باوجود صحت و طاقت کے محض تساہلی کی بنا پر تبلیغ دین کا کام نہیں کرتے۔ [2]

لہ انفاسِ قدسیہ   ۲ہ انفاسِ قدسیہ صد ۸۳ ۔

(۹۰)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح نے ایک مرتبہ مع احباب میرٹھ اسٹیشن پر مغرب کی نماز ادا کی ادھر نماز کی نیت باندھی اُدھر گارڈی نے سیٹی دے دی جو جلد باز حضرات تھے نیت توڑ توڑ کر گاڑی میں سوار ہو گئے لیکن حضرت نے نہایت اطمینان سے نماز ادا فرمائی اور دعا مانگ کر گاڑی میں سوار ہوئے خدام میں سے کسی نے حضرت سے سوال کیا :-

"حضرت! ہم لوگوں کو سیٹی کی آواز سن کر اتنی بے تابی کیوں ہو گئی تھی ؟"

حضرت شیخ مدنی رح نے فرمایا :-

"بھائی! میں بھی سیٹی کی آواز سنتا تو میری بھی ایسی ہی حالت ہو جاتی"

ف : ملاحظہ فرمایئے تعلق مع اللہ کی انتہا ہے کہ نماز میں اتنا استغراق کہ سیٹی کی آواز ہی کان میں نہیں پہونچی اس کا نام ہے حواس کا مشاہدۂ الٰہی میں معطل اور بیکار ہو جانا ؎

ان المحبۃ للرحمٰن اسکرنی   وھل رایت محبا غیر سکران[1]

(۹۱)

۱۹۵۵ء میں ایک دن بھارت کے سابق وزیر دفاع مسٹر مہابیر تیاگی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی خدمت میں حاضر

---

[1] نفاس قدسیہ صہ ۸۲

ہوتے۔ حضرت نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے اور چائے اور مٹھائی پیش کی چلتے وقت نیاگی صاحب نے عرض کیا کہ:۔

"حضور! میری خواہش ہے کہ کوئی خدمت میرے سپرد کر دیں"۔

تب حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا ؎

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی[۱]

(۹۲)

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خزانچی و منتظم حضرت شیخ الاسلام مدنی رح نے بقرہ عید کے موقع پر تقریباً تین سو روپیہ قربانی اور دیگر اخراجات کے لئے پس انداز کیا تھا اتفاق سے کوئی چور صندوقچی کو اٹھا کر لے گیا جب حضرت شیخ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا:۔

"قاری صاحب! آپ نے توکل کے خلاف کیا تھا جب ہی تو چوری ہوئی"۔

ف:۔ فقط اتنا فرمانے کے بعد مزید کچھ نہ فرمایا آپ کی شانِ توکل بہت بلند تھی۔[۱]

(۹۳)

مصر کے سابق صدر کرنل انور سعادات مرحوم جب ہندوستان تشریف

---

[۱] انفاس قدسیہ ص۵۳ [۲] انفاس قدسیہ۔

لائے تو موصوف نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی ایک خواہش ظاہر کی کہ :۔

"میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ فوٹو کھنچواؤں"

حضرت نے سختی سے منع فرمایا اور وہ تمام حدیثیں سنا ڈالیں جن میں تصویر کشی کی وعیدیں آئی ہیں۔

ف : غرضیکہ حضرت میں استغنا کے ساتھ ساتھ اتباعِ شریعت اور دین کی محبت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔[1]

(۹۴)

فروری ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے کہ تحصیل غازی آباد میں ایک جلسہ تھا۔ حضرت شیخ مدنی وہاں تشریف لے گئے تھے۔ دہلی کے ایک صاحب نے عرض کیا:۔

"حضور! یہاں سے فارغ ہو کر دہلی تشریف لے چلئے"

حضرت شیخ الاسلام مدنی رح نے فرمایا۔ کیوں؟ انھوں نے کہا کہ :۔

"صدر جمہوریہ ہند کے پاس چلنا ہے"!

حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح نے فرمایا :۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ وہاں جاؤں وہ بادشاہ ہیں فقیر میراں کا کیا جوڑ اب وہ پہلے سے راجندر پرشاد نہیں ہیں اب تو وہ بادشاہ ہیں"

ف : حضرت شیخ الاسلام نے آزادیٔ ہند میں بھرپور حصّہ لیا تھا اور اس سلسلہ میں اپنوں کی بھی مخالفتیں برداشت کی تھیں لیکن جب ہندوستان آزاد ہوا تو آپ نے کنج عافیت میں بیٹھ کر مسلمانوں کی خدمت اور دین اسلام

---

[1] انفاس قدسیہ۔

کی حفاظت و تبلیغ کا عظیم کام شروع فرما دیا۔ یہاں تک کہ حکومتِ ہند کی طرف سے جو خطاب آپ کو ملا وہ بھی آپ نے یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ :۔

"یہ ان کے اکابر کے مسلک اور شیوہ کے خلاف ہے" ۱؎

(۹۵)

ابتداء میں جب حضرت امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور شیخ حسام الدین صاحب کا تعلق بڑھا تو وہ شیخ صاحب کو نماز کی ادائیگی میں مداومت کی تلقین کرنے لگے اور پھر جب شیخ صاحب کی عادت میں کچھ تغیّر نظر نہ آیا تو یہ اصرار یہاں تک بڑھا کہ جیل کی رفاقت میں ایک دن شیخ صاحب کے سامنے بیٹھے ہوئے اپنی ٹوپی سر سے اُتاری اور شیخ صاحب کے پاؤں پر رکھ کر کہنے لگے :۔

"حسام! یہ ٹوپی کسی بڑے سے بڑے فرعون اور نمرود کے پیروں پر بھی نہیں پڑ سکتی۔ میری تم سے صرف یہی التجا ہے کہ اس ٹوپی کی شرم رکھ لو اور پنج وقتہ نماز کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی نہ کیا کرو" ۲؎

(۹۶)

دارالعلوم دیوبند کی آمدنی میں ہمیشہ مدّ و جزر رہتا آیا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دارالعلوم میں اتنی زیادہ آمدنی ہوئی ہو جس کو دیکھ کر منتظمین دارالعلوم مطمئن ہو جائیں اور نہ کبھی ایسی کمی ہوئی کہ آمدنی نہ ہونے سے دارالعلوم

۱؎ انفاسِ قدسیہ ص ۵۲ ۲؎ ماہنامہ تبصرہ امیرِ شریعت نمبر ص ۲۹۔

کے ضروری کام رک جائیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند نے رجب ۱۳۶۶ھ کے جلسۂ تقسیمِ انعام میں اپنے زمانۂ اہتمام کا جو تجربہ بیان کیا وہ حضرت ممدوح کے الفاظ میں یہ ہے :۔

”مجھے اپنے ۲۵ ۲۶ سال کے زمانۂ اہتمام کا جو تجربہ ہے اس میں یہ چیز نہایت شدت کے ساتھ مجھے محسوس ہوتی رہی ہے کہ کوئی غیبی طاقت ہے جو اس ادارے کو چلا رہی ہے اور اس کا دارومدار ظاہری جد وجہد سے بالاتر کوئی غیبی قوت ہے جو اس کو تھامے ہوئے ہے۔ گو ہمارے اندر بہت سی خامیاں ہیں مگر اکابر کا فیض ہے کہ کام برابر چل رہا ہے، عدمِ اعتناءِ دین کے اس دور میں جب کہ علومِ دینیہ سے شدید بُعد پیدا ہو چکا ہے اس دارالعلوم کا نہ صرف قائم رہنا بلکہ ترقی کرتے رہنا بلاشبہ اسکی علامت ہے کہ یہ من جانب اللہ قائم ہے، چنانچہ جب کبھی مخالفین کی جانب سے ایسی سعی کی گئی کہ چندہ نہ آئے تو اس سال میں چندہ نسبتاً زیادہ ہی آیا اور مخالفین کو اپنے مقصد میں شرمندگی اُٹھانی پڑی یہ واقعہ ہے کہ اس دورِ پُر فتن میں دارالعلوم کا قائم رہنا اسباب کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ غیبی امداد و اعانت ہے جو اسکو چلا رہی ہے غالباً ۱۳۴۹ھ کا واقعہ ہے اور یہ میرے اہتمام کا پہلا سال تھا۔

مولوی گل محمد خاں صاحب جو خزانہ کے تحویل دار تھے اور تنخواہ کی تقسیم کا کام اُن سے متعلق تھا رجب کی آخری تاریخ میں میرے پاس آئے اور بتلایا کہ خزانہ میں ایک پائی نہیں ہے

اور پرسوں کو ڈھائی ہزار روپے تنخواہ کا تقسیم کرنا ہے میں نے کہا۔ "اس میں فکر کی کیا بات ہے جس کا کام ہے وہ خود چلائے گا"
اُن کو رخصت کر کے میں نے حضرات مدرسین کو بلا کر دریافت کیا کہ "آپ دارالعلوم میں کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ اور کیا مقصد ہے؟ آیا دین کی خدمت مقصود ہے یا تنخواہ حاصل کرنا؟ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ" ہمارا مقصد اس امانت کی خدمت ہے جو اکابر نے ہمیں سونپی ہے حاشا و کلا تنخواہ پر کبھی ہماری نظر نہیں رہی" میں نے کہا "اگر تنخواہ نہ ملے تو آپ کیا کریں گے؟" جواب دیا کہ فاقے کریں گے اور پڑھائیں گے!" میں نے کہا "الحمدللہ! آپ مطمئن رہیں دارالعلوم بھی ان شاء اللہ چلے گا اور آپ کی تنخواہ بھی ملتی رہے گی! خزانے میں اس وقت ایک پیسہ نہیں ہے دُعا کیجئے کہ اکابر کی اس امانت کے باقی رکھنے میں اللہ تعالیٰ ہمیں رسوائی سے بچائے"۔

سب نے مل کر خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی جس کا اگلے ہی دن یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ ابھی تنخواہ کی تقسیم کا وقت بھی نہ آیا تھا کہ حق تعالیٰ نے ڈھائی ہزار روپے بھیج دیئے، دو ہزار کلکتہ کے ایک تاجر نے بیمہ کے ذریعہ سے بھیجے تھے اور پانچ سو میرٹھ کے ایک مشہور آرمی کنٹریکٹر خاں صاحب رشید احمد خاں نے خود دارالعلوم میں تشریف لا کر عطا فرمائے۔

غرضیکہ دارالعلوم کی بناء بھی غیبی امور کے اوپر ہے اور کاموں کا انصرام بھی من جانب اللہ ہے۔ [۱]

---

[۱] ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔

(۹۷)

حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رح ایک بار وطن سے ملازمت پر بذریعہ ریل جانے لگے اسٹیشن پر اس وقت پہنچے جب ریل آچکی تھی اور چھوٹنے ہی والی تھی۔ آپ کے پاس سامان مقررہ وزن سے زیادہ تھا وزن کرا کر محصول دینے کا موقع نہ تھا گھبراہٹ میں ٹکٹ لے کر ریل میں تو بیٹھ گئے مگر خلافِ شریعت زیادہ سامان بے محصول لے جانے پر دل بے چین تھا خدا سے دُعا کی کہ اس معصیت سے بچنے کی کوئی سبیل نکال دیجئے کہ اچانک ذہن میں آیا کہ جہاں ریل سے اترنا وہاں سامان کا وزن کرواکر محصول ادا کر دینا۔ آپ نے یہی کیا مگر رات کا وقت تھا ٹکٹ کلکٹر نے سامان تولنے سے انکار کر دیا اور کہا جائیے لے جائیے۔ آپ نے فرمایا آپ کو خلافِ قانون اس کی اجازت دینے کا کیا حق ہے۔ وہ پھر بھی تیار نہیں ہوا تو آپ نے خود سامان تولا اور جتنا وزن زیادہ تھا اتنی رقم کا ریل کا ٹکٹ خرید کر پھاڑ کر پھینک دیا اور اس طرح حقوق العباد اور صفائی معاملات کا بہترین نمونہ اپنے عمل سے دکھایا۔[۱]

(۹۸)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح کے والد حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بستی نظام الدین میں رہتے تھے۔

"ایک روز نماز کا وقت آگیا اور کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا جس کے ساتھ آپ جماعت کرتے۔ اس لئے کسی نمازی کی تلاش

---

[۱] ماہنامہ البلاغ صد ۵۶ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ۔

میں مسجد سے باہر نکلے۔ کچھ لوگ میواتی میوات سے آ رہے تھے اور
تلاشِ روزگار کی خاطر دہلی جا رہے تھے۔"

آپ ان کو مسجد میں لے آئے۔ لیکن وہ مسلمان ہونے کے باوجود دین و مذہب سے بالکل بے خبر و ناآشنا تھے۔ وہ چونکہ مزدوری کے لئے جا رہے تھے اسلئے جو مزدوری اُن کو دہلی میں ملتی اس پر آپ نے اُن کو اپنے پاس ٹھہرالیا۔

"پھر اُن کو دین سکھاتے اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور شام کو اُن کی مزدوری کے پیسے اپنے پاس سے ادا کرتے تھے۔" [۱]

(۹۹)

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے عرض کیا کہ :۔

"حضرت میرے گاؤں میں آپ ایک ہفتہ قیام فرمائیں تاکہ آپکے فیضانِ صحبت سے لوگوں کو نفع ہو۔"

حضرت نے فرمایا :۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ میرے کھانے وغیرہ کا انتظام آپ کے ذمہ نہیں ہوگا!"

وزیرِ اعلیٰ سمجھے کہ :۔

"شاید حضرت! میری مشتبہ آمدنی کی وجہ سے انکار فرما رہے ہیں"

لہٰذا انہوں نے عرض کیا :۔

"حضرت! آپ کے کھانے کا انتظام کسی تقویٰ شعار گھرانے میں کر دیا۔

---

[۱] ماہنامہ الرشید ص۱۸ اگست ۱۹۷۶ء۔

جائے گا"

حضرت لاہوری رح نے فرمایا:۔

"میرا مطلب وہ نہیں ہے جو تم سمجھے، میرا مطلب یہ ہے کہ میرے کھانے وغیرہ کے معاملات سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ شرط منظور کرو تو چلوں گا"

چار و ناچار ماننا پڑا۔ تب حضرت تشریف لے گئے۔ اور فرماتے تھے کہ:۔

"میں نے بُھنے ہوئے چنے کچھ ساتھ لے لئے تھے جب سب لوگ سو جاتے تو مُٹھی بھر چنے نکال کر کھا لیتا۔ ہفتہ بھر یہی معمول رہا" [۱]

(۱۰۰)

برادر زادہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح، جناب مولانا شبیر علی صاحب رح ایک دفعہ قیام دیوبند کے دوران حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحب رح مہتمم دار العلوم دیوبند کے ساتھ دفتر دار العلوم میں مصروف گفتگو رہے۔ بجلی کا پنکھا اس دوران چل رہا تھا۔

"جب گفتگو سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ:۔

"کتنی گھنٹے تک جو دار العلوم کا پنکھا ہماری وجہ سے چلتا رہا۔ یہ کوئی دار العلوم کا کام تو نہیں تھا اسلئے اس کا خرچہ ہمیں ادا کرنا چاہیئے"

ایک روپیہ مہتمم صاحب کے حوالہ کیا کہ یہ دار العلوم میں جمع کر دیا جائے۔ [۲]

---

[۱] ماہنامہ الرشید ص۱۴ اگست ۱۹۶۶ء۔ [۲] ایضاً ص۱۳

(۱۰۱)

حضرت مولانا سراج احمد صاحب دار العلوم دیوبند میں درسِ حدیث دیا کرتے تھے، ایک دن درس کے درمیان کوئی جنازہ آگیا، مولانا نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو بہت سے طلبہ وضو کے لئے چلے گئے، نماز جنازہ سے واپس آ کر لوگوں نے دیکھا کہ مولانا رو رہے ہیں۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا:-

"ہم نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حدیث و تفسیر کا سبق بلا وضو کبھی نہیں پڑھا، آج کل کے طلبہ بلا وضو یہ اسباق پڑھتے ہیں"۔ [۱]

(۱۰۲)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کا معمول تھا کہ پورے رمضان شب بیداری فرماتے تھے اور قرآن کریم نفلوں میں سماعت فرماتے تھے۔ جب لوگوں نے اس کی جماعت میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس کی اجازت نہیں دی گھر کا دروازہ بند کر کے اندر حافظ کفایت اللہ صاحب کی اقتداء میں قرآن مجید سنتے تھے پھر جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو معمول یہ بنالیا کہ:-

"فرض نماز مسجد میں باجماعت پڑھ کر مکان پر تشریف لے آتے اور کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد تراویح میں پوری رات قرآن شریف سنتے تھے۔ مکان پر جماعت ہوتی تھی جس میں چالیس پچاس آدمی شریک ہوتے تھے"۔

---

[۱] ماہنامہ البلاغ صہ ۵۷ شوال ۱۳۹۱ھ۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح نے تحریر فرمایا کہ :-

"یہ احقر خود بھی حضرت کی اسارت مالٹا سے پہلے دو سال اس جماعت میں شریک رہا ہے جو تراویح کی جماعت تھی۔ نفل تہجد کی جماعت کو حضرت رح نے گوارا نہیں فرمایا۔" [1]

(۱۰۳)

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح، ایک مرتبہ گھر میں دیر سے تشریف لائے۔ رات ہو چکی تھی۔ گھر میں طبیعت ناساز تھی۔ حضرت نے نیند سے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ صاحبزادی نے اُٹھ کر کھانا دیا۔ اتفاق سے صاحبزادی صاحبہ کو پتہ نہ تھا کہ تازہ روٹی کہاں رکھی ہے۔ وہ غلطی سے کئی دن کی باسی روٹی اُٹھا لائیں اور سالن برتن میں ڈال کر حضرت کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت نے جو دیکھا تو روٹی بہت سخت تھی اس پر پھپھوندی (پھوئی) جمی ہوئی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ کے علم میں یہ بات نہ تھی۔ لیکن حضرت نے اُسے بتانا بھی مناسب نہ سمجھا اور دل سے فیصلہ کر لیا کہ :-

"اللہ تعالیٰ جو روز اچھی اور تازہ روٹی دیتا ہے اگر آج اس نے یہ باسی روٹی سامنے رکھوادی ہے تو اس کی نعمت سے کیسے انکار کیا جائے۔

غرضیکہ اسی روٹی کو کھا لیا۔"

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ :-

"کھانے میں کراہیت بھی محسوس ہوتی تھی، جی متلاتا تھا، قے آنا چاہتی تھی مگر نفس کو سزا دی اور چار و ناچار ساری روٹی کھالی۔"

---

[1] بینات ص ۱۲۴ صفر ۱۳۸۳ھ۔

اس واقعہ کو بیان کرکے فرمایا کہ :-

"یہ دونوں مربیوں (خلیفہ غلام محمد دین پوری صاحب رح و حضرت سید تاج محمود امروٹی رح) کی صحبت (اور تربیت) کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے انانیت اور نفس کو مسل کر رکھ دیا۔" لہ

(۱۰۴)

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب قدس سرہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمبلپوری رح صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی معیت میں سہارنپور سے کیمبلپور آرہے تھے۔ ہمارے ساتھ کچھ طلبہ بھی تھے جو دورۂ تفسیر میں شرکت کے لئے مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح کی خدمت میں پہونچنا چاہتے تھے۔ اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی صاحب رح بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیوبند کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے۔ اور مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح سے بالکل ناواقف تھے۔

اسی ناواقفیت کی بنا پر انھوں نے مولانا احمد علی صاحب رح لاہوری سے درخواست کی کہ آپ ان طلبہ کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہونچا دیں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رح نے بلا کسی پس و پیش کے ان طلبہ کا سامان اُٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا۔ طالب علموں کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والا ہی شیخ التفسیر ہے تو بہت شرمندہ ہوئے۔ ٢ہ

لہ خدام الدین صہ ۵ - ۲۶، جون ۱۹۶۴ء۔ ٢ہ خدام الدین لاہور صہ ۱۶ - ۲۶، جون ۱۹۶۴ء

(۱۰۵)

ایک صاحب اپنے چھوٹے بھائی کو حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا :۔

"ان کو پرانی عقیدت تو حضرت مولانا مدنی رحمۃ سے ہے لیکن اب حضرت تھانوی رحمۃ سے بہت اعتقاد ہو گیا ہے، دونوں کو کس طرح جمع کریں "

حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :۔

"عمر و علی رضی اللہ عنہما کو جمع کرنے میں دشواری تو رافضی یا خارجی کو ہو سکتی ہے، سُنّی کو کیا دشواری ؟"

مطلب یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کا ادب و احترام لازم ہے۔ دونوں کی سیاسی رائے میں اختلاف تھا، ایمانی رائے ایک تھی۔ ؎۱

(۱۰۶)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ سے دیانند سرستی نے ایک دفعہ سوال کیا کہ :۔

"مسلمان کہتے ہیں کہ لوح محفوظ میں اوّل خلقت سے قیامت تک تمام واقعات لکھے ہوئے ہیں اور واقعات تو لاتعداد و لاتحصی ہیں تو وہ کتاب بہت ہی بڑی ہو گی پھر وہ رکھی کہاں جاتی ہو گی؟"

حضرت مولانا نے اس کا جلدی جواب نہیں دیا بلکہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے

؎۱ حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام مدنی رحمۃ صـ

یہ ہے کہ لالہ جی آپ کی کتنی عمر ہے اس نے کہا ستر برس کی مثلاً پوچھا کہ کہاں کہاں تعلیم حاصل کی ہے کیا کیا پڑھا ہے اور آپ کو اپنے بچپن کے واقعات بھی یاد ہیں۔ اُس نے بیان کیا کہ میں نے پہلے وہاں تعلیم حاصل کی پھر وہاں اور میں نے اتنی کتابیں دیکھیں اور اتنی کتابیں پڑھیں اور میں نے اتنے سال سیاحت کی مولانا نے پوچھا کہ یہ سب واقعات آپ کو یاد ہیں کہا ہاں اور بچپن کے واقعات بھی بہت یاد ہیں اور جوانی کے اور سیر و سیاحت و تعلیم وغیرہ کے واقعات تو گویا اس وقت میرے سامنے ہیں غرض اس نے اپنے حافظہ کی بہت تعریف کی مولانا نے پوچھا کہ یہ سب واقعات آپ کو محفوظ ہیں اُس نے بڑے دعوے سے کہا جی ہاں بجنسہٖ سب محفوظ ہیں اب مولانا نے فرمایا کہ لالہ جی اس ذرا سے دماغ میں جو ایک بالشت سے بھی کم ہے ستر برس کے واقعات اور کتابوں کے مضامین اور لوگوں کی باہمی تقریریں اور ابحاث کس طرح سما گئے اس پر وہ خاموش ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ لوحِ محفوظ کی نظیر تو خود آپ کے اندر موجود ہے "آپ کا دماغ" پھر حیرت ہے کہ آپ لوحِ محفوظ پر یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کہاں رکھی جاتی ہو گی آپ کے کبھی اپنے دماغ پر شبہ نہ ہوا کہ اس ذرا سے دماغ میں اس قدر بے شمار واقعات و مضامین کس طرح محفوظ رہتے ہیں پھر بعض انسانوں کی عمریں ہزار ہزار سال کی ہوئی ہیں اور اُن کے حافظے ہم سے زیادہ قوی تھے اُن کے دماغ میں ہزار سال کے واقعات اور ہزاروں آدمیوں کی صورتیں کیونکر محفوظ رہتی تھیں تو یہ کیا ضرور ہے کہ جس چیز میں لاکھ دو لاکھ برس کے واقعات لکھے جائیں وہ طولاً و عرضاً بھی اتنی بڑی ہو کہ آسمانوں میں نہ سما سکے خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تھوڑے سے جسم میں جتنے چاہے واقعات محفوظ کر دیں چنانچہ ایک نظیر اس کی انسان میں بھی موجود ہے اب تو

دیانند، مولانا کا منہ تکنے لگا۔ لہ

غرضیکہ انسانی دماغ مظہر لوح بھی ہے۔

(۱۰۷)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح کے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم معین الدین صاحب نانوتوی رح کے مہمان ہوئے حکیم صاحب کے یہاں اس دن فاقہ تھا (اور قرض کرنے کی ضرورت نہ تھی) تو انہوں نے مولانا گنگوہی رح سے صاف عرض کر دیا کہ حضرت میرے یہاں تو آج فاقہ ہے ہاں یہاں بعض لوگ آپ کے معتقد چاہا کرتے ہیں کہ آپ کی دعوت کریں اگر آپ فرمائیں تو اُن کو اجازت دے دوں فرمایا:۔

"میں تیرا مہمان ہوں جو تیرا حال ہے وہی میرا حال ہے کسی سے کچھ نہ کہو"

شام تک سب فاقہ سے رہے شام کو ایک مریض حکیم صاحب کے پاس آیا اور شکرانہ صحت میں غالباً گیارہ روپے دے گیا۔

حکیم صاحب نے مولانا سے عرض کیا کہ:۔

"حضرت! اب خدا نے رزق بھیجدیا ہے اب میں ذرا تکلف سے کھانے پکواؤں گا"

حضرت گنگوہی رح نے منع بھی کیا کہ تکلف نہ کرو مگر انہوں نے نہ مانا اور کہا کہ:۔

"دن بھر تو فاقہ رہا اب جو خدا نے دیا ہے تو کیا اب بھی عمدہ کھانا نہ کھائیں"

لہ وعظ نور النور ص ۲۳/۵۵ ۔

ف: یہ ہے شریعت کی مہمانی جس میں ذرا بھی بار نہیں ہم لوگ تکلف کر کے پریشان ہوتے ہیں۔ ؎۱

(۱۰۸)

ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ایک شخص گاڑھے کی ٹوپی لایا جس پر شال باف کی گوٹ لگی ہوئی تھی اور کہا حضرت فلاں شخص نے یہ ٹوپی آپ کے لئے بھیجی ہے مولانا نے اسی وقت اپنی قیمتی ٹوپی سر سے اُتار کر فوراً وہ گاڑھے کی ٹوپی اوڑھ لی پھر جب قاصد چلا گیا تو آپ نے گاڑھے کی ٹوپی اُتار کر کسی کو دے دی اور اپنی پہلی ٹوپی پھر اوڑھ لی:

ایک خادم نے پوچھا کہ:-

"حضرت! جب اس کو رکھنا منظور نہ تھا تو آپ نے اوڑھی ہی کیوں تھی؟"

فرمایا:-

"اس لئے اوڑھ لی تھی تاکہ یہ قاصد جاکر مُہدی کو اطلاع کرے کہ تمہارے ہدیہ کی قدر کی گئی تیری بھیجی ہوئی ٹوپی فوراً سر پر رکھ لی گئی اس سے مُہدی خوش ہوگا اور تطییبِ قلب مومن طاعت ہے۔" ؎۲

(۱۰۹)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کی شان عالمانہ تھی نہ

؎۱ وعظ التیسیر للتیسیر صہ ۳۴ ۔ ؎۲ وعظ فناء النفوس فی رضاء القدوس صہ ۳۸

بلکہ عاشقانہ شان تھی، اور آپکی مجلس دوستانہ ہوتی تھی، گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ جارہے تھے، راستے میں بوجہ سادگی کے ایک جولاہے نے پوچھا کہ :۔

"آج سوت کا کیا بھاؤ ہے؟"

مولانا نے فرمایا :۔

"بھائی آج بازار جانا نہیں ہوا" [۱]

(۱۱۰)

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کو بریلی کے ایک رئیس نے چھ ہزار روپے پیش کئے اور عرض کیا کہ :۔

"کسی نیک کام میں لگا دیجئے"

حضرت نے فرمایا کہ :۔

"(نیک کام میں) لگانے کے اہل بھی تم ہی ہو، تم ہی خرچ کر دو"

اُس نے عرض کیا کہ :۔

"حضرت میں کیا اہل ہوتا"

فرمایا کہ :۔

"میرے پاس اس کی دلیل ہے، اگر میں اس کا اہل ہوتا تو اللہ تعالیٰ مال مجھ کو ہی دیتے" [۲]

(۱۱۱)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح کو سبزی کا شوق تھا،

---

[۱] ماہنامہ البلاغ صد ۵۲ ماہ شعبان ۱۳۸۷ھ [۲] ایضاً صد ۵۲

پودینے اور دھنیئے کے پودے لگا رکھے تھے ان میں مینگنی وغیرہ ڈالنے کی ضرورت تھی، کسی زمیندار کا وہاں گذر ہوا، مولانا نے اُن سے فرمائش کر دی اس نے اپنی رعایا میں سے کسی کے سر پر ٹوکری میں مینگنیاں رکھ کر بھیجدیں۔ مولانا یعقوب صاحب اپنے ہاتھوں سے اُن کو سبزی کی کیاری میں ڈال رہے تھے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سامنے سے آگئے۔ بہت ناراض ہوتے اور فرمایا کہ:۔

"اس شخص کا حال معلوم نہیں کہ ظالم ہے، اس نے اس سے زبردستی ظلماً بیگار لی۔ اس کو ابھی واپس کیا جائے"

چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے وہ تمام مینگنیاں اپنے ہاتھ سے جمع کر کے واپس کردیں۔ ؎

(۱۱۲)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی سے ایک شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحؒ کے متعلق پوچھا کہ:۔

"مولانا (قاسم صاحب) نے آخر یہی کتابیں پڑھی تھیں جن کو سب پڑھتے ہیں، اُن کو اتنا علم کہاں سے آیا"

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ:۔

"اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے اور وہ مولانا میں سب داخل تھیں، ایک تو مولانا طِب کی رو سے معتدل المزاج تھے، دوسرے یہ کہ اُن کے استاد بہت کامل تھے، یعنی مولانا مملوک علی جن کا علم و

؎ ایضاً ص ۵۲۔

فضل مخفی نہیں، تیسری بات یہ کہ متقی اعلیٰ درجے کے تھے اور پھر پیر بڑے کامل تھے یعنی حاجی امداد اللہ رح، پھر اُن میں استاد کا ادب بہت تھا، ان باتوں کے جمع ہونے سے یہ کیفیت ہوگئی تھی۔"

ادب کی یہ کیفیت تھی کہ جب مولانا ذوالفقار علی رح بیماری میں ان (مولانا قاسم صاحب رح) کے پاس جاتے تو آپ اُٹھ کر بیٹھ جاتے۔ ایک مرتبہ مولانا ذوالفقار علی رح نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ:-

حضرت آپ میرے استاد ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، حضرت میں کہاں سے استاد ہو گیا۔ تو فرمایا کہ:-

مولانا مملوک علی رح ایک دفعہ کسی کام میں تھے، تو آپ نے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھا دیجیو، چنانچہ میں نے آپ سے سبق پڑھا تھا۔" ؎۱

(۱۱۳)

مولانا محمد یٰسین صاحب ناظم تعمیر و ترقی مدرسہ قاسم العلوم ملتان نے بتایا کہ ایک دفعہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رح۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تیمارداری کے لئے ملتان تشریف لے گئے شاہ صاحب اُٹھے اور معانقہ کے بعد دونوں ہاتھوں سے چہرہ تھام لیا۔ مولانا بنوری رح صاحب نے سمجھا کہ شاید پہچان رہے ہیں، فرمایا، یوسف بنوری ہوں، یوسف بنوری

؎۱ ایضاً ص۵۲ ۔

شاہ صاحبؒ چہرہ کو ٹک ٹک دیکھے جا رہے تھے سُن کر فرمایا:۔

"مجھے تو انور شاہ کا چہرہ معلوم ہوتا ہے" [۱]

اور اس کے بعد زار و قطار رونے لگے۔

(۱۱۴)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح سے ایک غیر مقلّد نے بیعت کی اور شرط کی کہ میں غیر مقلّد ہی رہوں گا، حضرت نے فرمایا:۔

بے شک رہو مگر جو کچھ ہم بتلادیں اس کو پڑھتے رہنا۔

چنانچہ اس کو بیعت فرمایا اور کچھ ذکر بتلادیا۔ چند ہی روز کے بعد اُس نے آمین بالجہر رفع یدین وغیرہ چھوڑ دیا۔ [۲]

(۱۱۵)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح سے ایک وکیل نے پوچھا:۔

نمازیں پانچ کیوں مقرر ہوئیں؟

حضرت نے فرمایا:۔

تمہاری ناک منہ پر کیوں ہے پشت پر کیوں نہیں؟

اس نے جواب دیا کہ:۔

اگر پشت پر ہوتی تو بدزیب ہوتی

حضرت تھانوی رح نے فرمایا۔

---

[۱] ترجمانِ اسلام ص۲۴ لاہور۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۷۷ء - [۲] فیوض الخالق ص۱۶

بالکل غلط! اگر سب کی ناک پشت ہی پر ہوا کرتی تو ہرگز بُری نہ لگتی۔

بس وہ وکیل چپ رہ گیا۔

اس کے بعد حضرت مولانا تھانوی رحؒ نے فرمایا کہ:-

اس باب میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ:-

"احکام و شرائع میں حکمتیں تلاش کرنا انکارِ نبوت کے مرادف ہے"

حضرت حکیم الامت تھانوی رحؒ نے فرمایا کہ:-

"اگر علم لدنی کے طور پر کسی کو احکام کی حکمتیں من جانب اللہ معلوم ہو جائیں تو وہ دوسری بات ہے۔ خود حکمتیں تلاش کرنا یہ بے شک مشابہ انکارِ نبوت کے ہے کیونکہ اگر نبوت کا کامل اعتقاد ہے تو پھر چوں وچرا کیسا۔ نیز یہ فضل خاص علم اسرار کا انقیاد سے ہوتا ہے نہ کہ تدابیر و خوض و فکر سے۔ [۱]

(۱۱۶)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحؒ ایک بار یہ مضمون بیان فرما رہے تھے کہ بلا بھی نعمت ہے اسی اثناء میں ایک شخص نے جس کا ہاتھ کسی زخم سے گل گیا تھا۔ حاضر ہو کر دُعا کی درخواست کی اس وقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ بھی موجود تھے اُن کے دل میں خیال آیا کہ:-

اس وقت دعا فرماویں گے تو تکلیف کو نعمت فرمانے سے رجوع فرماویں گے۔ کیونکہ نعمت سمجھتے ہوئے نعمت کے زوال کی دعا کیسے فرماویں گے اور اگر

---

[۱] فیوض الخالق ص ۲۸۔

دعا نہ فرمائی تو مقام مشیخت کے خلاف ہے کیونکہ شیخ کا مقام یہ ہے کہ طالب کے مقام پر تنزّل کر کے اس کے مقام میں آ کر اس کے ساتھ معاملہ کرے۔ نہ کہ اس کو اپنے مقام میں لے جاوے۔ جیساکہ میزان پڑھاتے وقت استاد میزان کے صیغوں میں اتر آتا ہے نہ کہ طالب علم کو شرح جامی کی طرف کھینچے کیونکہ اس کو نزول آسان اور طالب کو عروج مشکل ہے۔ مگر اس خطرہ کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے نزول فرما کر اس کے لئے دعاء فرمائی اور عجیب دعا فرمائی جس سے تمام شبہ کافور ہو گیا۔

اور مضمون دعا یہ تھا:۔

"اے اللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ بلا بھی نعمت ہے مگر ہم اپنے ضعف کی وجہ سے اس نعمت کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اے اللہ تو اس نعمت کو نعمتِ صحت سے مبدل فرما دے"

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت تھانوی رح نے فرمایا:۔

"بعض نعمتوں کا عدم تحمل کچھ بعید نہیں دیکھئے ہیضہ کے مریض کو کباب جو واقعہ میں نعمت ہے سخت مضر ہے اب مریض اس کے نعمت ہونے کا انکار نہیں کر سکتا مگر وہ اس کے ہضم پر قدرت نہیں رکھتا" [۱]

(۱۱۷)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ رامپور تشریف لے گئے آپ کو نواب کلب علی خاں والیٔ رام پور نے بلایا مولانا نے

---

[۱] فیوض الخالق ص۳۵

جواب دیا کہ :-

" میں ایک دیہاتی آدمی ہوں آداب شاہی سے ناواقف ہوں اس واسطے آپ کو میرے آنے سے تکلیف ہوگی"۔ انہوں نے کہا :-

" ہم خود آپ کا ادب کریں گے نہ کہ آپ سے ادب کا مطالبہ کریں۔ ضرور تشریف لائیے مجھ کو بے حد اشتیاق ہے"۔ اس پر مولانا نے فرمایا :-

" سبحان اللہ! اشتیاق تو آپ کو اور ملنے کو میں آؤں۔ دعا کرو کہ مجھے بھی اشتیاق پیدا ہو جائے پھر ملاقات کر لوں گا"۔ [۱]

(۱۱۸)

حضرت مولانا سید احمد صاحب مدرس دار العلوم دیوبند کے ماموں حضرت مولانا محبوب علی صاحب کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس وجہ سے وہ مغموم رہتے تھے مولانا سید احمد صاحب بہت کم عمر تھے مگر بڑے ذہین۔ ماموں صاحب کو ایک روز مغموم دیکھ کر فرمایا :-

یہ غم کی کوئی وجہ نہیں بلکہ خوشی کا مقام ہے کیونکہ جس شخص کے ہاں اولاد ہو وہ من وجہ مقصود ہے یعنی اپنے آباء کے اعتبار سے اور من وجہ مقدمہ ہے اپنے ابناء کے اعتبار سے اور جس کے ہاں اولاد نہیں وہ محض مقصود ہے کسی کا مقدمہ نہیں۔ اور ظاہر ہے مقصود کا مرتبہ مقدمہ سے بڑھا ہوا ہے۔ ماموں صاحب مسرور ہو گئے۔ [۲]

(۱۱۹)

حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں

---

[۱] الکلام الحسن جلد اوّل ص۷ [۲] الکلام الحسن جلد اوّل ص۲۲۔

ایک صاحب مولوی محمد اشرف مصنف تفسیر سورہ یوسف منظوم شروع شروع میں کچھ گستاخی کے کلمات کہا کرتے تھے بعد ازاں تائب ہو کر حضرت میاں جیو صاحبؒ سے بیعت ہو گئے۔ مدت کے بعد حضرت نے اُن سے فرمایا۔

"بھائی! میں براہ تدین کہتا ہوں کہ تم کو مجھ سے فائدہ نہ ہوگا کیونکہ میں جب فائدہ پہونچانے کی غرض سے تمہاری طرف متوجہ ہوتا ہوں تو تمہارے وہ گستاخانہ کلمات دیوار بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ وہ حائل نہ ہوں مگر میں مجبور رہوں۔" لے

(۱۲۰)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح جب کانپور سے تعلق چھوڑ کر وطن واپس آئے تو اُن کے ذمہ ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب قرضہ تھا۔ حضرت تھانوی رح نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ:۔

"حضرت! دعا فرماویں کہ قرض اُتر جائے۔"

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ اگر ارادہ ہو تو (دار العلوم) دیوبند ایک مدرس کی جگہ خالی ہے، میں وہاں لکھ دوں۔"

حضرت تھانوی رح نے عرض کیا کہ:۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جب کانپور سے تعلق چھوڑو تو پھر کسی جگہ ملازمت کا تعلق نہ کرنا۔ لیکن اگر آپ فرماویں تو میں کر لوں گا اور

لے الکلام الحسن جلد اوّل ص۱۰۴۔

یوں خیال کر لوں گا کہ یہ بھی حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحبؒ کا ہی حکم ہے۔ گویا ایک ہی ذات کے دو حکم ہیں۔ مقدم منسوخ ہے اور مؤخر ناسخ۔

حضرت مولانا گنگوہی رحؒ نے فرمایا:۔

نہیں۔ نہیں جب حضرت (حاجی صاحبؒ) نے ایسا فرما دیا ہے تو ہرگز اس کے خلاف نہ کریں باقی میں دعا کرتا ہوں۔ [۱]

(۱۲۱)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ کی خدمت میں ایک صاحب ضلع انبالہ سے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:۔

"میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہوں اور میرے اندر بہت بولنے کا مرض بھی ہے اس کا علاج چاہتا ہوں"

حضرت حکیم الامت تھانوی رحؒ نے دریافت فرمایا:۔

" زبان خود بخود چلتی ہے یا چلانے سے چلتی ہے"

نووارد شخص نے عرض کیا:۔

اجی! چلانے سے چلتی ہے"

حضرت نے فرمایا کہ:۔

"بھائی! یہ تو تمھارے اختیار میں ہے مت چلاؤ"

حاضرین مجلس اس وقت حیران تھے کہ ایک منٹ میں حضرت نے طالب کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اتنے مشکل مرض کا علاج چٹکیوں میں کر دیا۔

یک زمانے صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا [۲]

---

[۱] الکلام الحسن جلد اول ص۱۰۶۔ [۲] القول الجلیل حصہ اول ص۴۴۔

(۱۲۲)

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھوپالی نقشبندی خاندان میں سے تھے۔ بہت بڑے بزرگ تھے، ان سے مخلوق کو عظیم فائدہ پہنچا۔ بے شمار لوگوں کی اصلاح ہوئی۔ مرضِ وفات جب شروع ہوا اور موت بالکل قریب آئی تو لوگوں نے جا کر تسلی دی کہ:-

"حضرت! فکر نہ کریں، انشاء اللہ صحت ہو جائے گی"

یہ سنتے ہی حضرت کو غصہ آگیا اور فرمایا:-

"عمر بھر اس وقت کی تمنا میں تھے اور تم اس کو ہٹانے آئے ہو۔ خدا خدا کر کے وقت آیا کہ موت قریب آئی اور تم موت سے تسلی دیتے ہو کہ اور زندہ رہوں۔ خبردار اس کے بعد یہ جملہ نہ کہنا، دعا کرو حسنِ خاتمہ ہو جائے۔ تسلی مت دو کہ میری عمر زیادہ ہو۔ عمر بھر میں اس وقت کی تمنا میں تھا۔ وقت آیا تو تم ہٹانے آگئے۔"

ف:- اولیاء اللہ دن رات موت کی تمنا میں رہتے ہیں۔ اس لئے کہ موت ہی واسطہ ہے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا۔[1]

---

[1] خطباتِ حکیم الاسلام ص۳۶۳ جلد دوم

(۱۲۳)

حضرت مولٰنا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، جنہوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا۔ اولیائے کاملین میں سے تھے۔ آپ نے وفات سے دو مہینے پیشتر یہ فرمایا کہ:-

"بحمداللہ اب مجھے زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے کی حاجت باقی نہیں رہی، محض اتباعِ سنّت کے لئے کھاتا اور پیتا ہوں، ورنہ حاجت نہیں۔"

یعنی ذکر خداوندی دل و دماغ کے اندر اتنا رچ چکا ہے کہ اب اسی سے زندہ ہیں۔ پھر بھی اتباع سنّت کے لئے کھاتے تھے، تاکہ اس پر بھی اجر و ثواب مِل جائے۔[1]

(۱۲۴)

حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہندؒ ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر کیا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لئے کھڑے ہو گئے

---

[1] خطباتِ حکیم الاسلام جلد دوم ص۳۰۸

اورحدیث " فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ " پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا کہ :۔

" ایک عالِم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے "

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے۔ انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ :۔

" یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اُس کو وعظ کہنا جائز نہیں "

حضرت شیخ الہند رح فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ :۔

" میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی۔ یعنی آپ کی شہادت "

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی مرحلہ پر ختم فرما دیا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرزِ استفادہ پوچھا کہ :۔

" غلطی کیا ہے ؟ تاکہ آئندہ بچوں "

انہوں نے فرمایا کہ :۔

أَشَدُّ کا ترجمہ أثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ أضرّ (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔

مولانا شیخ الہند رح نے فرمایا کہ :۔

" حدیث وحی میں ہے یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو أشدّ علیّ (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی أضرّ (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں ؟

اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔ ؎۱

(۱۲۵)

مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے۔ انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی شہرت سُن رکھی تھی۔ ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین صاحبؒ نے اُن سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ :-

مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے ملنا ہے۔

وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے، آرام سے بٹھایا اور کہا کہ :-

"ابھی ملاقات ہو جاتی ہے"

مولانا اجمیری منتظر رہے، اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا، اس کے بعد مولانا اجمیری نے کہا کہ :-

"حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کو اطلاع دیجئے"

ان صاحب نے فرمایا :-

آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا۔ مولانا اجمیری نے کہا کہ :-

---

؎۱ ارواحِ ثلاثہ ص۳۸۳

"میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں، آپ اُنھیں اطلاع کر دیں"

اُن صاحب نے فرمایا :-

"اُنھیں اطلاع ہو گئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے"

مولانا اجمیری رح نے کھانا کھا لیا تو ان صاحب نے اُنھیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ جب دیر گذر گئی تو مولانا اجمیری رح برہم ہو گئے اور فرمایا کہ :-

آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے۔ ابھی تک آپ نے ملاقات نہیں کرائی۔ اس پر وہ صاحب بولے کہ :-

دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں۔ البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے۔

مولانا معین الدین صاحب یہ سُنکر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہند رح کیا چیز ہیں۔ ۱؎

(۲۶)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب دارالعلوم دیوبند میں ملا حسن کا درس دیا کرتے تھے ایک روز اسکی عبارت پر کچھ شبہ ہوا جو حل نہیں ہو رہا تھا۔ مفتی صاحب نے سوچا کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب رح سے اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مفتی صاحب رح

۱؎ ماہنامہ الرشید صفحہ ۳۶۴ دار العلوم دیوبند نمبر۔

کتاب کے کران کی تلاش میں نکلے وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے اور جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں تو ان کا کتب خانہ میں ہونا متیقن تھا۔ مفتی صاحب کتب خانہ میں پہونچے تو حضرت شاہ صاحب کتب خانے کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے۔ مفتی صاحب ابھی نیچے ہی تھے کہ حضرت شاہ صاحب نے دیکھ لیا اور اوپر ہی سے آنے کی وجہ پوچھی مفتی صاحب نے عرض کیا کہ۔

"ملا حسن کے ایک مقام پر کچھ اشکال ہے وہ سمجھنا تھا"

حضرت شاہ صاحب رح نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے فرمایا:۔

عبارت پڑھئے۔

حضرت مفتی صاحب رح نے عبارت پڑھنی شروع کی تو بیچ ہی میں روک کر فرمایا:۔

اچھا! یہاں آپ کو یہ شبہ ہوا ہوگا۔

اور پھر بعینہٖ وہی اشکال دہرا دیا جو مفتی صاحب رح کے دل میں تھا، مفتی صاحب رح نے تصدیق کی کہ واقعی یہی شبہ ہے۔ اس پر انہوں نے اس کے جواب میں وہیں سے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام اشکال دور ہو گئے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب رح عرصہ دراز سے حدیث کی تدریس میں مصروف تھے اور منطق کی کتابوں سے واسطہ تقریباً ختم ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ حافظہ اور یہ استحضار کرشمۂ قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟[1]

(۱۲۷)

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح اور تمام

---

[1] ماہنامہ الرشید لاہور ص۳۶۶ دار العلوم دیوبند نمبر۔

اساتذہ دارالعلوم دیوبند نے جن میں اساتذہ ائمہ فنون تھے۔ مولانا سید احمد صاحب امام معقولات سمجھے جاتے تھے ان سب نے مل کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ سے درخواست کی کہ :۔

تفسیر کی کوئی کتاب پڑھا دیں تاکہ قرآنی علوم ہم بھی سیکھیں۔

حالانکہ یہ سب ائمہ علوم تھے۔ مولانا یعقوب صاحبؒ تو صدر مدرس تھے۔ تو حضرت نانوتوی رحؒ نے منظور فرمالیا۔ چھتہ کی مسجد میں حضرت نے درس شروع کر دیا۔ الٓمٓ سے شروع فرمایا تو حروف مقطعات پر کوئی دو ڈھائی گھنٹے تقریر فرمائی اور عجیب و غریب علوم و معارف ارشاد فرمائے اور یہ عجیب بے نفسی کا دور تھا کہ یہ سارے اساتذہ سبق پڑھ کر باہم کہنے لگے :۔

"بغیر تکرار کے یہ علوم محفوظ نہ ہوں گے لہٰذا تکرار کیا جاوے"

نودرہ میں بیٹھ کر تکرار شروع ہو گیا۔ مولانا یعقوب صاحب نے تقریر شروع کی بیچ میں ایک جگہ رُک کے بات یاد نہیں رہی، کسی اور کو بھی یاد نہ آئی تو کہا کہ :۔

"میں مولانا سے پوچھ کر یہ تقریر کروں گا۔

تو صبح کی نماز پڑھ کر حضرت مولانا نانوتوی رحؒ جب اپنے حجرے میں آرہے تھے، مولانا محمد یعقوب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تقریر کا فلاں حصہ یاد نہیں رہا تو حضرت رحؒ نے کھڑے کھڑے یہ تقریر شروع کی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ :۔

نہ لفظ اس عالم کے تھے نہ معنی اس عالم کے، ایک حرف بھی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فرما رہے ہیں

تو عرض کیا کہ :۔

حضرت ذرا نازل ہو کر فرمائیے کہ کچھ سمجھ جاؤں۔

اب دوبارہ تقریر شروع کی تو الفاظ سب سمجھ میں آئے، مگر معانی نہیں (سمجھ میں آئے)، تو پھر عرض کیا کہ :۔

حضرت کچھ اور نازل ہو کر فرمائیے ہم وہاں تک نہیں پہنچے۔

تو فرمایا کہ :۔

"مولانا دوسرے وقت آئیے گا تو میں اس وقت کہوں گا۔ تو علوم میں اس وقت عروج ہو گا کہ اُدھر کہہ رہے ہیں اور ادھر سمجھ میں نہیں آرہا۔

غرضیکہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحہ کے علوم کا یہ حال تھا اور عمل تو ظاہر ہے۔ [۱]

(۱۴۸)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مہتمم تھے جب دارالعلوم کا کام بہت زیادہ پھیل گیا تھا۔ طلبہ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی بہت سے نئے شعبے قائم ہو چکے تھے اور ان کا انتظام شبانہ روز مصروفیت کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن اس دور میں بھی نماز اور تلاوت کے دیگر معمولات کے علاوہ روزانہ سوالاکھ اسمِ ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ پر توکّل کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان اُٹھا اور بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی جان کے بھی دشمن ہو گئے، ایسے حالات میں وہ رات کو دارالعلوم کی کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے، بعض

---

[۱] ماہنامہ الرشید لاہور ص۲۲۴، دارالعلوم دیوبند نمبر۔

بہی خواہوں نے عرض کیا کہ :۔
ایسے حالات میں آپ کو اس طرح نہ سونا چاہیئے بلکہ احتیاط کے مدّنظر کمرے کے اندر سونا چاہیئے۔
مولانا نے جواب میں فرمایا کہ :۔
"میں تو اس باپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔" ؎۱

(۱۲۹)

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ، نے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا :۔
حضرت! جن مقامات پر سورج کئی کئی مہینہ کے بعد طلوع ہوتا ہے وہاں پنجوقتہ نماز ادا کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کیونکہ وقت نماز کے لئے سبب وجوب ادا ہے تو وجوب کس طرح ہو سکتا ہے؟
حضرت علّامہ بلیاوی رح نے فرمایا :۔
"وقت" سبب کہاں ہے؟ صرف ایک علامت ہے اور فقدان علامت سے ذی علامت کا فقدان لازم نہیں آتا۔ ؎۲

(۱۳۰)

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مرض الموت میں کچھ

؎۱ ماہنامہ الرشید لاہور ص۳۷۳ دارالعلوم دیوبند نمبر ؎۲ ماہنامہ برہان ص۳ ماہ جنوری ۱۹۶۸ء

دنوں مدرسے تشریف نہ لے جا سکے اور جب تنخواہ آئی تو واپس فرما دی۔ اللہ اکبر یہ ہے وہ مقام جہاں کم سے کم آج کے دور زر پرست میں جبرائیل کے پر جلنے کا محاورہ بولا جا سکتا ہے۔ کیا اُسے انتہائی تقویٰ اور دیانت کے سوا بھی کچھ کہا جائے گا تنخواہ تو درکنار اگر مدرسہ سے وہ اپنی بیماری کے دنوں میں علاج و معالجے کے لئے بھی کچھ زائد رقم لے لیتے تو انصاف و دیانت کے منافی نہ ہوتا۔ آخر جس درسگاہ کی خدمت میں انہوں نے اپنی بہترین عمر صرف کر دی اور جس درسگاہ کو ان کے توسل نے شہرت و عظمت اور مال و منال سب ہی چیزوں سے بہرہ ور کیا انصافاً ان کا حق نہ ہوتا کہ عمر ضعیفی میں اپنی جائز ضروریات اس سے حاصل کریں لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں سے تقویٰ اور اباحت کے دو جداگانہ راستے پھٹتے ہیں اور شیخ مدنی نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔ اس تفصیل کو بھی نظر میں رکھیئے کہ یہ اس تنخواہ کو نہ لینے کا ذکر ہے جو عام قانونِ مدرسہ کی رو سے ان کا جائز قانونی حق تھا، یہ ایسی چیز نہیں تھی کہ حضرت کے بلند مقام و منصب کی رعایت سے انہیں دی جا رہی ہو بلکہ وہ چیز تھی جسے مدرسہ کا ہر ملازم آئینی طور پر وصول کرتا ہے اور جس کے وصول کرنے میں دین و دنیا کسی بھی لحاظ سے انگلی اُٹھانے کی گنجائش نہیں لیکن شیخ نے صاف کہہ دیا :-

"جب میں پڑھا نہیں رہا ہوں تو تنخواہ کیسی"

مجلسِ شوریٰ نے طے کیا کہ کسی نہ کسی طرح اُن کا یہ جائز حق انہیں پہنچا دینا چاہیئے لیکن ایک مردِ عزیمت کوش کو اس کے فیصلے سے ہٹانا اتنا آسان نہ تھا کہ جس کا جی چاہے جا کر معاملہ نمٹا دے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو یہ کام سونپا گیا کہ کسی مناسب وقت میں وہی

حضرت کو سمجھائیں اور ایک ہزار سے کچھ زائد کی یہ رقم اُن کے حوالے کر دی۔ حضرت مہتمم صاحب اس فکر میں رہے کہ شیخ کی طبیعت کچھ سہولت پر ہو تو اظہار مدعا کریں لیکن اللہ کو یہ منظور نہیں تھا اور گفتگو کا مناسب موقع میسر آنے سے پہلے ہی انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں بلالیا۔ بعد میں حضرت مہتمم صاحب شیخ کی زوجہ مکرمہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرض تعزیت ادا کرنے کے بعد کہا کہ :-

"وہ رقم آپ لے لیں کیونکہ وہ شیخ کا قطعیً قانونی اور جائز حق ہے"

اس پر جو جواب زوجہ مکرمہ نے دیا وہ بھی واقعی اُن کی عظمت و خصوصیت کے عین مطابق ہے، ایک وسیع القلب، فراخ حوصلہ، سیر چشم اور زاہد و متقی شیخ کی حرم محترم کو بے شک اتنا ہی اونچا ہونا چاہیئے اُنہوں نے فرمایا:-

"آپ سب کچھ ٹھیک کہتے ہیں مگر جب انہوں نے ہی زندگی میں یہ رقم نہیں لی تو ہم اُن کے بعد اُسے کیسے لے سکتے ہیں"

حضرت مہتمم صاحب نے بہت کچھ سمجھایا اور ظاہر ہے کہ اُن کے حسن کلام، رعنائی گفتار اور قوتِ استدلال کا کہنا ہی کیا ہے مگر رقم نہیں لی گئی اور خاتون ذی جاہ نے ثابت کر دیا کہ ایک مخلص دریا دل اور خدا پرست مرد مومن کے اہل و عیال اس کی خصوصیات کا گہرا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ [1]

(۱۳۱)

لاہور کی زندگی کے ابتدائی ایام میں گرمی کے موسم میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح بیمار ہو گئے۔ ڈاکٹر کو لایا گیا تو اس نے گھر کے اثاثے کا جائزہ لیا

---

[1] ماہنامہ تجلی دیوبند صد ۱۴ جلد ۸ شمارہ ۱۱-۱۲۔ ماہ جنوری فروری ۱۹۵۸ء۔

توچند مٹی کے برتن پائے اور وہ بھی خالی تھے۔ تہبند اوپر اوڑھے لیٹے ہوئے ہیں۔ مکان کی تنگی کی وجہ سے ضیق النفس کا عارضہ لاحق ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب معائنہ کرنے کے بعد باہر آئے اور کہا کہ :۔

"اتنے جیّد عالم اور ان کے گھر کی یہ حالت۔ ہوش کریں فوراً مکان پہلے تبدیل کریں"

ایک یہ حالت تھی اور ایک اب وقت بھی آیا کہ مع اہل وعیال تیرہ بار مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ واپس آکر فرمایا کہ :۔

"اس دفعہ نو ہزار روپیہ صرف ہوا ہے اور عزیز حبیب اللہ (صاحبزادہ مرحوم) کی خاطر داری اور تواضع اس کے علاوہ ہے"

یہ ہے نتیجہ اتوکل کرنے والا جب صحیح توکل اختیار کرتے ہوئے صبر کرتا ہے تو پھر اللہ ساتھ ہو جاتا ہے۔ [1]

(۱۳۲)

ایک مرتبہ مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ، موجودہ امیر انجمن خدام الدین کو خیال آیا کہ :۔

"حضرت (مولانا احمد علی لاہوری رح) نے مسجدیں توکئی بنوادیں لیکن اس وقت ان کے مرمت فنڈ میں قلت ہے"

حضرت لاہوری رح کی خدمت میں عرض کیا اور جمعہ میں اپیل کی درخواست کی۔ فرمایا

"میرے کام تو سب توکل پر چلتے ہیں پچھلے دنوں اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کو بھیجا انہوں نے کہا ہم کچھ رقم اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] خدام الدین لاہور ص ۱۲ شیخ التفسیر نمبر یکم مارچ ۱۹۶۳ء۔

اُن سے کہا گیا کہ انجمن خدام الدین عکسی قرآن عزیز چھپوانا چاہتی ہے
اس کی آمدنی میں نہ کوئی میرا حصّہ ہے، نہ کارِ خیر سامنے ہے آپ چھپوا
دیں انہوں نے کہا کیا اندازہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا اندازہ لگوا دیا جائے
گا چند دنوں کے بعد وہ دونوں حضرات پھر آئے اور عرض کیا" کیا
اندازہ ہے" حضرت نے فرمایا:۔

"پچاس ہزار روپیہ کا اندازہ پریس والوں نے لگایا ہے"۔

چنانچہ انہوں نے پچاس ہزار روپیہ پیش کر دیا۔ بیٹو! میں کوئی اپیل نہیں کرتا
میرے کام تو اسی طرح توکّل پر چلتے ہیں۔

اب اسی عکسی قرآن عزیز پر قریباً ایک لاکھ روپیہ صرف ہو کر شائع
ہوا ہے۔ لہ

(۱۳۳)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح جب تھانہ بھون میں رہتے
تھے ایک پٹھان حضرت کی خدمت میں دعا کرانے آیا کرتے تھے کہ مجھ پر ایک شخص
نے جائداد کے معاملہ میں بڑا ظلم کر رکھا ہے۔ حضرت دعا فرما دیتے ایک بار
آکر کہنے لگا کہ اب تو اس نے حد ہی کر دی اور جائداد غصب کرنے کو ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا بھائی صبر کر اس نے کہا بہت اچھا۔ دفعۃً
حافظ محمد ضامن صاحبؒ حجرہ میں سے نکل آئے اور اس پٹھان سے فرمایا:۔

"ہرگز صبر مت کرنا جاؤ نالش کرو اور ہم دُعا کریں گے"۔

اور حضرت حاجی صاحبؒ سے فرمایا کہ:۔

لہ خدام الدین صہ۱۲ لاہور شیخ التفسیر نمبر۔

آپ تو صابر شاکر تھے سب چھوڑ کر بیٹھ رہے اس میں تو اتنی قوت نہیں یہ اگر اسباب معاش کو چھوڑ دے گا تو جب حاجت ستاوے گی یہ جھوٹی گواہی دے گا چوری کرے گا تو ایسوں کو صبر نہیں کرایا کرتے[۵۱]

(۱۳۴)

شہر خانپور ضلع رحیم یار خاں میں ایک مرتبہ جلسہ ہوا وہاں سے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رح نور پور میں تقریر کے لئے روانہ ہوئے۔ احمد پور شرقیہ میں حضرت شیخ التفسیر رح، مولانا دوست محمد قریشی رح کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ نیند آرہی تھی اسی دوران مولانا دوست محمد قریشی رح نے دریافت کیا کہ :۔

"حضرت ریش مبارک قبضہ سے زیادہ کیوں ہے؟"

حضرت مولانا احمد علی رح کے آنسو جاری ہوئے اور فرمایا :۔

"ان بالوں میں میرے پیر طریقت کے ہاتھ لگ چکے ہیں مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں ان پر قینچی کا استعمال کروں"

آپ نے مزید فرمایا :۔

قریشی صاحب! آج کل لوگ ڈاڑھی کی قدر نہیں کرتے اپنی کھیتیوں کی حفاظت تو کرتے ہیں لیکن مصطفےٰ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیتی (ڈاڑھی) کی حفاظت نہیں کرتے۔ اس کی قدر قیامت کے دن معلوم ہو گی جب کہ اولئے سنت کے اجر میں چہرے پر نورانیت نظر آئے گی۔[۵۲]

---

[۵۱] تصویر کے شرعی احکام ص۹۰ [۵۲] خدام الدین ص۱۴۳ شیخ التفسیر نمبر۔

(۱۳۵)

بہت سے حضرات مدنی منزل دیوبند میں موجود تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح سے بیعت ہونے کے خواہشمند صاحبان ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ سورج ابھی تک نہیں نکلا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب سورج نکلا تو حضرت شیخ تشریف لائے۔ مہمانوں کو دھوپ میں بیٹھا ہوا دیکھ کر خدّام پر ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ :-

دیکھتے نہیں مہمانوں پر دھوپ آرہی ہے "

یہ سنتے ہی خدّام جلدی سے دوڑے اور مشرقی دیوار کے سائے میں چٹائیاں بچھادیں۔ ہم سب مہمان جوتیاں دھوپ ہی میں چھوڑ کر سائے میں جا بیٹھے۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی رح مہمانوں کی جوتیاں اُٹھا اٹھا کر سائے میں رکھتے جاتے تھے عظمت و بزرگی کے باوجود تواضع کی ایسی مثال اب بہت کم یاب ہے۔[1]

(۱۳۶)

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رح ایک دفعہ علماء کی جماعت کو درس دیکر فارغ ہوئے تو جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے فرمایا کہ چابی تو مولوی انور لے گئے ہیں ابھی تک تو آئے نہیں۔ حجرے میں سے عصا اور جوتا نکالنا تھا۔ یہ سُنکر ایک ماسٹر صاحب جو شیخوپورہ میں کسی اسکول میں پڑھاتے تھے عرض کرنے لگے۔ حضرت اوپر ہی تو جانا ہے اتنی دیر کے لئے میرا ہی جوتا پہن لیجئے حضرت نے جب دیکھا کہ وہ جوتا انگریزی طرز کا ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں فیشن

---

[1] خدام الدین صد ۱۵ لاہور۔

کہتے ہیں۔ فوراً پیچھے ہٹے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ انگریزی طرز کا تھا۔ ساری زندگی جب اس قوم (انگریز) کے خلاف جہاد کرتے گذر گئی تو کیوں کر گوارہ ہو سکتا تھا کہ اس دشمنِ دین و اسلام کے طرز کے بنے ہوئے جوتے میں ایک لمحہ کو پیر ڈالا جائے۔ یہ آپ کی غیرتِ ایمانی اور انگریز دشمنی کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ ؎۱

(۱۳۷)

بھائی جمیل احمد میواتی صاحب ایک دفعہ حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری رح کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے صوفی عبد الحمید مرحوم کی کوٹھی واقعہ جیل روڈ جا رہے تھے کہ راستہ میں پیچھے سے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح کا تانگہ بھی آگیا۔ بھائی جمیل صاحب نے سوچا ایسی تو کوئی بات نہیں ہے کہ حضرت مجھے نہ بٹھائیں گے کیونکہ حضرت کی شفقت و عنایت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ لیکن حضرت لاہوری رح نے اُنھیں دیکھا بھی اور سلام کرتے ہوئے گذر گئے۔ ابھی حضرتؒ کا تانگہ صوفی صاحب کی کوٹھی تک پہنچا نہ تھا کہ بھائی جمیل صاحب ایک تنگ گلی سے نکل کر کوٹھی پر پہونچ گئے اور انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت کا تانگہ بھی آگیا۔ حضرتؒ نے اُترتے ہی سلام میں پہل کرتے ہوئے فرمایا:-

"آپ بڑی جلدی آگئے" اور فوراً ہی یہ فرمایا کہ تانگہ میں اس لئے نہیں بٹھایا تھا کہ جس وقت تانگہ کیا تھا اس وقت میں اکیلا تھا دوسری سواری کے متعلق ذکر نہیں ہوا تھا۔"

اگرچہ سالم تانگہ کرنے پر سواری کو حق ہے کہ اپنے کسی دوسرے ساتھی کو بٹھا لے۔

؎۱ خدام الدین صہ ۱۶ لاہور۔

مگر ان حضرات کو اتنی بے احتیاطی کب گوارا کر سکتی تھی۔ اب ہم بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ لین دین کے معاملے میں کتنی بے احتیاطی برتتے ہیں۔ ۵۱

(۱۳۸)

ایک دفعہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ لال پنسل لے آؤ۔ وہ بے چارہ لال رنگ کا چاقو لے آیا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ :-

"حضرت آپ نے تو پنسل منگائی تھی"

حضرت لاہوری رحؒ مسکرائے اور خاموش ہو گئے" تاکہ احباب کی مجلس میں اس شخص کو خفت اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ ۵۲

(۱۳۹)

ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب سے فرمایا کہ :-

"کتاب وہاں رکھ دو"

ان صاحب نے وہ کتاب قرآن حکیم کے اوپر رکھ دی۔ حضرت نے فرمایا :-

"نہیں نہیں ایسا کرو قرآن سب سے اوپر رکھو، اس کے نیچے وہ حدیث کی کتاب رکھو اور پھر یہ کتاب رکھو" ۵۳

(۱۴۰)

ایک واقعہ مفتی محمود صاحب گنگوہی[1] نے بروایت حضرت مولینا

---

۵۱ خدام الدین ص۱۶ لاہور ۵۲ خدام الدین ص۱۷ ۵۳ خدام الدین ص۱۷ ۔

فخر الدین صاحب گنگوہی رح سے نقل فرمایا ہے کہ :-

" حافظ فضل حق صاحب خزانچی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مرحوم کا تکیہ کلام " اللہ کے فضل سے " تھا ۔ ہر بات میں یہی جملہ ارشاد فرماتے اور اسی عادت کا اثر اُن کے صاحبزادے حافظ زندہ حسن صاحب مرحوم میں بھی تھا وہ بھی ہر بات میں " اللہ کا فضل " فرمایا کرتے تھے ۔ بہرحال ایک مرتبہ حافظ صاحب نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب سے عرض کیا ۔ حضرت جی رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہی ہو گیا تھا ۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا بھائی حافظ جی رات اللہ کے فضل سے کیا غضب ہو گئے تھے ؟ عرض کیا کہ حضرت ! میں سو رہا تھا گھر میں چور گھس گئے اور تالہ توڑنے لگے ۔ میری آنکھ کھُل گئی میں نے پوچھا تم چور ہو ؟ انہوں نے کہا ، ہاں ! میں نے کہا کہ میرا سارا روپیہ اسی کوٹھڑی میں ہے اور بہت سارا ہے ۔ (کیونکہ مشہور رئیس ہونے کے ساتھ ساتھ مدرسہ مظاہر علوم کے خزانچی بھی تھے) مگر اللہ کے فضل سے تم اس کو لے نہیں سکتے : اور دیکھو یہ تالہ جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسے کا ہے مگر تمہارے باوا سے بھی نہ ٹوٹے گا ۔ اس واسطے کہ مولوی جی (یعنی حضرت مولینا محمد مظہر صاحب) نے بتلایا تھا کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے اور میں اس کی خوب زکوٰۃ دے چکا ۔ حضرت جی ! یہ کہہ کر میں تو سو گیا جب تہجد کے واسطے اُٹھا تو وہ سب تالہ جھنجھوڑ رہے تھے مگر وہ ذرا بھی نہ ٹوٹا ۔ اور اللہ کے فضل سے صبح ہوتے ہی بھاگ گئے ۔" [1]

---

[1] تاریخ مظاہر جلد اوّل ص ۴۹-۵۰ ۔

(۱۴۱)

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اسلاف نے بزرگانِ دین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی دعوت میں ایک ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص سے حضرت رائے پوریؒ کا تعارف کرایا گیا جو کسی اُونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور عیسائی ہو گیا تھا، اس زمانہ میں عیسائیت کی تبلیغ کا بڑا زور تھا اور عیسائی مشنریوں کے اثر اور مشن اسکولوں میں تعلیم پانے کی وجہ سے بہت سے خاندانی مسلمان عیسائیت قبول کر رہے تھے اس عیسائی نے آپ سے بھی مذہبی گفتگو شروع کر دی اور آپ کو عیسائیت کی دعوت دینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ :۔

"تم لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں، تم نے ہم سے چار سو بیس [۴۲۰] کی۔ ہمارے باپ دادا غیر مسلم تھے تمہارے بزرگوں کی تبلیغ و تلقین سے انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اب جب ہم مسلمان ہو گئے تو تم ہم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے (یعنی مسلمان سے عیسائی ہو گئے) اب بھی تمہارا کیا اعتبار ہے، ہم تمہارے پیچھے چلیں گے تو تم ہم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ گے"

یہ سنکر وہ شخص بہت خفیف ہوا اور کہا ہم آپ سے پھر کبھی نہیں کہیں گے[۱]

(۱۴۲)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[۱] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ حاشیہ ص۱۷۔

اپنی طالب علمی کا واقعہ بیان فرمایا کہ:۔

جس زمانے میں ہم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں پڑھتے تھے، اس وقت وہاں مطبخ نہ تھا، طلبہ خود اپنے کھانے کا بندوبست کرتے تھے، ہماری کوشش یہ ہوتی تھی کہ کھانا پکانے کی وجہ سے کوئی سبق ناغہ نہ ہو اس لئے ہم اکثر یہ کرتے کہ اگر کوئی گھنٹہ خالی ہوتا، یا کوئی سبق گھنٹہ ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے ختم ہو جاتا تو جلدی سے کمرے میں آکر انگیٹھی پر کھچڑی چڑھا جاتے اور دوسرے سبق میں چلے جاتے، جب سبق ختم ہو جاتا تو پھر کمرے میں آتے، کھچڑی کو انگیٹھی پر سے اُتارتے اور جیسی بھی ہوتی، کھا لیتے کبھی کچی ہوتی، کبھی جل جاتی اور کبھی بہت زیادہ پچ پچی (بہت زیادہ نرم) ہو جاتی بہر حال جیسی کیسی ہوتی کھا لیتے مگر سبق ضائع نہ کرتے"۔ [1]

(۱۴۳)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانہ میں حیدر آباد دکن میں ڈھائی سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ پر ملازم تھے۔ اسی دوران علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ صدر مہتمم دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے آپ کو دار العلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ التفسیر کے ستر روپیہ ماہانہ پر دعوت دی۔ آپ اس کے لئے تیار ہو گئے۔ جملہ احباب و متعلقین نے شدید مخالفت کی لیکن حضرت مولانا ادریس صاحب کی ذات میں صبر و قناعت کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا آپ نے صاف طور پر فرمایا کہ:۔

"خواہ تنگی ہو یا فراخی ہو میں دار العلوم دیوبند کی دعوت کو رد نہیں کر سکتا

---

[1] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صفحہ ۳۴

اور پھر وہ بھی تفسیرِ قرآن پڑھانے کے لیے"

جب متعلقین نے زیادہ ہنگامہ کیا تو حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رح اپنے اطمینانِ قلب کی خاطر کاندھلہ تشریف لائے اور والد صاحب رح سے مشورہ کیا اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کے خطوط دکھائے اور عرض کیا کہ ان حضرات نے دارالعلوم میں شیخ التفسیر کی جگہ کے لئے دعوت دی ہے، لیکن تنخواہ وہاں (حیدر آباد دکن) کے ڈھائی سو کے مقابلے میں صرف سترہ روپے ماہانہ ہوگی۔ آپ کی کیا رائے ہے ــــــ چلا جاؤں یا عذر کردوں۔؟"

یہ بات سُن کر حضرت کاندھلوی رح کے والد صاحب سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

"در کارِ خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست"

نیز فرمایا! تم پوچھنے بھی کیوں آئے۔ پہلے ہی خط میں ہاں، کہہ دینا تھا"

والد محترم کی یہ بات سُن کر دل کا خلجان دور ہوگیا اور آپ نے شرح صدر کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کی درخواست قبول فرمائی۔ [1]

(۱۴۴)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح کے زمانہ قیام حیدر آباد دکن میں اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ:۔

"آپ کے پاس بڑے بڑے لوگ آتے ہیں، آپ ان سب کو فرش

---

[1] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صفحہ ۴۲۔

پر بٹھاتے ہیں اچھا نہیں لگتا دو چار کرسیاں لے آئیں "۔

حضرت مولانا کاندھلوی رح نے یہ سُن کر فرمایا کہ :۔

پہلے تو میں خاموش رہا اور ٹلاتا رہا۔ جب اہلیہ محترمہ نے کئی بار عرض کیا کہ "آپ ان (آنے والوں) کو زمین پر بٹھاتے ہیں (یہ اصرار) کیا خیال کریں گے "۔

تب حضرت مولانا کاندھلوی رح نے جواب دیا کہ :۔

"میں تو اسی طرح زمین پر بٹھاؤں گا۔ جس کو آنا ہے وہ آئے، دنیا نے میرا کیا خیال کیا ہے جو میں اس کا خیال کرتا پھروں "۔

چنانچہ نہ کرسیاں آئیں اور نہ میز۔ اور نہ ہی آپ کو کبھی مسہری یا نواڑی پلنگ پر سوتے دیکھا گیا۔ آپ ہمیشہ بان کے بنے ہوئے پلنگ پر آرام فرماتے اور دن میں تو پلنگ پر لیٹتے ہی نہ تھے۔ ۱؎

(۱۴۵)

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح سے ملاقات کے لئے مختار مسعود صاحب، کیپٹن ڈاکٹر حامد علی خاں صاحب کے ساتھ آئے، سردی کا موسم تھا۔ مختار مسعود صاحب نے بہت قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ حضرت مولانا کاندھلوی رح نے محسوس کیا کہ شاید انھیں اس بات کا خیال ہو کہ مٹی لگ جانے سے سوٹ میلا ہو جائے گا۔ حضرت کاندھلوی رح نے فرمایا :۔

"بھئی ہم تو فقیر آدمی ہیں، ہمارے پاس تو صوفہ اور کرسیاں نہیں ہیں آپ آئے ہیں تو اسی میلے کچیلے فرش پر بیٹھ جائیں "۔

۱؎ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح ص ۴۳ ۔

مختار مسعود صاحب نے اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عرض کیا :۔

"مولانا! صوفوں پر تو روز ہی بیٹھتے ہیں، اس مٹی پر بیٹھنے کی تمنّا لے کر تو آپ کے پاس آئے ہیں۔"

حضرت مولانا کاندھلوی رح ان کے اس ادب اور اخلاق سے بہت خوش ہوئے۔ ؎

(۱۴۶)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح سے ملنے کے لئے ایک مرتبہ مولانا کوثر نیازی صاحب آئے۔ نیازی صاحب نے ازراہِ تفنن عرض کیا :۔

"مولانا! میں تو سمجھا تھا کہ گذشتہ سالوں میں لوگوں نے بہت ترقی کی ہے بیشتر علماء بھی ایڈوانس ہوگئے ہیں، آپ کے یہاں بھی کرسیاں وغیرہ آگئی ہوں گی۔"

حضرت مولانا کاندھلوی رح نے فرمایا :۔

"نہیں بھئی مولوی صاحب! میرا تو وہی درویشی دھندا ہے، میں کوئی کرسی وُرسی اپنے گھر میں نہیں آنے دیتا۔" ؎۲

(۱۴۷)

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدّث سہارنپوری رح کو ایک شخص نے آکر بُرا بھلا کہنا شروع کیا مولانا چونکہ بہت بڑے مرتبہ کے شخص تھے طالب علموں کو سخت غصہ آیا اور اس کو مارنے کو اُٹھے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ :۔

؎۱ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح ص۴۸ ؎۲ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح ص۴۸

"بھائی سب باتیں تو جھوٹ نہیں کہتا کچھ تو سچ بھی ہے تم اسی کو دیکھو۔ [1]

(۱۴۸)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رح سے ایک شخص نے کہا کہ:-

"اب تو آپ بوڑھے ہو گئے"

آپ نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ:-

"الحمدللہ اب قریب وقت آیا"

ف: اس حکایت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اُن کو اعمال کے مقبول ہونے پر ناز ہوتا ہے اس لئے احتمال مواخذہ نہ ہونے سے خوش رہتے ہیں استغفراللہ ناز کی مجال کس کو ہے بلکہ وہ خوشی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ وہ آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اُن کو دار وگیر کا اندیشہ ہوتا ہے یا نہیں تو سمجھو کہ اندیشہ ضرور ہوتا ہے لیکن رحمتِ خداوندی سے اُمید بھی ہوتی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ پھر چھوٹ جائیں گے۔ [2]

(۱۴۹)

حضرت شیخ الآفاق مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص آیا کہ میری سفارش نوکری کے لئے فلاں شخص سے کر دیجئے وہ شخص جس سے سفارش چاہی گئی تھی آپ کا مخالف تھا مگر باوجود اس امر کے آپ نے اپنی خوش خلقی سے رقعہ لکھ دیا اس شخص نے حاملِ رقعہ سے

---

[1] ماہنامہ "الامداد" ص۵ تھانہ بھون ماہ رمضان سنہ ۱۳۳۳ھ۔ [2] ماہنامہ "الامداد" ص۷ بابت ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۳ھ تھانہ بھون

اس رقعہ کی بتی بناکر کہاکہ شاہ صاحب سے کہدیناکہ اس کو اپنے اس مقام میں رکھ لو۔ استغفراللہ، اس بھلے آدمی نے ویسے ہی آکر روایت نقل کر دی۔ فرمانے لگے :۔

”کہ اگر تیرا مقصود اس طریق سے حاصل ہوجاتا یا اب بھی ہو جائے تو خدا کی قسم مجھے اس سے بھی عذر نہیں“

اس سائل نے اس مخالف سے یہ حکایت جاکر نقل کی وہ متاثر اور متضرع ہوا اور آکر عقیدت ظاہر کی خطا معاف کرائی اور بیعت ہوا۔ [1]

(۱۵۰)

حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحہ کے دولت خانہ پر کوئی شخص مہمان ہوا اور اُسے حاجت پاخانہ کی ہوئی شاہ صاحب نے فرمایاکہ ٹھہر جاؤ پھر شاہ صاحب ایک ٹھیکرا اندر سے لائے اور کہاکہ پاخانہ میں اس کو رکھ کر پاخانہ سے فراغت کرنا اس لئے کہ یہاں باہر کے پاخانہ میں جو بھنگی بول و براز صاف کرتا ہے اس سے فقط ایک آدمی کا پاخانہ صاف کرنا ٹھہرا ہے اور اُسکی اُجرت جدا طے کی جاوے گی کیونکہ یہ کام شرط سے بڑھا، پس مزدوری بھی بڑھنی لازم ہے، ان صاحب نے کہاکہ :۔

”میں کہیں اور فراغت کر آؤں گا“

آپ نے فرمایاکہ :۔

”نہیں! یہیں فراغت کیجئے“

ف : حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحہ نے یہ حکایت بیان

---

[1] ماہنامہ الامداد ص۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۳۴ھ۔

فرما کر ارشاد فرمایا کہ:-

"اسی تقویٰ کے سبب حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کا فیض کثرت سے جاری ہو رہا ہے" ۱؎

(۱۵۱)

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ علامہ انور شاہ صاحبؒ کاشمیری کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ حدیث تھے۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ قناعت کا حال یہ تھا کہ مدرسہ سے جو تنخواہ وصول فرماتے وہ گھر پہونچنے تک ختم ہو جاتی۔ کسی نے ایک بار پوچھا:-

"حضرت جب آپ پوری تنخواہ تقسیم ہی کر دیتے ہیں تو لیتے کیوں ہیں؟ مدرسہ میں فی سبیل اللہ پڑھا دیا کریں"

حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا:-

"تنخواہ اس لئے لیتا ہوں تو کہ کسی کی احتیاج نہ ہو، کبھی کسی کی طرف دیکھنا نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ خرچ چلا دیتے ہیں تو تنخواہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتا ہوں، اگر کبھی ضرورت ہوتی ہے تو تنخواہ میں سے بھی کچھ اپنے اوپر خرچ لیتا ہوں" ۲؎

(۱۵۲)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد

۱؎ ماہنامہ "الامداد" ص۱۲ بابت ربیع الاول ۱۳۳۴ھ تھانہ بھون۔

۲؎ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ص۳۶۱۔

دکن سے دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر بن کر آئے تو بعض لوگوں نے مخالفت کی۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا:۔

بھئی! بات یہ ہے کہ ہمارے جو پرانے مدرس ہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو نیا مدرس آئے وہ ہم سے کمتر آئے بہتر نہ آئے۔ کمتر آئے گا تو ان سے دب کر رہے گا اور علم وفضل میں برتر آئے گا تو ان کو اس کے آگے جھکنا پڑیگا؟[۵۱]

(۱۵۳)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے حکم سے "اعلاء السنن" تصنیف فرمائی۔ مولانا موصوف پہلی جلد لکھ کر حضرت حکیم الامت تھانوی رح کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت تھانوی رح نے دیکھا اور پسند فرمایا، دوسری جلد لکھنے کا حکم دیا، مولانا نے دوسری جلد مکمل کی اور وہ بھی حضرت تھانوی رح کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے بیحد پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اتنے خوش ہوئے کہ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے وہ اتار کر مولانا عثمانی رح کو اڑھا دی اور فرمایا:۔

"علمائے احناف پر، امام ابوحنیفہؒ کا بارہ سو برس سے قرض چلا آرہا تھا۔ الحمد للہ آج وہ ادا ہوگیا۔" [۵۲]

(۱۵۴)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح ایک بار حضرت

---

[۵۱] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح ص۲۶۱

[۵۲] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح ص۲۶۳

میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رح استاذ حدیث دار العلوم دیوبند کی خدمت میں حاضر ہوتے، دیکھا کہ، میاں صاحب، انہی کی کتاب التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔ حضرت میاں صاحب نے مولانا ادریس صاحب کو دیکھ کر فرمایا:۔

مولوی ادریس! یہ کتاب تم نے بہت اچھی لکھی ہے، میں اکثر اس کا مطالعہ کرتا ہوں اور بعض مرتبہ کئی کئی گھنٹے اُسے دیکھتا رہتا ہوں، پھر فرمایا:۔

مولوی صاحب! علم والے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں، اللہ تعالیٰ کا جس پر فضل ہو وہ اس کو اپنے دین کی خدمت کا موقع عطا کر دیتا ہے اور اس سے اپنے دین کی خدمت لے لیتا ہے۔ ؎[۱]

(۱۵۵)

ایک مرتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں سید سلیمان ندوی رح کی صدارت میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح نے تقریر فرمائی۔ سید صاحب نے پوری تقریر بڑے غور سے سُنی اور بعد میں فرمایا:۔

"مولانا! آپ کی تقریر مکمل تھی، مدلّل تھی، مسلسل تھی" ؎[۲]

(۱۵۶)

ایک مرتبہ مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں بحث

؎۱ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صـ ۲۶۴

؎۲ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صـ ۲۶۸

فرما رہے تھے، کلامِ الٰہی کے غیر مخلوق اور الفاظ کے مخلوق ہونے پر ایسی مدلّل و مُبرہن تقریر کی کہ سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، انتہائی بشاشت اور سُرور کے عالم میں فرمانے لگے:۔

"مجھے کسی کا علم چرانے کا کبھی خیال پیدا نہیں ہوا، مگر دل چاہتا ہے کہ مولوی ادریس کا علم چُراؤں۔" ۵۱

(۱۵۷)

ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کے پیر دبانے لگے جس طرح ایک خادم یا مرید اپنے مخدوم اور شیخ کی خدمت کرتا ہے، حضرت نے منع کیا اور فرمایا:۔

"آپ تو خود مخدوم اور شیخ طریقت ہیں۔ مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو۔"

حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحؒ نے عرض کیا کہ:۔

"حضرت! میں آپ کا خادم اور شاگرد ہوں، میں نے آپ سے قرآنِ کریم کی تفسیر پڑھی ہے، آپ مجھے اس سعادت سے محروم نہ فرمائیں۔" ۵۲

(۱۵۸)

تحریک ختم نبوت نے ۱۹۵۳ء میں شدّت اختیار کی تشدّد کے واقعات نے زور پکڑا اور پنجاب کا قریہ قریہ اسکی لپیٹ میں آگیا اور خوب ہنگامے

---

۵۱ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحؒ ص ۲۶۸۔

۵۲ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحؒ ص ۵۰

ہوئے، اس لئے مارشل لاء لگانا پڑا اور آخر کار ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن بیٹھا، جو ان تمام واقعات اور حالات کی تحقیقات کے لئے مامور کیا گیا۔ بہت سے علماء کے عدالتِ عالیہ میں بیانات ہوئے۔

عدالتِ عالیہ نے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح کو بھی بیان دینے کے لئے بلایا، تحقیقاتی بنچ دو ججوں پر مشتمل تھا۔ جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی مرحوم۔ دورانِ بیان جسٹس محمد منیر نے مختلف سوالات کئے۔ ایک سوال یہ کیا کہ :-

" مولانا! ترمذی میں ایک حدیث آتی ہے، جس میں یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان، کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو اس کا کفر کہنے والے پر لوٹتا ہے۔ بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء دیوبندی علماء کو کافر کہتے ہیں، اس حدیث کی رُو سے ان کا کفر خود بریلوی علماء پر لوٹا اور وہ لوگ کافر ہوئے ؟"

حضرت مولانا کاندھلوی رح نے جواب دیا کہ :-

" ترمذی کی حدیث تو صحیح ہے، مگر آپ اس کا مطلب صحیح نہیں سمجھے، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ وہ مسلمان ہے دیدہ و دانستہ کافر کہے تو اُس کا کفر کہنے والے پر لوٹے گا، جن بریلوی علماء نے بعض دیوبندی علماء کو کافر کہا، انہوں نے دیدہ و دانستہ نہیں کہا۔ بلکہ اُن کو غلط فہمی ہوئی جس کی بناء پر انہوں نے ایسا کہا۔ اُنہوں نے منشاء تکفیر یہ تجویز کیا ہے کہ ایسے علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اگرچہ اُن کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ وہ اگر ذرا بھی غور و فکر کرتے یا اُن ہی حضرات کی وہی کتابیں اور عبارتیں دیکھ لیتے جس سے بریلوی

حضرات علماء کو یہ خیال ہوا ہے تو خود ہی اس کا ازالہ ہو جاتا پھر بھی ہم اس چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ ان حضرات نے بعض علماء دیوبند کی تکفیر اس بنیاد یعنی توہینِ رسولؐ کے مذعومہ پر کی ہے۔ لہٰذا یہ کفر کہنے والے پر نہیں لوٹے گا کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی علماء بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے۔" [1]

(۱۵۹)

ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے یہ فرمایا کہ:-

"خدا تعالیٰ ہی سے بھیک مانگا کرو۔"

حاضرین میں سے کسی نے کہا، حضرت! اگر کسی کے پاس کاسۂ گدائی بھی نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ حضرت تھانوی رح نے فرمایا:-

"خالی ہاتھ اس کی بارگاہ میں پہنچ جائے، کاسہ بھی وہیں سے مل جائے گا۔" [2]

(۱۶۰)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی بار حج سے واپس ہوئے تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک رومال بطور ہدیہ لائے اور حضرت حکیم الامت کو بھیج دیا۔ ساتھ ہی خط لکھا، اس میں ہدیہ کا ذکر کیا، اور اس کے بعد دعا کی درخواست

---

[1] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صـ۱۰۴

[2] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صـ۲۳۹۔

کی ۔دُعا کی درخواست کے ساتھ ہی معًا حضرت کے مزاج کا خیال آیا کہ :۔

" ہدیہ بھیج رہا ہوں اس کے ساتھ دُعا کی درخواست ہے، کہیں ناگوار نہ گذرے کہ ہدیہ کا عوض دُعا کا طلب گار ہے "۔

حضرت مولانا کاندھلوی رح نے " دُعا کی درخواست ہے " پر حاشیہ دیا کہ :۔

" یہ جملہ مستانفہ ہے، اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں "۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کاندھلوی رح کی احتیاط، اور مزاج شناسی سے اتنا مسرور ہوئے کہ اسی خط پر اس فقرے کے نیچے لائن کھینچی اور لکھا :۔

" ھنیئًا لکم العلم "، (علم تم کو مبارک ہو) [۱]

(۱۶۱)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی خدمت میں حاضر تھے، صحیح بخاری کے " باب بدءالوحی " میں ایک روایت ہے، جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلی بار وحی کی کیفیت بیان کی گئی ہے، اس روایت میں الفاظ ہیں لقد خشیت علی نفسی (مجھے اپنے بارے میں خوف محسوس ہوا) روایت کے یہ الفاظ شارحین پر بہت مشکل گذرے ہیں، اور اس میں اشکال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس چیز کے بارے میں خوف ہوا؟۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رح بھی اس روایت کے بارے میں کچھ کلام فرمارہے تھے۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رح کی زبان سے یہ بات نکل

---

[۱] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صفحہ ۲۵

گئی کہ :۔

"حضرت! فقیر نے اس روایت کے متعلق کچھ لکھا ہے"۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے فرمایا :۔

"جو کچھ لکھا ہے، وہ مجھے ضرور بھیجیں"

حضرت مولانا کاندھلوی رح نے فرمایا کہ :۔

"میں بہت شرمندہ ہوا کہ میں نے کیوں ذکر کیا، خاموش ہی رہتا تو بہتر تھا"

مولانا کاندھلوی رح نے عرض کیا :۔

"حضرت! سبقت لسانی سے بات نکل گئی، وہ اس درجے کی چیز کہاں ہے کہ آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کی جائے"

حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے فرمایا :۔

"یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے کہ وہ کس درجے کی چیز ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ اُسے بھیج دیں"

حضرت مولانا کاندھلوی رح تھانہ بھون سے کاندھلہ واپس آئے اور اس تحریر پر نظر ثانی کی اور صاف کر کے حضرت تھانوی رح کی خدمت میں روانہ کر دی۔ حضرت نے اس تحریر کو بہت پسند فرمایا اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے :۔

"آپ کی تحریر میری معلومات میں اضافہ کا باعث ہوئی"

نہ صرف یہ قدردانی فرمائی بلکہ اس تحریر کو جو دو صفحے پر مشتمل ہے حضرت تھانوی رح نے اپنی ایک کتاب "الطرائف والظرائف" حصہ دوم میں شائع بھی کرا دی اور اس تحریر سے پہلے یہ عبارت درج ہے :۔

"الفوائد الحدیث من بعض الحواشی کتبھا لی المولوی

محمد ادریس کاندھلوی ؒ[1]

(۱۶۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۳۵۴ھ سے سنہ ۱۳۶۲ھ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے علامہ عثمانی نے تحریک کی کہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طرز پر، دورۂ تفسیر کا بھی اہتمام کیا جائے اور جو طلبہ تفسیر پڑھنا چاہیں، انھیں اس دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد داخلہ دیا جائے۔ چنانچہ دارالعلوم میں دورۂ تفسیر کا اضافہ کیا گیا اور علامہ عثمانی نے بحیثیت صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ :-

"یہاں دارالعلوم میں دورۂ تفسیر کا اضافہ کیا گیا ہے اور آپ کو "شیخ التفسیر" منتخب کیا گیا۔ آپ اپنی منظوری اور تاریخ آمد سے مطلع فرمائیں۔"

جب حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دیوبند تشریف لے آئے تو مدرسہ کے دارالحدیث میں ایک عظیم اجتماع ہوا جس میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی۔ علامہ عثمانی رح نے مولانا کاندھلوی رح کے بارے میں کلماتِ توصیف فرمائے اور اپنی تقریر کے آخر میں سب سے عجیب بات یہ کہی کہ :-

"قیامت کے روز اگر اللہ تعالیٰ نے سوال کیا کہ شبیر احمد! ہم نے تجھے دارالعلوم دیوبند کا صدر مہتمم بنایا تھا، بتا تو نے مدرسہ کی کیا خدمت کی؟ جواب دوں گا کہ پروردگارِ عالم!

---

[1] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صفحہ ۲۵

دارالعلوم میں تیری کتاب کی تفسیر پڑھانے کے لئے مولوی ادریس کو لایا تھا۔" اس کے بعد علامہ مرحوم نے فرمایا :۔
"مجھے یقین ہے، میرے اس عمل پر اللہ تعالیٰ میری بخشش فرما دیں گے۔" ۵۱

(۱۶۳)

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا حافظ مہر محمد میانوالی صاحب حاضر ہوئے جو اس وقت ماہنامہ بینات کے مدیر معاون تھے انہوں نے عرض کیا حضرت :۔
"ماہنامہ بینات کے لیے کوئی مضمون یا تحریر پرچے کے لیے لکھ دیا کریں"
حضرت مولانا بہلوی صاحب نے فرمایا کہ :۔
"میں کون ہوں ایسے کام کرنے والا کہ میرے نام سے مضمون چھپے اور مشہور ہو۔ میں ایسا کام نہیں کر سکتا یہ بڑے بڑے عالموں کا کام ہے" ۵۲

ف : یہ انتہائی تواضع کی بات تھی ورنہ حضرت جامع العلم والعمل تھے۔ اور آپکی ذات جہاں علم وعمل کا سنگم تھی وہیں روحانی امراض کے معالج کی حیثیت سے بھی بہت بلند تھی۔

(۱۶۴)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی قدس سرہٗ کی خانقاہ میں

---

۵۱ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح صفحہ ۲۵۷-۲۵۹ ۵۲ ماہنامہ تبصرہ لاہور۔

شہد کی بوتل رکھی تھی۔ آپ نے انگلی سے شہد چکھ لیا۔ فوراً احساس ہوا کہ غیر کا مال ہے۔ پوچھا یہ کس کی ہے۔ ایک صاحب بولے تو فرمایا:۔

"میں تم سے معافی چاہتا ہوں کہ بے اجازت انگلی لگائی ہے"

وہ کہنے لگے:۔

"حضرت! یہ آپ ہی کا مال ہے۔ آپ کے لئے لایا ہوں"

یہ سُن کر حضرت کا اضطراب دور ہوا۔ [1]

(۱۶۵)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلی شریف (تحصیل شجاع آباد ملتان) والوں کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک دیہاتی آکر کہنے لگا:۔

"آپ! بڑے پیر ہیں۔ میری اولاد نہیں۔ آپ خدا سے اولاد دلادیں۔ پیر اسی لئے بنائے جاتے ہیں"

فرمایا:۔

"میں بیمار ہوں۔ اگر اتنی طاقت رکھتا کہ تجھے بیٹا دلادوں تو اپنے لئے صحت بزور حاصل کر لیتا" [2]

(۱۶۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو کبھی بیٹھ کر نماز

---

[1] ماہنامہ تبصرہ لاہور [2] ماہنامہ تبصرہ لاہور۔

نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکے اس وقت تک اس طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں نے بڑی مشکل سے اُٹھایا اور دونوں جانب سے کمر میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہوگئے اور قیام و رکوع و سجود انہیں کے سہارے سے نماز ادا کی۔ ہر چند خدام نے عرض کیا کہ :-

"حضرت! بیٹھ کر نماز ادا کر لیجئے مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا"

ایک روز خادم خاص حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ :-

حضرت! اگر اس وقت میں بھی جائز نہیں تو وہ کون وقت اور کونسی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟"

آپ نے فرمایا کہ :-

"قادر بقدرۃ الغیر تو قادر ہوتا ہے اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اُٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں"

آخر جب نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں آپ نے بیٹھ کر پڑھیں۔ گویا بتلا دیا کہ اتباع شرع اس کو کہتے ہیں۔ تقویٰ اس کا نام ہے، احتیاط احوط اس طرح ہوتا ہے۔ [1]

(۱۶۷)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف

[1] اکابر کا تقویٰ ص۹

لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لئے ہوئے جا رہا تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہونچا دیا۔ اس بوڑھے نے پوچھا:۔

"اجی! تم کہاں رہتے ہو"

اُنھوں نے کہا:۔

"بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں"

اُس نے کہا:۔

"وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں"

اُس نے کہا:۔

"واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو"

مولوی صاحب نے کہا:۔

"میں ٹھیک کہتا ہوں"

وہ بوڑھا اُن کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو مولوی صاحب کو جانتا تھا اس نے بوڑھے سے کہا:۔

"بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں"

اس پر وہ بوڑھا ان سے لپٹ کر رونے لگا۔ مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ رونے لگے ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست　　　به تسبیح وسجاده و دلق نیست [۱]

(۱۶۸)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا درس اپنے

---

[۱] اکابر کا تقویٰ صـ۴۶۔

ہاں گنگوہ میں جاری کر رکھا تھا وہ سب توکل پر تھا۔ چنانچہ وہ درس جب بند ہوا (کیونکہ مولانا کی بینائی جاتی رہی تھی) تو اس کے بعد جب کبھی باہر سے بڑی بڑی رقمیں (چندے کی) آئیں تو مولانا نے سب کو واپس کر دیں کہ اب درس نہیں رہا۔

بعض لوگوں نے مولانا گنگوہی رح کو رائے دی کہ :۔

حضرت رقم واپس کیوں کی جائے۔ صاحب رقم (مالک) سے کسی دوسرے مصرفِ خیر کی اجازت لیکر اس میں صرف فرما دیجئے گا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ :۔

"میں لوگوں سے کیوں اجازت لینا پھروں"۔ ؎۱

(۱۶۹)

ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سُنکر جوش میں آکر فرمایا کہ :۔

آپ کے پاس آکر تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے (مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرما دیتے ہیں) اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا گنگوہی رح سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ :۔

"یہ کیا کہا! اگر امام شافعی رح زندہ ہوتے تو کیا میں اُن کے سامنے بولتا بھی؟ اور بولتا تو کیا؟ میں تو اُن کی تقلید کرتا اور امام ابو حنیفہ رح کی تقلید کو چھوڑ دیتا کیونکہ مجتہد حیؒ کے ہوتے ہوئے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حیؒ کی تقلید

؎۱ اکابر کا تقویٰ ص ۱۱

کی جائے اور فرمایا توبہ توبہ حضرت امام اگر تشریف فرما ہوتے تو میرا یہ طالب علمانہ شبہ ہوتا اور حضرت امام اس کا جواب دیتے۔ اب اس وقت امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ ان کے اقوال ہم لوگوں کے سامنے ہیں اور اپنے علم کے موافق ترجیح دے لیتے ہیں" لہ

(۱۷۰)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کسی تقریب نکاح میں میرٹھ تشریف لائے لڑکے والوں نے درخواست کی کہ تبرکاً دولہا کو کپڑے حضرت پہنائیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جہاں دولہا غسل کے بعد کپڑے پہننے کا منتظر تھا بندہ (مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ) بھی ساتھ تھا کرتا پاجامہ تو آپ نے اٹھا کر دے دیا اچکن کا نمبر آیا تو آپ نے کہا دیکھنا کیا ریشم کی ہے۔ میں (مولانا عاشق الٰہی) نے غور سے دیکھ کر عرض کیا جی حضرت ریشم ہی معلوم ہوتا ہے آپ نے اس کو رکھ دیا اور فرمایا کہ :-

"اس کا پہننا اور پہنانا حرام ہے"

پھر ٹوپی دیکھی تو وہ بھی مغرق۔ اس پر حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا:-

"یہ بھی حرام ہے؟

لڑکے والے کچھ محتاط نہ تھے انہوں نے حضرت کے انکار کی پرواہ نہ کی خود اٹھا کر دولہا کو پہنا دیا حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ (مولانا عاشق الٰہی) سے فرمایا کہ چلو، وہاں سے واپس ہو گئے۔ آپ قیامگاہ پر تشریف نہیں لائے بلکہ رنج و قلق کے ساتھ حاجی وجیہہ الدین صاحب

لہ اکابر کا تقوی ص ۱۳ .

مدنی مرحوم کے مکان پر تشریف لے گئے ۔ فرمایا :-

"یہ کیا تعلق ہے ، معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں ۔
اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے ، جہاں
دولہا حرام لباس پہنے بیٹھا ہو کوئی عامل ہو کوئی اس
پر راضی "

یہ سن کر سب میں ہل چل مچ گئی کہ برادری کا قصہ تھا اور حضرت کے ساتھ کتنی لوگوں کا تعلق تھا نہ حضرت کو چھوڑ سکے نہ برادری کو ۔ دوڑے ہوئے گئے کہ کسی طرح دولہا کے کپڑے بدلوا دیں مگر بہتیرے تھے جن کو نہ حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام اس لئے وہ تبدیل لباس کو نحوست اور بدشگون سمجھتے اور کہتے تھے کہ جو دلہن کے یہاں سے جوڑا آیا ہے وہی پہننا ضروری ہے مگر یہ دوڑ دھوپ کرنے والے سر برآوردہ اور مرید تھے آخر کامیاب ہوئے اور حاجی وجیہہ الدین صاحب مصری کپڑے کی بیش قیمت اپنی اچکن نکال کر جلدی سے پہونچے کہ اس سے بہتر اچکن تو دولہا کو پورے ہندوستان میں نصیب نہ ہوگی ۔ وہ پہن کر اور ٹوپی کی جگہ عمامہ بندھوا کر حضرت کے سامنے لے آئے کہ حضرت اب تو تشریف لے چلیں ۔ اس وقت آپ اٹھے اور شریک عقد ہوئے ۔ لہ

(۱۷۱)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب عزیزوں میں سے جو بڑے رتبہ کے آدمیوں میں سے تھے ملاقات کے لئے تشریف لائے ۔ حضرت سبق پڑھا رہے تھے ۔ اختتام سبق تک تو حضرت

لہ اکابر کا تقویٰ صہ ۲۸ ۔

نے توجہ بھی نہ فرمائی۔ ختم سبق کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ:۔

"حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں"

حضرت نے ارشاد فرمایا:۔

"مدرسہ نے یہ قالین صرف سبق پڑھانے کے لئے دیا ہے ذاتی استعمال کے لئے نہیں"

اس لئے اس قالین سے علیحدہ بیٹھ گئے۔ [1]

(۱۸۲)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سفر حجاج کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور وہاں سے گرفتار ہو کر مالٹا آگئے تھے اس وقت کی بات ہے کہ حضرت مولانا شیخ الہند رح اپنے استاذ محترم بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کے مکان پر تشریف لائے۔ اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نانوتوی رح کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔

اماں جی! میں نے آپ کی کوئی خدمت نہیں کی، بہت شرمندہ ہوں اب سفر میں جارہا ہوں ذرا اپنا جوتا دے دیجئے۔ انھوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھادیا۔ حضرت شیخ الہند رح نے اس کو اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے کہ میری کوتاہیوں کو معاف کردیجئے۔ [2]

(۱۸۳)

ایک دفعہ ایک نادان طبیب نے غلطی سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری

---

[1] اکابر کا تقویٰ ص۳۷ [2] اکابر کا تقویٰ ص۶۲

رحمۃ اللہ علیہ کو زہر دے دیا۔ فوراً آپ کو قے ہو گئی اور مرض ترقی کر گیا۔ ڈاکٹری تشخیص سے پتہ چلا کہ چند منٹ قے نہ ہوتی تو جانبری محال تھی۔ حضرت مولانا سے جس کو ذرا بھی تعلق تھا وہ حکیم صاحب کے آنکھیں نکالتا اور اُن کی صورت سے بیزار ہو گیا مگر آپ کو حکیم صاحب کی ندامت اور اپنے خدام کی اُن سے یہ وحشت ایک مستقل تکلیف بن گئی کہ وہ بھی کتمان اور ضبط میں رہی جس کا اثر یہ تھا کہ حکیم صاحب تشریف لاتے تو آپ اُن کو سب سے الگ اپنے پاس چارپائی پر بٹھلاتے اور کسی کی بھی دوا کا استعمال ہو مگر حکیم صاحب سے مشورہ لیا کرتے تھے اور وہ اس کو مناسب مرض بتلاتے تو آپ استعمال فرماتے ورنہ اُن سے ایسی ہی باتیں کرتے جس سے ان کو یقین ہو جاتا کہ حضرت میرے معالجہ کے معتقد اور میری حذاقت و مزاج شناسی کے معترف ہیں۔ اور مخلص خدام سے ایک مرتبہ نرم لہجہ میں اس طرح فرمایا کہ:-

"حکیم صاحب تو میرے محسن ہیں، غلطی تو ہر بشر کے ساتھ لگی ہوئی ہے مگر جو کچھ کیا وہ محبت و شفقت ہی کی نیت سے کیا اُن کو کوئی ترچھی نظر سے دیکھتا ہے تو میرے دل پر برچھی لگتی ہے۔ فاعل مختار بجز اللہ تعالیٰ مولائے کریم کے کوئی نہیں۔ جو ہوا وہ اسکی مشیت سے ہوا۔ پھر کسی کو کیا حق ہے کہ آلہ وا وزار کو سرزنش کرے" [1]

(۱۷۴)

ایک مرتبہ مولوی وہاج الدین صاحب جو کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ رائے پور آئے۔ رات زیادہ ہو چکی تھی اور

---

[1] اکابر کا تقویٰ صد ۹۴

سفر کا تکان بہت تھا ایک طرف لیٹ کر سو گئے ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک شخص پائنتی کی طرف بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ اُن کے پاؤں دبا رہا ہے مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھُل جائے۔ اوّل تو یہ سمجھے کہ شاید حضرت نے کسی خادم کو بھیج دیا ہو مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ خود حضرت مولانا ہیں۔ یہ گھبرا کر اُٹھے اور کود کر چارپائی کے نیچے آئے کہ حضرت یہ کیا غضب کیا۔ فرمایا:۔

"بھائی! اس میں حرج کیا ہے آپ کو تکان بہت ہو گیا ہو گا۔ ذرا لیٹ جایئے کہ آرام مل جائے"

انہوں نے کہا کہ:۔

بس حضرت! معاف فرمایئے میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے
پاؤں دبواؤں ؎

تواضع اور مروت میں گر کوئی شخص مجسم ہو
تو وہ سرتاقدم عبدالرحیم باصفا ہو گا [۱]

(۱۷۵)

ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

"میں جب کراچی جیل سے رہا ہو کر آیا تو بنگال کونسل کے ایک ممبر نے مجھ سے کہا کہ چالیس ہزار روپے نقد اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچ سو روپے ماہوار کی پروفیسری آپ کے لئے ہے اس کو قبول فرمالیں،

حضرت شیخ مدنی رح نے پوچھا کہ:۔

---

[۱] اکابر کا تقویٰ ص۶۶

"کام کیا کرنا ہے؟"

ممبر صاحب نے فرمایا:۔

"کچھ نہیں، صرف تحریکات میں خاموش رہیں"

حضرت شیخ مدنی رحؒ نے فرمایا کہ:۔

"حضرت شیخ الہند رحؒ جس راستے پر لگا گئے ہیں میں اُس سے نہیں ہٹ سکتا"

حضرت شیخ الاسلام مدنی رحؒ نے اس واقعہ کو سنانے کے بعد حاضرین کو نصیحت فرمائی کہ آپ صاحبان اس کام میں لگے رہیں۔ [1]

(۱۷۶)

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے دار جدید کی مسجد میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحؒ شیخ الحدیث کے مہمانوں کا قیام ماہِ رمضان المبارک میں اعتکاف کے سلسلہ میں ہونے لگا تو بجلی کے بلب زیادہ لگانا پڑتے تھے اس کی وجہ سے حضرت نے مسجد اور باقی سارے دار جدید کے حجروں وغیرہ کے بجلی کا پورے مہینے کا کل بل اپنے ذمّہ لے لیا مگر جب معلوم ہوا کہ بل انگریزی مہینوں کے حساب سے آتا ہے اور رمضان میں انگریزی دو مہینوں کی تاریخیں شامل ہوتی ہیں تو حضرت نے پورے دو ماہ کا مل اپنے ذمّہ لے لیا یہ کل حساب حضرت شیخ الحدیث کے روزنامچہ میں مفصل درج ہے۔ ایک دفعہ مدرسہ کے ایک ذمّہ دار جو بجلی کے فن سے ناواقف ہیں انہوں نے شبہ ظاہر کیا کہ زیادہ بجلی خرچ ہونے سے بجلی کے تاروں کو بھی نقصان

[1] اکابر کا تقویٰ ص۵۶۔

پہونچتا ہے حالانکہ فنی لحاظ سے یہ بات اس طرح نہیں ہے لیکن حضرت نے اُن کے شبہ کی بناء پر ڈیڑھ سو روپے کے نئے تار منگوا کر پورے تار بدلوا دیئے۔ ۱ے

(۱۷۷)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو وفات سے کئی سال قبل سے بیماری اور ضعف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ حضرت کے کے چند نیازمندوں نے باہم مشورہ کر کے ایک دفعہ حضرت مدنی رح سے عرض کیا کہ:-

"حضرت! اب صرف وہ سفر فرمایا کریں جس کی کوئی خاص ضرورت اور اہمیت ہو اور یہ جو ہو رہا ہے کہ لوگ معمولی معمولی مقامی ضرورتوں اور جلسوں کے لئے حضرت کو تکلیف دیتے ہیں اور حضرت قبول فرما لیتے ہیں (اور اسی طرح ہر ہفتے میں جمعہ کے ایک دن کا سفر تو ضروری ہوتا ہے) یہ سلسلہ اب بند فرما دیا جائے۔

حضرت شیخ مدنی رح نے فرمایا:-

"میں کیا کروں لوگ آجاتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں"

عرض کیا گیا کہ:-

اگر حضرت طے فرمالیں کہ اس سلسلہ کو بند کرنا ہے تو تھوڑے عرصہ تک تو ایسا ہوگا کہ لوگ آئیں گے اور حضرت کے انکار فرما دینے پر مایوس واپس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت نے اب

۱ے اکابر کا تقویٰ صہ ۸۷۔

یہ فیصلہ فرمالیا ہے تو پھر اس غرض سے لوگ آیا بھی نہیں کریں گے "۔

فرمایا :-

" مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے بندے آئیں اور وہ کہیں چلنے کے لئے اصرار کریں اور میں انکار پر جما رہوں "۔

عرض کیا گیا کہ :-

حضرت کی صحت اور حضرت کا وقت بہت قیمتی ہے اس کو صرف ضرورت اور موقعہ ہی پر صرف ہونا چاہیئے ۔

حضرت شیخ مدنی رح نے خاکساری اور تواضع میں ڈوبے ہوئے لہجے میں فرمایا :-

" آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں میں کیا ہوں اور میری کیا قیمت ہے یہ مٹی کا جسم ہے جب تک چل رہا ہے اس سے کام لینا چاہیئے "۔ ؎۱

(۱۷۸)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے پاس گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ) سے ایک منی آرڈر آیا۔ جس میں مرسل کا نام صرف " شیر محمد " لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ خریداروں کے رجسٹر میں ان کا نام صرف " شیر محمد " لکھ دیا گیا۔ عرصہ کے بعد ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے ایک مضمون کے بارہ میں (جو غالباً مسئلہ سماعِ اموات سے متعلق تھا) اُن صاحب کا ایک خط آیا جس میں " امداد الفتاویٰ " کے حوالہ سے اس مسئلہ کے متعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی ایک خاص تحقیق کا ذکر کیا گیا تھا۔ جس سے

؎۱ ماہنامہ الفرقان صد۲۳۔ وفیات نمبر۔

مولانا نعمانی صاحب اس وقت تک واقف نہ تھے۔ اس خط سے پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی عالم دین ہیں، چنانچہ رجسٹر میں اُن کے نام سے پہلے "مولانا" کا لفظ بڑھا دیا گیا۔ جب حضرت مولانا شیر محمد صاحب مہاجر مدنی کے پاس "الفرقان" کا وہ پہلا شمارہ پہونچا جس میں ان کا نام "مولانا شیر محمد صاحب" لکھا گیا تھا تو ممدوح نے مولانا نعمانی صاحب مدظلہ، کو لکھا کہ :۔

"میں عالم نہیں ہوں عامی ہوں۔ اکابر کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہے۔ ان سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ اس لئے میرے نام کے ساتھ مولانا نہ لکھا جائے"

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ، نے اسی سلسلہ میں آگے عبارت میں تحریر فرمایا کہ :۔

"جب مناسک حج پر ان کی ضخیم اور محققانہ تصنیف "عمدۃ المناسک" جس کو گجرات کے عالمِ دین مولانا غلام محمد نور گت نے شائع کیا تھا ملی تو اس سے پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ ممدوح کس پایہ کے صاحب نظر عالم اور محقق ہیں۔"[1]

(۱۷۹)

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے انجمن خدام الدین لاہور قائم کی تھی۔ یہ انجمن ایک مدرسہ قاسم العلوم اور ایک مدرسۃ البنات چلاتی تھی۔ اُس نے کثیر تعداد میں تبلیغی رسائل شائع کیے جو لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوئے۔ مولانا کا ترجمہ [illegible] خدام الدین اس کا ترجمان ہے۔ غرض اس کا سارا سرمایہ، اس کا مکتب اور اُس کی

---

[1] ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، وفیات نمبر ص ۱۴۸۔

دینی سرگرمیاں سب مولانا کی محنت، اخلاص اور مقبولیت کی رہین منت ہیں لیکن یہ سُنکر بہت سے لوگوں کو حیرت ہوگی کہ مولانا اس سے ایک پیسہ لینے کے کبھی روادار نہیں ہوئے۔ ساری عمر انھوں نے اعزازی اور رضا کارانہ طریقہ پر خدمت کی اور اپنی اور اپنی اولاد کے لئے کوئی منفعت حاصل نہیں کی۔ ایک مرتبہ مولانا لاہوری رح سخت علیل ہوئے۔ معالجین نے آپ کے لئے دوا وغذا کا ایک نظام بنایا جس کی (آپ کی زاہدانہ زندگی میں) گنجائش نہ تھی۔ انجمن کے ارکان نے یہ سمجھ کر کہ :۔

"انجمن اور اس کا سارا کام مولانا کے دم سے ہے، اُن کی زندگی ہی سے انجمن کی زندگی اور بقا ہے۔ مولانا کے علاج اور صحت پر کچھ انجمن کے حساب سے خرچ کر دیا۔"

مولانا کو بیماری سے افاقہ کے بعد جب اس کا علم ہوا تو نہایت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ :۔

"تم نے مجھے ناجائز کھلایا اور اس کو اپنے پاس سے ادا کیا۔" [1]

(۱۸۰)

رائے پور کی خانقاہ کا شروع کا زمانہ بڑے عسرت (تنگی) کا تھا۔ طالبین کو بڑے سخت مجاہدے سے گذرنا پڑتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رح فرماتے تھے کہ :۔

"مسلسل دس سال ایسے گذرے ہیں کہ ہم لوگوں کو جو طالبین کی حیثیت سے خانقاہ میں رہتے تھے۔ ایک دن میں صرف ایک روٹی مکئی کی ملتی تھی اور

---

[1] ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، وفیات نمبر صفحہ ۱۲۰۔

وہ بھی درمیان سے بالکل کچی ہوتی تھی۔ جو صاحب پکانے والے تھے انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ روٹی سکی یا نہیں سکی۔ سالن یا دال ترکاری کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ گاؤں سے کسی دن چھاچھ آجاتی تھی تو کھانے پینے کے لحاظ سے ہم خانقاہ والوں کے لئے گویا وہ عید کا دن ہوتا۔"

مزید فرمایا کرتے کہ:۔

"اس (یو۔ پی) کے علاقہ کے ہمارے ساتھی تو وہی ایک روٹی آدھی آدھی کر کے دونوں وقت کھاتے لیکن میں پنجاب کا رہنے والا تھا اس لئے ایک ہی وقت میں کھا لیتا تھا اور دوسرے وقت میں بس اللہ کا نام۔" [1]

(۱۸۱)

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف پر جو حاشیہ لکھا ہے اس میں آخری چار پارے کے حواشی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ انہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار مولانا احمد علی صاحبؒ کہیں جا رہے تھے آپ کے ساتھ کچھ شاگرد اور متوسلین بھی تھے۔ راستہ میں ایک دیہاتی نے ان (کی سادہ وضع) کو دیکھ کر کہا:۔

"ڈاکوؤں کا گروہ جا رہا ہے۔"

شاگردوں نے انھیں مارنا چاہا مگر آپ نے سختی سے منع کر دیا اور گھر واپس آکر بکس کھولا جس میں سینکڑوں خطوط تھے اور ان میں بڑے شاندار الفاظ میں مولانا کو خطاب کیا گیا تھا۔ لوگوں کو دکھلایا پھر فرمایا کہ:۔

"اتنے آدمی اگر مجھے ایسا سمجھتے ہیں اور اگر ایک شخص یا چند آدمی ایسا

---

[1] الفرقان۔ لکھنؤ۔ وفیات نمبر ص ۱۱۳

سمجھتے ہیں تو بُرا ماننے کی کونسی بات ہے" ۵۱

(۱۸۲)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے گھر والے ایک دفعہ سہارنپور میں موجود نہیں تھے اس وقت حضرت نے اپنے لئے مدرسہ کے مطبخ سے ایک خوراک اپنے نام جاری کروا رکھی تھی۔ ایک طالب علم جو حضرت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے وہ اپنا کھانا بھی مدرسہ سے لاتے تھے ایک دن اُنھوں نے کہا کہ:۔

"آپ کے شوربہ کے پیالہ میں تار زیادہ ہوتا ہے اور میرے میں کم اور یہ اس لئے ہے کہ مدرسہ میں آپکا لحاظ ہے"!

حضرت نے دونوں پیالوں کو دیکھا تو واقعی حضرت شیخ کے پیالہ میں تار (اوپر کا روغن) زیادہ تھا۔ حضرت شیخ نے اسی دن سے ہمیشہ کے لئے اپنے نام سے کھانا منگوانا بند کر دیا۔ البتہ کئی کئی طلبہ کا کھانا حضرت کے حساب میں جاری رہا کرتا تھا۔ ۵۲

(۱۸۳)

مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ میں جو قیام کے لئے کمرے وقف ہیں اُن کے ایک کمرہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام رہتا تھا جو مدرسہ والوں کے انتہائی اصرار کی وجہ سے قبول فرمایا ہوا تھا گذشتہ سال حضرت کے برابر والے کمرہ میں۔

---

۵۱ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، صد ۳۰ اگست ۱۹۷۷ء ۔ ۵۲ اکابر کا تقویٰ ص ۹۷

تحفیظ القرآن کا مکتب تھا جو بعد میں وہاں سے ختم ہو کر مسجد فاطمہ میں منتقل ہوگیا۔

مدرسہ والوں نے کمرہ حضرت شیخ الحدیث کے تصرف میں دے دیا وہاں حضرت کے عزیز مولانا عاقل صاحب مدظلہٗ اور مولانا سلمان صاحب مدظلہٗ حضرت کی نگرانی میں حدیث پاک کے سلسلہ میں تراجم بخاری سے متعلق کام کیا کرتے تھے۔ کمرے میں ایک پنکھا رکھا تھا جس کو وہ حضرات تقریباً مہینہ بھر استعمال کرتے رہے۔ بعد میں حضرت کے علم میں آیا کہ یہ پنکھا مدرسہ علوم شرعیہ کا نہیں ہے بلکہ تحفیظ القرآن والوں کا ہے جو کہ لاعلمی میں استعمال ہوتا رہا۔ حضرت کو اس کے استعمال کا افسوس ہوا اور اس کا کرایہ ادا کرنے کی غرض سے تحفیظ القرآن کے ناظم صاحب سے تحریری طور پر دریافت کیا اور آئندہ کے لئے اپنے عزیزان کو بازار سے نیا پنکھا منگوا دیا۔ ناظم صاحب نے کہا کہ:۔

"گذشتہ استعمال کا کوئی کرایہ نہیں، نہ ہمارے ہاں اس کی کوئی مد ہے۔

حضرت اس کا کچھ خیال نہ فرمائیں"

حضرت شیخ نے فرمایا کہ :۔

"چندہ کے نام سے لے لیں۔ تخمینہ بتادیں"

مگر وہ نہیں مانے۔ دو تحریریں ارسال کیں کہ میں بحیثیت انچارج لکھتا ہوں کہ آپ پر مدرسہ کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں سابقہ استعمال کی ہماری طرف سے اجازت ہے۔ اُن کی تحریر تو موجود نہیں مگر مضمون یہی تھا اس پر حضرت نے ایک سو ریال جو کہ نئے پنکھے کی قیمت ہوتی ہے کرایہ کے بدلہ میں چندہ کے نام سے مندرجہ ذیل پرچہ کے ساتھ روانہ کئے جسے تحفیظ القرآن والوں نے قبول کر لیا۔ جس میں تحریر تھا کہ :۔

"میں تو پہلے پرچہ میں بہت صفائی سے لکھ چکا ہوں کہ چونکہ چندہ

کا مال ہے اس کے معاف کرنے کا حق نہ آپ کو ہے نہ صدر صاحب کو اور نہ آپ کے معاف کرنے سے معاف ہو سکتا ہے۔ آپ یا صدر صاحب اپنے پاس سے مجھے کچھ عطیہ فرما دیں سر آنکھوں پر اور آپ کو یہ لینے میں اشکال ہو تو میری طرف سے چندہ میں داخل کر لیں"۔ لے

(۱۸۴)

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حیدرآباد دکن کے زمانہ قیام میں بیمار ہوئے تو علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے اور ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو دار العلوم دیوبند کے فارغ عالم اور حضرت شیخ الہند رح کے شاگرد اور ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے برادر بزرگ تھے) کا علاج شروع ہوا۔ یہ پہلی ملاقات تھی جو کافی ممتد ہوئی۔ واپس ہو کر مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے فرمایا کہ:-

"میاں! میں تمہارا شکر گذار ہوں کہ ایک ایسے آدمی کے دیکھنے کا موقع تم نے میرے لئے فراہم کیا جیسا نہ اب تک ان آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ امید ہے کہ دوسرا دیکھنے میں آئے۔ میرا تو دل پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ اس شخص کے قلب پر کسی معصیت کا خطرہ بھی نہیں گذرتا"۔

ف: ڈاکٹر صاحب کوئی تارک الدنیا قسم کے انسان نہیں تھے۔ مطب

لے اکابر کا تقویٰ صہ ۸۸

کرتے تھے، زمین اور باغات کے علائق رکھتے تھے۔ ایک وسیع کنبے کے ذمّہ دار تھے۔ ندوۃ العلماء کی نظامت کی ذمّہ داریاں تھیں، غرض ہر طرح کے بشری علائق تھے مگر قول و عمل میں وہ پاکیزگی، وہ طہارت وہ معصومیت کہ فرشتے بلائیں لیں۔[1]

(۱۸۵)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا اور میرے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ اپنی ایک شبانہ حاضری کاندھلہ میں جملہ اعزہ کے گھروں میں جاکر اُن سے ایک ایک دو دو منٹ کے لئے ضرور ملتے۔ میرا کاندھلہ جانا چھ ماہ، آٹھ آٹھ ماہ میں ایک شب کے لئے ہوتا تھا۔

ایک دفعہ آٹھ ماہ بعد میرا کاندھلہ جانا ہوا اور اپنی عادت کے موافق سب گھروں کا چکّر لگایا۔ میرے محترم عزیز برادر معظم برادر ماسٹر محمود الحسن کاندھلوی اس وقت کاندھلہ میں تھے میرے ساتھ وہ بھی بادلِ ناخواستہ میری خاطر میں سرگشت کے لئے چل دیئے۔ میں ایک عزیز کے گھر گیا جو ایک معمولی سی بات پر اور محض غلط فہمی سے اپنے دل میں حضرت شیخ سے، ناراض تھے جس کا (شیخ کو) احساس بھی نہ تھا۔ میں (شیخ الحدیث) نے جاکر سلام کیا انھوں نے منہ پھیر لیا، میں (شیخ) نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے مرحوم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ بھائی محمود کا اس وقت غصّہ کے مارے چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ میں (شیخ) نے ایک مونڈھا کھینچا اور ان عزیز کے قریب دو منٹ بیٹھ کر چلا آیا۔ انھوں نے میری طرف منہ نہیں کیا۔ جب وہاں سے واپس آرہا تھا راستے میں بھائی محمود نے کہا:۔

---

[1] الفرقان لکھنؤ۔ وفیات نمبر صد ۸۲۔

"بے غیرت بے حیا! پھر بھی ان کے یہاں آوے گا"

میں نے کہا:۔

"ضرور آؤں گا۔ یہ اُن کا فعل تھا جو اُنھوں نے کیا، وہ میرا فعل ہوگا جو میں کروں گا، ہمیں حدیث پاک میں صل من قطعک (جو قطع رحمی کرے اُس سے جُڑ جا) کا حکم دیا گیا ہے"

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اخیر میں اُن کا یہ اصرار رہا کہ تجھ (د: شیخ الحدیث) ہی سے بیعت ہوں گا اور تیرے ہی پاس پڑ کر مروں گا۔ ؎

(۱۸۶)

ڈاکٹر مولانا تقی الدین صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ جس انہماک اور دلسوزی، نشاط و سرگرمی، تیاری و پابندی سے درس (حدیث) دیتے تھے اب اس کی صحیح تصویر کشی مشکل ہے ایک دفعہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ساری سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا۔ یہ ناکارہ (ڈاکٹر مولانا تقی الدین)، مدرسہ قدیم میں کتاب لئے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کم ہو تو سبق میں حاضر ہوں مگر بارش اسی زور و شور سے ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مدرسہ قدیم میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ حضرت اقدس (شیخ الحدیث صاحب) آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے اُنہوں نے کہا بظاہر تو مشکل معلوم ہوتا ہے باہر سے معلوم کر لو۔ میں مدرسہ کے دروازے پر آیا وہاں

؎ اکابر کا تقویٰ ص ۹۷۔

فروٹ بیچنے والے سائبان میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے۔ یہ بے بضاعت جلدی جلدی دارالحدیث میں حاضر ہوا وہاں بجلی بھی غائب تھی دارالحدیث میں اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا۔ یہ ناکارہ چپکے سے جا کر بیٹھ گیا کہ مبادا نظر نہ پڑے مگر حضرت نے دیکھ لیا فرمایا جانتے ہو کیسے آیا ہوں۔ اپنے مکان سے چلا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا سپارہ اور دوسرے میں چھتری تھی۔ جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا نصف راستے تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے اصرار سے مجھے بٹھایا اور یہاں لا کر میرے پیروں کو اور پائجامہ کے نیچے کا حصہ دھویا اور دارالحدیث پہونچا گیا۔ یہ ناکارہ یہ سُنکر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرّہٗ پان کا کثرت سے استعمال فرماتے تھے مگر کئی کئی گھنٹے کے درس میں کبھی پان استعمال نہیں فرمایا۔ [1]

(۱۸۷)

حج میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرّہٗ کا وقوف عرفہ سیّد مکّی مرزوقی کے خیمہ میں ہوتا تھا حضرت کے ساتھ چند مخصوص خدّام بھی ہوتے تھے کہ سیّد مکّی مرزوقی کے حاجی ہوتے ہیں لیکن دُعا میں شامل ہونے کے لئے خدّام کی ایک بڑی تعداد حضرت کے خیمہ کے اندر اور باہر حاضر ہو جاتے تھے یہ حجاج دوسرے معلموں کے حجاج ہوتے ہیں ایک دفعہ حسب حسب دستور حجاج کے لئے سیّد مکّی کی طرف سے کھانا آنا شروع ہوا تو حضرت نے دیکھا کہ کھانا تو بہت ہے لیکن ضابطہ میں یہ صرف انھیں حضرات کا ہوگا

---

[1] اکابر کا تقویٰ ص ۱۰۸۔

جو مکّی مرزوقی صاحب کے حاجی ہیں یا جنھوں نے مکّی مرزوقی صاحب کے خیمے کے پیسے داخل کیئے ہیں لیکن مجمع میں وہ خدّام بھی ہیں جو مکّی کے حاجی نہیں یہاں صرف زیارت و دُعا کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہیں یہ حضرات تبرک کے شوق میں کھانے میں شریک نہ ہوجائیں اگرچہ نہ تو کھانے میں کوئی کمی تھی یا معلم صاحب کی طرف سے اشارۃً بھی کسی کو روکنے کا امکان تھا لیکن حضرت نے باوجود اس وقت کی یکسوئی کے کہ بات کرنا گوارہ نہ تھی بڑے اہتمام سے خود اعلان فرمایا کہ :-

"جو حضرات ان معلّم صاحب (مکّی مرزوقی) کے حاجی نہیں وہ کھانے میں ہرگز شریک نہ ہوں اُن کو بلا اجازت کھانا حرام ہے"

اور اس کے بعد یہ اعلان دو تین دفعہ پکار کر کروادیا۔ [۱]

(۱۸۸)

ایک حج میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمّد زکریا صاحب قدس سرّہٗ کے معلّم سیّد مکّی مرزوقی کی موٹر حضرت کو حرم لے جانے اور لانے اور لے جانے کے لئے مقرر تھی ایک دفعہ نماز کے بعد حضرت شیخ حرم شریف سے باہر نکل آئے لیکن موٹر نہیں آئی کہ ڈرائیور کو کہیں دیر ہوگئی تھی خدّام نے دوسری موٹر لانے کے لئے عرض کیا مگر منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ :-

"بعد میں وہ بیچارہ (ڈرائیور) آئے گا ہم انتظار کر لیتے ہیں"

مگر حضرت کو معذوری کی وجہ سے کھڑے ہونا تو دشوار تھا دیں زمین پر بیٹھنے کا ارادہ فرمالیا تو خدّام نے فورًا اپنے مصلّے بچھانا چاہے مگر حضرت شیخ نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ بلا تکلّف زمین پر بیٹھ گئے خدّام نے جب اصرار کیا تو

---

[۱] اکابر کا تقویٰ صد۱۰۹۔

فرمایا کہ :۔
"تم اپنے لئے بچھالو، میں تو یہاں کا کُتّا ہوں زمین پر ہی بیٹھوں گا۔"[۱]

(۱۸۹)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرّہٗ کے جس طرح باقی سب حالات نرالے تھے اسی طرح صحت وامراض کا مسئلہ بھی عجیب ہے کہ سر مبارک پر سردیوں میں بھی گرمی رہتی تھی اور کوئی کپڑا وغیرہ استعمال نہیں کر سکتے اور پاؤں اور ٹانگوں میں گرمیوں میں بھی سردی لگتی تھی گرمیوں میں گرم کمبل ٹانگوں پر رہتا تھا۔ عورتوں کو بیعت یا تلقین وغیرہ پردے کے پیچھے بٹھا کر اس کے محرم کے واسطے سے کرواتے تھے گرمی میں ایک دفعہ ایک بے پردہ عورت اپنی دردناک حالت سنانے کے لئے سامنے ظاہر ہوگئی تو حضرت نے فوراً ٹانگوں والا کمبل چہرہ پر ڈال لیا۔ وہ کچھ دیر تک بات سناتی رہی حضرت اسی طرح گرمی برداشت کرتے رہے۔[۲]

(۱۹۰)

جس زمانہ میں مصر میں بذل المجہود کی طباعت ہورہی تھی اور اسکی تصحیح وغیرہ کے سلسلہ میں ہزاروں روپے خرچ کرکے انتظامات کئے جارہے تھے تو حضرت مولانا شیخ سلیم صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرّہٗ سے عرض کیا کہ :۔
"آپ اتنا روپیہ خرچ کرکے اتنے اہتمام سے کتاب طبع کرا رہے ہیں

---

[۱] اکابر کا تقویٰ ص ۱۰۵ [۲] اکابر کا تقویٰ ص ۱۰۴۔

اور اس کی رجسٹری کرواتی نہیں اگر کوئی اس کا فوٹو لے کر چھاپ لے
گا تو وہ کتاب کو چوتھائی قیمت پر بیچ سکے گا اور آپ کی کتاب
رہ جائے گی ،،

حضرت شیخ نے فرمایا کہ :۔
" اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو فوٹو کروانے کی اُجرت تو میں خود
پیش کر دوں گا اور بعد میں یہ کتاب میری بھی بک جائے گی " [۵]

(۱۹۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا
کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ رنگون سے تشریف
لا رہے تھے یہ ناکارہ (حضرت شیخ) ایک دو روز سے پٹھان پورہ گیا ہوا تھا یہ محلہ
اسٹیشن سے کچھ دور تھا مجھے یاد آیا کہ حضرت کی تشریف آوری ہو رہی ہے اور کبھی اسٹیشن پر حاضری کی توفیق نہیں
ہوئی. گاڑی کا وقت قریب تھا اور پیسہ جیب میں ڈالنے کی عادت والد صاحب نے کبھی ڈالی ہی نہیں تھی میرا خیال
تھا کہ اسٹیشن پر بہت سے خدام ملیں گے کسی سے کہہ دوں گا کہ میرا بھی پلیٹ
فارم لے لو۔ مگر جب میں اسٹیشن پر پہونچا تو گاڑی کا وقت بالکل قریب تھا.
اور سب خدام استقبال کے لئے اندر جا چکے تھے۔ میں ٹکٹ گھر کے قریب
پہونچا اور وہاں بابو سے کہا کہ :۔
" پیسے اس وقت میرے پاس نہیں ہیں اگر پلیٹ فارم بطورِ
قرض دے سکتے ہو تو دے دو "
اس نے کھٹک کر کے ایک پلیٹ فارم فوراً دے دیا۔ میں اندر جا پہونچا

[۵] اکابر کا تقویٰ صد ۱۰۳

تو سب سے پہلے مولانا منظور احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا کہ :-

"چار پیسے جیب میں ہیں"

اُنھوں نے فرمایا کہ بہت۔

میں نے کہا کہ :-

"آپ کو تکلیف تو ہوگی آپ بابو کو چار پیسے دے آویں اور اُن کا شکریہ بھی ادا کر آویں، میں پلیٹ فارم قرض لے کر آیا ہوں"

مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ :-

"آپ کیوں میرا مذاق اُڑاتے ہیں کہیں پلیٹ فارم بھی قرض مل سکتا ہے"

میں نے کہا :-

"ملا تو نہیں کرتا لیکن جس کا سارا کاروبار قرض پر چلتا ہو اُسے مل جاتا ہے"

انھوں نے جانے سے انکار کر دیا تو میں نے کہا :-

"لاؤ چار پیسے مجھے دو گاڑی آنے والی ہے"

کہنے لگے ہاں پیسے دے دوں گا اور جب میں پیسے لے کر ٹکٹ گھر کی طرف چلا تو وہ میرے پیچھے بہت تیزی سے ٹکٹ گھر کی طرف چلے اور جا کر اُس سے پوچھا کہ :-

"کوئی شخص تم سے قرض پلیٹ فارم لے گیا ہے"

اس نے کہا ہاں لے گیا ہے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ :-

"کیا قرض پلیٹ فارم بھی مل سکتا ہے"

اُس نے کہا :-

"ملتا تو نہیں مگر اس کی صورت کہہ رہی تھی کہ وہ دھوکہ نہیں کر رہا ہے"
(بابو سکھ تھا)۔ ؎۱

(۱۹۲)

حضرت فقیہ الامت شیخ المحدثین مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ :۔

والد صاحب گھر پر انگریزی پڑھاتے تھے مگر میں ہر کتاب کو پڑھ کر جلا دیتا تھا ایک دفعہ تیسری کتاب میں کوئی لفظ دوسری کتاب کا آیا، میں اس کا ترجمہ نہ کر سکا تو والد صاحب نے دوسری کی کتاب طلب کی۔ میں نے کہا "وہ جلا دی گئی"۔ پوچھا "کیوں؟" میں نے کہا :۔

"آپ بڑے بھائی صاحب (مولانا سعید احمد مرحوم) کو عالمِ دین بنانا چاہتے ہیں اور مجھے جاہل رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلئے میں انگریزی سے نفرت کرتا ہوں۔ جو کتاب ختم ہوتی ہے جلا دیتا ہوں"

کہا :۔

"تو تم بھی اپنے ماموں صاحب کے پاس چلے جاؤ" ؎۲

(۱۹۳)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رح سابق شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ جس زمانے میں نحو میر، شرح مأۃ عامل پڑھتے تھے۔ اس زمانے میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب

؎۱ اکابر کا تقویٰ ص۱۰۳ ؎۲ انوار النظر فی آثار الظفر ص۷۔

میں ہوئی۔ خانقاہ امدادیہ کے سامنے ایک نالہ بہتا ہے۔ اس سے آگے میدان میں ایک ٹیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اس پر کھڑے ہیں۔ خوبصورت نورانی چہرہ ہے۔ لوگ جوق در جوق زیارت کو آرہے ہیں اور پوچھتے ہیں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہمارا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ نے سب کو یہی جواب دیا فی الجنّۃ فی الجنّۃ، پھر آپ ٹیلے سے اُتر کر خانقاہ امدادیہ کی طرف چلے اور وہاں سے حضرت حکیم الامّت کے مکان پر پہونچے میں نے دوڑ کر حضرت کو اطلاع دی۔ فوراً باہر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے سلام کے بعد معانقہ فرمایا پھر ایک خادم کو حکم دیا کہ پلنگ پر بستر بچھادے اور تکیہ رکھ دے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم آرام فرمائیں۔

حکم کی تعمیل کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بستر پر آرام فرمانے لگے اس وقت مجمع نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں صرف یہ عاجز ظفر احمد عثمانی تھانوی (رح) تنہا تھا۔ میں نے موقع تنہائی کا پاکر عرض کیا:۔

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ اَنَا (اے اللہ کے نبی میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

فی الجنّۃ (جنّت میں ہوگا)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا کیا پڑھتے ہو؟ میں نے اپنے اسباق گنوائے۔ فرمایا پڑھتے رہو اور پڑھ کر ہمارے یہاں بھی آؤگے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) اشتیاق بہت ہے آپ دعا فرمائیں۔ فرمایا ہم دعا کریں گے۔

بندہ (مولانا ظفر احمد عثمانی رح) نے صبح کو یہ خواب حضرت حکیم الامّت رح سے عرض کیا۔ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:۔

ان شاء اللہ اب اس بستی سے طاعون ختم ہو جائے گا (اس وقت بستی میں طاعون کا بہت زور تھا)
چنانچہ بحمد اللہ اس خواب کے بعد کسی کے مرنے کی خبر نہ آئی۔
پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ ۱۳۲۸ھ میں دینیات اور درسیات سے فارغ ہوتے ہی اسی سال حج اور زیارت قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نصیب ہو گئی۔ ۱؎

(۱۹۴)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی قدس سرہ العزیز جس زمانے میں نحو میر پڑھتے تھے اسی زمانے میں ایک دوست کو خط لکھا اس میں ایک عربی شعر بھی خود بنا کر لکھا تھا ؎

اَنَا مَارَأَیْتُکَ مِنْ زَمَنْ فَازْدَادَنِیْ قَلْبِیْ الشَّجَنْ

حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے یہ خط دیکھ لیا تو ایک طمانچہ رسید کیا کہ ابھی سے شاعری؟ مگر استاد سے فرمایا کہ:۔
"میں نے ظفر کو سزا تو دی کہ یہ وقت شعر و شاعری کا نہیں مگر آپ کے طرز تعلیم سے خوشی ہوئی کہ نحو میر پڑھنے کے زمانے میں اس کو صحیح عربی لکھنا آگئی" ۲؎

(۱۹۵)

جس زمانہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں زیر درس

۱؎ انوار النظر فی آثار الظفر ص۱۴ ۲؎ انوار النظر فی آثار الظفر ص۹

تھے۔ ایک پادری اور اسکی بیوی تازہ وارد کانپور ہوئے اور اس نے ایک عام جلسے کا اعلان کیا کہ اس جلسے میں دینِ مسیحی کی فضیلت جملہ ادیان پر ثابت کی جائے گی اور مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے گا۔ مولانا ظفر احمد صاحبؒ چند طلبہ کے ساتھ جلسے میں پہنچ گئے اور

اس سے چند سوالات کئے جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ :-

"اصلی انجیل تو آپ کے پاس ہے نہیں، صرف تراجم ہیں اور مترجموں کا حال معلوم نہیں نہ ان کی سوانح حیات موجود، نہ سلسلۂ اسناد موجود، تو یہ کیسے یقین کیا جائے کہ یہ تراجم صحیح ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم وہی تھی جو اناجیل میں درج ہے۔ پھر یہ گورکھ دھندا بھی عجیب ہے کہ خدا تین بھی ہیں اور ایک بھی ہے"

اس پر پادری نے کہا اس کا جواب کل دیا جائے گا۔ جس جاہل مسلمان کو عیسائی بنانا طے ہوا تھا۔ اس نے پادری کا جواب سُن کر کہا :-

"پھر میں بھی آج عیسائی نہیں ہوؤں گا۔ جب ان سوالوں کا جواب دے لوگے اور میرا دل تمہارے جوابوں کو مان لے گا تب عیسائی ہوؤں گا"

اس پر طلبہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پادری بہت خفیف ہوا۔" [1]

(۱۹۶)

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی قدس سرہٗ ابھی بچے ہی تھے اور ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھتے تھے۔ ایک

[1] انوار النظر فی آثار الظفر ص۱۰۷۔

دن قاری صاحب نے اچھی طرح مطالعہ نہیں کیا تھا اس پر والد صاحب نے سبق نہیں پڑھایا۔ قاری صاحب کو اتنا رنج ہوا کہ رات کو کھانا نہ کھایا۔ والدہ رونے لگیں والد صاحب کو معلوم ہوا تو والدہ سے کہنے لگے کہ :۔

"یہ رنج کی بات نہیں، بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ اُسے پڑھنے سے لگاؤ ہو گیا" [1]

(۱۹۷)

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے نواسے اور جانشین تھے تحصیلِ علم میں مولانا عبدالرحمٰن کو اتنا انہماک تھا کہ :۔

"زمانۂ طالب علمی میں اگر کوئی ہم عمر یا عزیز دہلی ملاقات کے لیے جاتا تو اس سے السلام علیکم یا سرسری ملاقات کے بعد صاف طور پر فرما دیتے کہ اس سے زیادہ فرصت نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ بامراد ملائے گا اس وقت ملیں گے" [2]

(۱۹۸)

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں دورۂ حدیث، ظہر کی نماز کے بعد ہوا کرتا تھا۔ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔ ایک روز

---

[1] سات ستارے ص۲۴ [2] سات ستارے ص۲۵

دھواں دھار بارش ہونے لگی۔ جو طلبہ اس وقت حاضر تھے انھوں نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ :-

"قاری عبدالرحمن کی قیام گاہ دور ہے اور بارش تھمتی نظر نہیں آتی۔ غالباً وہ نہ آسکیں گے، حضرت سبق شروع کرادیں۔"

شاہ صاحبؒ نے فرمایا :-

"ابھی ٹھہرو، وہ ضرور آئیں گے"

ابھی یہ الفاظ آپ نے کہے ہی تھے کہ قاری صاحب پائنچے چڑھائے اور کتاب ایک گھڑے میں حفاظت سے بند کئے مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔ شاہ صاحب نے انھیں دیکھتے ہی خوش ہو کر فرمایا :-

"لو! دیکھو میں نے کیا کہا تھا؟ قاری صاحب آگئے۔ آؤ اب سبق پڑھو۔" [1]

(۱۹۹)

حضرت قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے حضرت شاہ صاحب بالعموم یہ فرمادیا کرتے کہ :-

"کھانا میرے ساتھ کھانا"

لیکن جب حضرت کے ہندوستان سے ہجرت فرما جانے کے بعد جب قاری صاحب مکہ مکرمہ پہونچے تو حضرت نے اس مرتبہ بالکل خلافِ معمول قاری صاحب سے کھانے کے لئے نہ پوچھا مگر ویسے نہایت تپاک اور محبت سے

---

[1] سات ستارے ص۲۵

ملے۔ قاری صاحب کے دل میں خیال آیا کہ آج حضرت شاہ صاحب نے کھانے کے لئے نہ فرمایا، حالانکہ یہ ہندوستان سے چل کر ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں پہونچے تھے۔ تاہم خاموش رہے اور خیال کر لیا کہ کوئی خاص وجہ ہوگی۔

ہندوستان سے چلتے وقت نواب صاحب باندہ نے حضرت شاہ صاحب کی نذر کے لئے ایک ہزار روپے قاری صاحب کو دیئے تھے۔ جب قاری صاحب نے وہ رقم حضرت کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے اُسے قبول فرمانے کے بعد قاری صاحب سے ارشاد فرمایا :-

"قاری صاحب! آپ کھانا ہمارے ساتھ کھایا کیجئے"

اس بات پر قاری صاحب کو اور بھی تعجب ہوا کہ روپے دینے سے پہلے تو کھانے کے لئے نہ پوچھا مگر روپے دیتے ہی فوراً کھانے کیلئے ارشاد فرمادیا۔ اس کی وجہ بعد میں معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ :-

"جب قاری صاحب حضرت کی خدمت میں پہونچے تو اس وقت کئی دن سے حضرت کے ہاں فاقہ تھا اور کھانے کے لئے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب نے کھانے کے لئے شروع میں نہ فرمایا جب قاری صاحب نے رقم پیش کردی اور کھانے کا انتظام ہو گیا تو اس وقت معمول کے مطابق قاری صاحب کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کی عزت بخشی"۔ [1]

(۲۰۰)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک دوست کی

---

[1] سات ستارے صہ۲۵۔

دعوت پر متو (ضلع اعظم گڑھ) تشریف لے گئے۔ وہ درپردہ غیر مقلد تھے لیکن خود کو حنفی ظاہر کرتے تھے۔ حضرت نے قیام تو انہی کے مکان پر رکھا لیکن نماز حنفیہ کی مسجد میں پڑھتے ایک دن اتفاق سے بعد نماز مغرب افطار کر کے لیٹ گئے نیند آگئی اور سو گئے۔ بیدار ہوتے تو حنفیہ کی مسجد میں تراویح ہو چکی تھی۔ غیر مقلدوں کی مسجد میں نماز عشاء دیر سے ہوتی تھی۔ آپ نے میزبان سے فرمایا کہ:۔

آج ہم آپ ہی کے ساتھ تراویح پڑھیں گے"

غیر مقلد حضرات تراویح آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ حضرت علامہ عثمانی رح نے گھر پر آکر بقیہ تراویح پوری کی اور نماز وتر کا بھی اعادہ کیا۔ کیونکہ یہ حضرات وتر میں درمیان کا قعدہ نہیں کرتے۔ اُن کے مولوی نے مولانا کو وتر میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ لیا پوچھا آپ نے وتر کا اعادہ کیوں کیا؟ کیا ہمارے پیچھے آپ کے وتر صحیح نہیں ہوئے۔ حضرت علامہ نے کہا:۔

"آپ نے درمیان میں قعدہ نہیں کیا اور ہمارے (احناف کے) یہاں درمیان کا قعدہ واجب ہے اس لئے اعادہ کیا" کہنے لگے اس کے وجوب کی کیا دلیل ہے؟ حضرت علامہ عثمانی رح نے فرمایا کہ" اب تو سونے کا وقت ہے دلیل کل بتاؤں گا"۔ صبح کی نماز کے بعد قرآن شریف تلاوت کر کے علامہ عثمانی رح سو گئے۔ نو بجے کے قریب بیدار ہوئے تو دیکھا، کمرے میں ایک بڑی میز پر کتابیں ہی کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ علامہ عثمانی رح نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ میزبان نے کہا:۔

"آپ نے فرمایا تھا کہ صبح کو وتر میں قعدہ کے وجوب کی دلیل دوں گا، اس لئے یہ کتابیں جمع کر دی گئیں کہ جس کتاب کی ضرورت ہو موجود ملے"

حضرت علامہ عثمانی رح نے فرمایا:۔

"مجھے مسلم شریف دے دو۔ اس میں باب کیفیۃ الصلوٰۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے فی کلّ رکعتین التحیّۃ (ہر دو رکعت پر التحیات ہے)"

حضرت علامہ عثمانی رح نے حدیث دکھلائی اور فرمایا:-

"جب ہر ۲ دو رکعت کے بعد التحیات ضروری ہے اور التحیات قیام میں نہیں ہو سکتی. قعود ہی میں ہوتی ہے اس لئے حنفیہ کا طریقۂ وتر ہی صحیح ہے. تین رکعتیں مسلسل نہیں پڑھنا چاہئیں"

کہنے لگے:-

"نسائی کی روایت میں یہ ہے. فلاں روایت میں ہے کہ کم یجلس اِلَّا فِی اٰخِرِھِنَّ (یعنی آپ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں اور قعدہ آخر میں کیا بیچ میں نہیں کیا)

حضرت علامہ عثمانی رح نے فرمایا:-

"یہ سب احادیث فعلیہ ہیں اور جو حدیث میں نے پیش کی ہے وہ قولی ہے اور قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے اسلئے حدیث قولی مقدم ہے"

اس پر وہ (غیر مقلد) بہت زچ ہوتے۔ ؎۱

(۲۰۱)

ایک گنوار نے حضرت مولانا شاہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی قدس سرہٗ سے قرآن مجید سنانے کی درخواست کی حضرت نے اپنے سادہ انداز میں

؎۱ انوار النظر فی آثار الظفر صہ ۱۹

سنا دیا تو وہ گنوار کہنے لگا :-

جیسا میں پڑھوں ہوں، ویسا ہی تو پڑھے ہے فرق صرف یہ ہے کہ میں مردانی بولی میں پڑھوں ہوں تو جنانی (زنانی) بولی میں پڑھے ہے"

گویا اس نے حضرت کے علمِ تجوید اور باریک آواز کی یہ قدر کی۔ اس واقعہ سے حضرت کا غایت درجہ اخلاص ثابت ہوا کہ مرجع خلائق ہونے کے باوجود جہلا تک کی خواہش تک رد نہ فرماتے تھے۔

ف : حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے۔ کہ جن قراء کا علم ناقص ہوتا ہے وہ اینٹھ مروڑ کر الفاظ ادا کرتے ہیں اور جو اس فن میں کمال رکھتے ہیں وہ بالکل سادہ طور پر پڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ عوام کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ قاری ہیں" [1]

(۲۰۲)

۱۸۵۷ء میں جب جنگِ آزادی کا آغاز ہوا، حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی قدس سرہٗ باندہ میں تھے۔ ان دنوں بعض بے عقل لوگوں نے جوش و جذبے سے مغلوب ہو کر انگریزوں کے بے گناہ بچوں اور عورتوں پر دست درازی کی تو آپ ایسی حرکتوں سے نہایت ناراض ہوتے اور لوگوں کو علی الاعلان سمجھایا کہ ہمارے دین میں یہ باتیں سخت گناہ ہیں۔ انگریزوں سے جہاد کے جو طریقے دین نے تعلیم دیئے ہیں اُن پر بیشک عمل کرو مگر بے گناہ بچوں اور عورتوں کے قتل سے کیا فائدہ ہے؟

اتفاق ایسا ہوا کہ رات کی تاریکی میں پچھتر انگریز عورتیں، بچے اور کچھ

---

[1] سات ستارے صـ۲۶۔

بوڑھے پناہ لینے کے لئے حضرت قاری صاحب کے مکان پر آئے. آپ نے انہیں اپنے مدرسے میں ٹھہرا دیا اور خدام اور طلبہ کو ہدایت فرمادی کہ ان بے کس انگریزوں کی مدد اور حفاظت خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق کرو. فتنہ فرو ہونے کے بعد یہ سب پناہ گزیں حفاظت سے جانیں سلامت لے کر چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد کمشنر کی چیٹھی آپ کے پاس پہونچی جس میں لکھا تھا کہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی جائداد کے آپ مستحق سمجھے گئے ہیں۔ کیونکہ آپ نے غدر میں سرکار انگریزی کی خیر خواہی فرمائی ہے۔ تشریف لاکر درخواست پیش کریں مگر حضرت نہ خود تشریف لے گئے نہ خط کا کوئی جواب بھیجا۔ آخر وہ خود حاضر خدمت ہوا اور اصرار کیا کہ جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اُسے ضرور قبول فرمالیں. آپ نے فرمایا:-

"ہم نے ان پناہ گزین انگریز بچوں اور عورتوں کی مدد کسی دنیوی طمع اور لالچ سے نہیں کی تھی بلکہ مذہبًا اور اخلاقًا یہ ہمارا فرض تھا کہ مصیبت زدوں کو بچاتے۔ مگر مجھے انگریزی حکومت سے کسی صلے کی ضرورت نہیں اور تمھاری ذاتِ خاص سے بھی کچھ نہیں چاہتا مجھے معاف رکھو۔" [1]

(۲۰۳)

ایک زمانہ میں انگریز گورنمنٹ کی طرف سے جامع مسجد دہلی میں کسی اندرونی تحریک سے بتّی دار لال ٹینیں صلیب کے مشابہ لگائی گئی تھیں۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حرکت خلافِ ادب مسجد سمجھ کر عدم جواز کا بے دھڑک فتویٰ دیا۔ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ انگریز حکام ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں کے

---

[1] سات ستارے صہ ۲۶۔

خلاف آتش زیر پا ہو جاتے تھے۔ پھر مسلمانوں میں کئی جماعتیں ایسی تھیں جنہوں نے دنیاوی دولت اور اعزاز کے لالچ میں غیرت و حمیت تج دی تھی اور ایک دوسرے کے خلاف مخبریاں کرتے تھے۔ حضرت نے جوں ہی یہ فتویٰ دیا کہ :-

"ان صلیب نما قندیلوں کا جامع مسجد میں لٹکانا شریعتِ اسلامیہ کی رو سے ناجائز ہے"

ایک دینی جماعت کو حضرت کے خلاف سازش کا موقع مل گیا اور کمشنر دہلی کے کان بھر کر یہ رپورٹ کرادی کہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، گورنمنٹ (برطانیہ) کے خلاف مسلمانوں کے جذبات بھڑکانے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ مگر قدرت کا انصاف دیکھئے کہ خود انگریز حکام کے دل میں یہ بات آگئی کہ :-

ان صلیب نما قندیلوں کا مسجد میں لگانا ہی غلط بات ہے، چنانچہ فوراً احکام جاری ہوئے اور وہ قندیلیں وہاں سے ہٹا دی گئیں۔[۱]

(۲۰۴)

سرسیّد احمد خاں جدید تعلیم کے بے حد دلدادہ تھے اور حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمہ سے ان کو بے حد عقیدت بھی تھی۔ ایک روز حضرت قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جدید تعلیم کے فوائد بیان کرنے لگے۔ آخر میں یہاں تک کہہ دیا کہ :-

"افسوس ہیں اس جدید تعلیم کے حصول میں ناکام رہا"

یہ سنکر حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی قدس سرہٗ نے فرمایا :-

"میاں! میں تمھیں کج رو تو سمجھتا تھا، مگر اتنا نہیں، جتنا آج کی تمھاری

---

[۱] سات ستارے ص۳۷۔

گفتگو نے ثابت کیا۔ تم اپنی محرومی پر افسوس کرتے ہو اور مجھے تمہارے اس افسوس پر افسوس ہے"۔

ف: حضرت قاری صاحب دیانت داری سے جانتے تھے کہ یہ جدید تعلیم گاہیں کس قسم کے افراد پیدا کر رہی ہیں جو دین کے اخلاق و آداب سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ لیکن اس جہالت کے باوجود اپنے آپ کو دینی مسائل میں رائے زنی کا اجارہ دار سمجھ کر نت نئے فتنے پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ:-

"جب سے یہ مجھلے (انگریزی مدارس) کھل گئے ہیں، قرآن حکیم اور علوم دین کا پہلا سا شوق نہیں رہا"۔ [1]

(۲۰۵)

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی قدس سرہٗ لاہور تشریف لائے۔ نواب محمد علی خاں والئی ریاست ٹونک کو پتہ چلا تو حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور جب تک حضرت کا لاہور میں قیام رہا، نواب صاحب اکثر زیارت کو آتے۔ لیکن اپنا مدعائے دلی ظاہر کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ آخر ایک روز باتوں باتوں میں کہہ ہی بیٹھے:-

"حضرت! میں چاہتا ہوں کہ اپنی آخری زندگی کسی یادگار سلف بزرگ کی خدمت میں گزار دوں"۔

حضرت نے یہ سُنکر اس وقت تک کوئی جواب نہ دیا اور باتیں کرتے رہے جب نواب صاحب اُٹھ کر تشریف لے جانے لگے تو حضرت نے ایک جذب و

---

[1] سات ستارے ص۲۷۔

جوش کے ساتھ فرمایا:۔

"آپ کے کلام کا مطلب یہ ہوا کہ عبدالرحمٰن آپ کی نوکری کرے؟ خبردار ایسا خیال کبھی دل میں نہ لائیے گا۔ تم اگر نواب ہو، تو ہم بادشاہ ہیں۔ اگر کسی بادشاہ نے نواب کی نوکری کی ہو تو بتاؤ؟"

اس گفتگو سے نواب پر ایسا رعب طاری ہوا کہ بید کی مانند کانپنے لگے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی، پھر معذرت کے بعد تشریف لے گئے۔ ؎۱

(۲۰۶)

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر ایک حلال خور (بھنگی) نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھ دیا تھا۔ یہ شخص اسلام لانے کے بعد بھی پاک صاف اور اجلا نہیں رہتا تھا، اس لئے محلّے کے شرفاء اس کی میلی کچیلی حالت سے گھن کھا کر مسجد کے (وضو کے) لوٹے چھپا دیا کرتے تا کہ یہ شخص انھیں ہاتھ نہ لگا سکے۔ حضرت قاری صاحب نے یہ بات محسوس کر کے ایک دن سب محلّے والوں کی موجودگی میں عبداللہ کو بلایا اور فرمایا:۔

"میاں! عبداللہ ذرا مجھے پانی پلانا"۔

وہ انگلیاں ڈبوتا ہوا ایک پیالہ بھر لایا، فرمایا:۔

"یہ تو زیادہ ہے، اس میں سے کچھ تم پی لو، باقی مجھے دے دو"۔

وہ بے تامّل پی گیا اور اس سے بچا ہوا آپ نے پی لیا۔ اگرچہ آپ نے زبان

؎۱ سات ستارے ص۲۷۔

سے کسی سے کچھ نہ فرمایا۔ مگر طرزِ عمل دیکھ کر سب حاضرین اور اہلِ محلہ نے ندامت اور شرم سے گردنیں جھکالیں۔ ؎ا

(۲۰۷)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیرِ مالٹا رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تحصیلدار ملاقات کے لئے دیوبند پہونچا۔ اور غسل کے واسطے ایک مسجد میں پہونچا۔ وہاں اُسے عام وضع قطع کے ایک بزرگ نظر آئے۔ تحصیلدار نے انہیں مسجد کا خادم سمجھ کر کہا:۔

"بڑے میاں! حمام میں پانی کا انتظام کرو اور جب میں نہا چکوں تو مجھے حضرت شیخ الہند رح کے دولت خانے تک لے جانا میں تمہیں معقول معاوضہ دوں گا"۔
بزرگ نے غسل خانہ میں پانی ڈالا۔ تحصیلدار صاحب نے غسل کیا اور نئے کپڑے پہن کر روانہ ہوئے اور بزرگ سے کہا:۔

"اب میں آگے آگے چلتا ہوں۔ تم مجھے شیخ الہند رح تک پہنچا کر اپنا انعام وصول کرو"۔

بزرگ اس کو لے کر باہر نکلے اور متوقع خدشہ کے تحت دریافت فرمایا کہ:۔

"ہاں بھائی! آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں"

تحصیلدار نے قدرے غصہ سے کہا کہ آپ کو پہلے نہیں بتایا گیا کہ میں "شیخ الہند رح" کے ہاں شرف باریابی کی غرض سے آیا ہوں۔
بزرگ مذکور نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا کہ:۔

"بھائی! مجھے بھی کچھ لوگ شیخ الہند کہتے ہیں"

؎ا سات ستارے ص۲۸۔

اس نے تعجب سے پوچھا شیخ الہند مولانا محمود حسن؟
آپ (شیخ الہند) نے مسکرا کر فرمایا "جی ہاں"
تحصیلدار فوراً پاؤں پر گر کر زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا:۔
"حضرت! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔ میری تو عاقبت برباد ہو گئی"
مگر آپ اُس کو برابر تسلّی دیتے رہے کہ نہیں بھائی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر آپ کی نظر میں میرے لئے حُسنِ ظن ہے تو پھر بھی سیّد القوم خادمہم۔
یہ بزرگ خود حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح تھے۔ ؂۱

(۲۰۸)

سیّد العارفین حضرت مولانا حافظ محمد صدیق صاحب (بھرچونڈی) رحمۃ اللہ علیہ کو درد گردہ شدّت سے تنگ کرتا تھا جونہی آپ کو درد اٹھتا آپ اپنے کمرے میں ریت بچھوا لیتے اور شدّتِ درد کی وجہ سے اس پر لیٹ جاتے اور یوں گنگناتے رہتے ؎

لطف سجن دم بدم کار سجن گاہ گاہ
ایہہ بھی سجن واہ واہ اوہ بھی سجن واہ واہ ؂۲

(۲۰۹)

حضرت سیّد تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک انگریز اپنی میم (بیگم) صاحبہ کو لے کر حاضر ہوا اور بڑی عاجزی اور انکساری سے

؂۱ ہفتہ وار ترجمانِ اسلام صد ۱۵ لاہور شمارہ ۴۵-۴۶ ؂۲ ہفتہ وار ترجمانِ اسلام صد ۱۵ ۱۰ ار نومبر ۱۹۷۸ء

عرض کیا کہ :-

"حضرت! میم صاحبہ کو عرصہ سے پیٹ کا درد ہے۔ اس کی صحت کے لئے اپنے رب سے دُعا فرما دیں ہم نے علاج معالجہ بہت کرایا ہے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا!"

یہ سُنکر حضرت امروٹی نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:-

"یا اللہ! یہ ہے تو تیرے دین کا دشمن مگر (میری) اس سفید داڑھی کی لاج رکھ لے!"

حضرت کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور میم صاحبہ فوراً ٹھیک ہو گئیں۔ [1]

(۲۱۰)

پٹیالہ شہر میں جلسہ تھا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جلسہ سے خطاب کرنے وہاں پہنچے۔ جلسہ ایک بڑی عمارت کی چھت پر تھا۔ اس کی سیڑھیاں بہت بڑی تھیں۔ شاہ جی رح جلسہ گاہ میں جانے کے لئے سیڑھیاں عبور کر رہے تھے۔ دیکھا تو ایک نوجوان ہاتھ میں جھاڑو لئے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اُتر رہا ہے۔ شاہ جی رح نے دریافت فرمایا :-

"برخوردار! کون ہو؟"

نوجوان نے جواب دیا :-

"جی! ہم صفائی والے"

شاہ جی رح نے اُسے پکڑ کر گلے لگا لیا اور اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا :-

"ذرا یہاں کی بھی صفائی کرتے جاؤ!"

---

[1] ہفت روزہ ترجمانِ اسلام ص۱۵، ۱۰ نومبر ۱۹۷۸ء۔

حضرت امیر شریعت اس کے بعد جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ تقریباً آدھ گھنٹے بعد مولانا عبدالجبار ابوہری نے آتے ہی کہا:۔

"شاہ جی! اسے کیا کر آتے ہو؟"

شاہ جی رح نے حیرت سے پوچھا "بھائی کس کو؟" فرمایا۔ "صفائی والے کو" شاہ جی رح نے کہا:۔

"کچھ بھی نہیں"

مولانا عبدالجبار صاحب رح نے فرمایا:۔

"حضرت! وہ تو سڑک پر تڑپ رہا ہے اور بہت بے قرار و مضطرب نظر آتا ہے اور کہتا ہے کہ شاہ جی سے کہو کہ وہ مجھے فوراً مسلمان کریں اور خود میرے دل کی صفائی کر دیں"!

چنانچہ شاہ جی رح کے فرمان کے مطابق وہ اس جلسہ میں لایا گیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا تو شاہ جی کو دعائیں دیتے ہوئے کہنے لگا:۔

"آپ نے مجھے گلے سے کیا لگایا کہ میرا دل روشن ہو گیا اور میں دولتِ اسلام حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو گیا"[1]

(۲۱۱)

حضرت علامہ مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تقوے اور ان کی خدا ترسی کا یہ حال تھا کہ زکوٰۃ فنڈ صرف طلبہ کے لئے رکھتے تھے، اس کو کبھی کسی حالت میں مدرسین کی تنخواہ، یا مدرسہ کی تعمیرات یا کتابوں کی خرید پہ صرف نہیں کرتے تھے، دوسرے سال مدرسہ کی حالت زکوٰۃ فنڈ میں

---

[1] ہفت روزہ ترجمان اسلام ص۱۶ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۸ء۔

قابلِ اطمینان ہوگئی، ایک دفعہ زکوٰۃ فنڈ میں ۳۵ ہزار روپیہ جمع تھا، مگر غیر زکوٰۃ کی مد خالی تھی، جب تنخواہ دینے کا وقت آیا تو خزانچی صاحب حاجی یعقوب مرحوم نے عرض کیا کہ :-

مدرسین کی تنخواہ کے لئے کچھ نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو زکوٰۃ فنڈ میں سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہ ادا کردی جائے، بعد میں زکوٰۃ فنڈ میں یہ رقم لوٹا دی جائے گی"

شیخ بنوری رح نے فرمایا :-

"ہرگز نہیں! میں مدرسین کی آسائش کی خاطر دوزخ کا ایندھن بننا نہیں چاہتا، مدرسین کو صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے کہ اُن کے فنڈ میں اللہ تعالیٰ کچھ بھیج دے۔ جو مدرس صبر نہیں کرسکتا اس کو اختیار ہے کہ مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے" ؎ۛ ۱

(۲۱۲)

حضرت مولانا غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ بیوہ عورتوں اور رنڈوے مردوں کے نکاح کر دیا کرتے تھے۔ بے نکاح نہیں رہنے دیا کرتے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے بلکہ قرآنِ مجید میں حکمِ ربی ہے۔

"تمھارے میں جو بے نکاح ہیں اُن کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو نکاح کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُن کو غنی کر دے گا۔ (النور ۳۲)

ایک عورت تھی اس کا نکاح نہ ہوا۔ حضرت دین پوری رح نے فرمایا کہ :-

---

۱؎ ماہنامہ بینات۔ شیخ بنوری نمبر صہ۴۲

"بچی! تو نکاح کر لے"

اس نے کہا حضرت! مجھے خاوند ایسا ملا یئے کہ جو جھوٹ نہ بولے۔ حضرت نے ایک نیک آدمی کا نام لے کر فرمایا کہ بچی! ہم یہ تمھارے لئے تجویز کرتے ہیں یہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ نکاح ہو گیا اور ساتھ ہی یہ شرط لگائی کہ اگر جھوٹ بولا تو میری اس کی جدائی۔

اس شخص نے منظور کر لیا۔ وقت گذرتا گیا، اللہ نے بچہ دیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ بچہ رو رہا تھا، بی بی کنوئیں پر سے پانی لینے گئی۔ تو بچے کا باپ بچہ کو چپ کرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ:۔

"اللہ، اللہ، چپ کر جاؤ وہ دیکھو تمھاری ماں آئی"

وہ بی بی ابھی جا رہی تھی، وہ اسی طرح خالی گھڑا لے کر واپس آگئی اور رکھ کر کہنے لگی:۔

"اللہ کے بندے! میرا تیرا تعلق ٹوٹ گیا ہے، چونکہ تو نے وعدہ کیا تھا کہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اب جھوٹ بولا ہے تو تعلق ٹوٹ گیا۔ میں تو جا رہی تھی اور تو نے کہا ہے آ رہی ہے"

غرضیکہ حضرت کی صحبت میں بیٹھ کر لوگوں کی اس قدر تربیت ہو گئی تھی کہ جھوٹ بولنے اور سننے سے طبعی نفرت ہو گئی تھی۔ [1]

(۲۱۳)

حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی والے رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ ایک جماعت کے ہمراہ ایک عالم کے ہاں تشریف لے گئے

---

[1] ہفت روزہ خدام الدین صـ۱۶ لاہور مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۷۹ء۔

جو آپ کا مرید تھا۔ اس نے ساری جماعت کی دعوت کی تھی حضرت حافظ صاحب جس جگہ تشریف فرما تھے وہاں ایک چھوٹا سا بچہ کھیلتا پھرتا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں کنگن تھے۔ مردوں کو کنگن پہنانا شریعت میں حرام ہے، بچیاں، لڑکیاں، عورتیں زیورات پہن سکتی ہیں۔ حضرت نے پوچھا یہ کس کا بچہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ

"حضرت! یہ مولوی صاحب کا بچہ ہے جو دعوت کنندہ ہیں"

فرمایا بلاؤ مولوی صاحب کو۔ بلائے گئے، پوچھا مولوی صاحب، یہ آپ کا بچہ ہے؟ ہاں جی، آپ نے دریافت فرمایا کہ:۔

"اس بچہ کو کنگن کیوں پہنا رکھے ہیں"

مولوی صاحب نے عرض کیا:۔

"ہاں حضرت جی! حدیث میں آتا ہے کہ منع ہیں، مجھے معلوم ہے مگر اسکی نانی آئی تو اس نے اس کے ہاتھوں میں کنگن پہنا دیئے تھے"

حضرت حافظ صاحب کو اس قدر غصہ آیا کہ پہلے یہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم ہے حدیث میں ممانعت آئی ہے اور پھر نانی کا نام لیتا ہے۔ فرمایا تمام جماعت سے

"چلو چھوڑو، یہاں پر اللہ کا دین نہیں ہے، یہاں سے اٹھ چلو، یہاں نانی کا دین آگیا ہے"

تمام بکرے ذبح کیے ہوئے پڑے رہ گئے، کھانے پکے رہ گئے۔ یہ اس کو سرزنش کی تاکہ اچھی طرح عبرت حاصل ہو۔ [۱]

(۲۱۴)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج پر جارہے تھے

---

[۱] ہفت روزہ خدام الدین ص ۱۷ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۷۹ء۔

آپ نے سوچا کہ حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ کی زیارت کرتا چلوں۔ جب وہاں پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ انگریز نے دریائے سندھ سے نہریں کھدوا کر ادھر اُدھر پانی تقسیم کیا۔ نہر کھودی جا رہی تھی کہ ایک مسجد اسکی زد میں آرہی تھی۔ حضرت کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنی جماعت سے کہہ کر بیکا نیری مزدوروں کو جو کھدائی کر رہے تھے بھگا دیا۔ انگریز کو پتہ چلا اُس نے کہا یہ کون ہے جو ہمارے کارندوں کو روکے۔ پوری گارد لے آیا اُن کا میجر انگریز تھا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ جب وہاں پہونچے تو حضرت امروٹی رحؒ نے اسی مسجد میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ :۔

"جو بھی میرا مرید آئے سر پر کفن باندھ کر آئے اور جو کچھ ہاتھ میں لاٹھی، ڈنڈا لا سکتا ہے وہ سب لیتے آئیں آج انگریز کے ساتھ جہاد کرنا ہے"

انگریز کی اتنی طاقت تھی اور اُسے اپنی قوت پر اتنا گھمنڈ تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس کی حکومت اتنی بڑی تھی کہ اس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

چنانچہ حضرت امروٹی سامنے کھڑے ہو گئے اور انگریز کو للکار کر فرمایا:۔

"بے ایمان! ہم نے پہلے فائر نہیں کرنا پہلے تو فائر کر اور پھر دیکھ میں اللہ کے دربار میں دُعا کے لئے جب دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہوں تو اللہ کی رحمت گولی سے بھی تیز میرے ہاتھوں پر آتی ہے اور میرے ہاتھوں کی دس انگلیاں میری دس بندوقیں ہیں، اللہ کی رحمت اتنی تیزی سے آئے گی کہ پورے صوبہ سندھ میں سے تمہارا تخم اُڑا کے نہ رکھ دوں تو مجھے سیّد نہ کہنا"

یہ سُنکر انگریز تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی میم ساتھ تھی اس نے کہا کہ فقیر کو نہ چھیڑنا ورنہ خطا کھاؤ گے اسی وقت واپس چلے گئے۔ پھر کچھ مسلمان

ملازمین کے ذریعہ کہلوایا کہ ہم آپ کی مسجد کو صحیح سلامت رکھیں گے اس کو نہیں گرائیں گے. پھر اُن مسلمان ملازمین سے حضرت امروٹی رح نے فرمایا کہ تم مسلمان چونکہ عہد کرتے ہو لہٰذا میں اجازت دیتا ہوں۔

آج بھی وہ مسجد نہر کے درمیان موجود ہے اور اس کے چاروں طرف پانی بہہ رہا ہے۔

ف : اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح فرمایا کرتے تھے کہ:-

"او پنجاب والو! کوئی اس قسم کا پیر بناؤ! ارے یہاں پنجاب کے پیر تو ایسے ایسے گذرے ہیں کہ جب ترکستان، بغداد اور مکہ مکرمہ پر فوجی گولی چلاتے تھے اور انگریز مسلمانوں کو بھرتی کر کے لے جاتا تھا اور وہ وہاں جا کر ترکوں کی عورتوں کو بیوہ بناتے تھے تو یہاں کے پیر تعویز لکھ لکھ کر دیتے تھے اور ان کے مولوی فتویٰ دیتے تھے کہ جاؤ تمھیں اللہ کامیاب کرے جاؤ فوجی بھرتی دو"
یہ ہیں پنجاب کے جعلی پیروں کے کرتوت۔ اس کے بعد حضرت مولانا احمد علی رح فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امروٹی رح جیسا کوئی بہادر دکھاؤ تو سہی۔ [1]

(۲۱۵)

۲۹ رشعبان کو اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ رشعبان کا دن فقہاء کی اصطلاح میں "یوم الشک" کہلاتا ہے۔ فقہاء حنفیہ رح کا مسلک یہ ہے کہ "یوم الشک" میں روزہ رکھنا عوام کے لئے مکروہ ہے البتہ وہ خواص اہلِ علم جو محض نفل کی نیت سے روزہ رکھیں اور اُن کے دل میں احتیاط رمضان کا شبہ نہ ہو اُن کے لئے "یوم الشک" کا روزہ رکھنے کی بھی اجازت ہے۔ حضرت مولانا مفتی

---

[1] ہفت روزہ خدام الدین ص۱۷ لاہور (۳۰ رنومبر ۱۹۷۹ء)

محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ "یوم الشک" تھا اور اس میں حضرت شیخ الہند رح باہر مجلس میں تشریف لاتے تو آپ نے پان کھایا ہوا تھا حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ :-

"حضرت! آج یوم الشک ہے اور اس میں خواص کو تو روزہ رکھنے میں کچھ حرج نہیں!"

حضرت شیخ الہند رح نے جواب میں اوّل تو فرمایا کہ :-

"ہاں! یہ حکم خواص کے لئے ہے . لیکن ہم خواص کے شمار میں کہاں ہیں؟"

اور پھر تھوڑی دیر میں خود ہی ارشاد فرمایا کہ :-

"حدیث کے الفاظ فقد عصیٰ أبا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈر لگتا ہے!"

اشارہ اس طرف تھا کہ حدیث میں حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ :-

"من صام یوم الشك فقد عصی أبا القاسم صلّی اللہ علیہ وسلّم"

یعنی جس شخص نے یوم الشک میں روزہ رکھا اس نے ابو القاسم (آنحضرت) صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کی .

مقصد یہ تھا کہ اگرچہ علمائے حنفیہ رح نے اس حدیث کو عوام کے حق میں قرار دیا ہے اور خاص کو اس سے مستثنیٰ رکھا ہے لیکن حدیث کے ظاہری الفاظ عام ہیں اور ان کی مخالفت سے ڈر لگتا ہے . [۱]

---

[۱] ماہنامہ البلاغ اشاعت خصوصی بیاد فقیہ ملّت ص ۲۴۴

(۲۱۶)

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ :۔

"حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس گلی سے حضرت عمرؓ گذرتے ہیں شیطان وہاں سے نہیں گذرتا لیکن یہ بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی نہیں ہے کہ شیطان اُن کے راستے سے نہیں گذرتا، تو سوال یہ ہے کہ شیطان حضرت عمرؓ ہی سے کیوں ڈرتا تھا؟ جب کہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُن سے افضل تھے اُن سے تو بطریق اولیٰ ڈرنا چاہیئے تھا؟"

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے کوئی علمی سوال کرتا تو پہلی بار تو اسے ظریفانہ انداز سے الزامی قسم کا جواب دیتے تھے. اس کے بعد تحقیقی جواب دیا کرتے تھے چنانچہ اس سوال کے جواب میں آپ نے پہلے تو یہ فرمایا کہ :۔

"یہ شیطان کی حماقت ہے اسی سے پوچھو کہ وہ حضرت عمرؓ سے اتنا کیوں ڈرتا تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اتنا کیوں نہ ڈرتا تھا"

پھر تحقیقی جواب دیا کہ :۔

درحقیقت کسی شخص کا افضل ہونا اور چیز ہے اور دلوں پر اس کا رعب ہونا دوسری بات ہے ۔ ضروری نہیں کہ جو شخص سب سے زیادہ افضل ہو اس کا رعب بھی دوسرے ہر فرد سے زیادہ ہو ۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر شانِ جلال غالب تھی اس لئے دلوں پر اُن کا رُعب بیٹھا ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدّیق اکبرؓ پر شانِ جمال غالب تھی ۔ اس لئے اگر کسی شخص کو حضرت عمرؓ سے زیادہ ڈر لگے تو کوئی تعجّب کی بات نہیں ۔ [۱]

(۲۱۷)

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند قدس سرّہ نے صحیح بخاری کے درس میں قرأت فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر نہایت شرح وبسط سے تقریر فرمائی ۔ اور امام ابو حنیفہ رح کے مسلک کے دلائل اس قوّت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے کہ تمام سامعین نہال ہوگئے ۔ درس کے بعد ایک طالب علم نے حضرت سے کہا کہ :۔

"حضرت ! آج تو آپ نے اس مسئلے پر ایسی مدلل تقریر فرمائی ہے کہ اگر امام شافعی تشریف فرما ہوتے تو شاید اپنے مسلک سے رجوع فرما لیتے "

حضرت شیخ الہند رح کو یہ جملہ سُنکر غصّہ آگیا ، آپ نے فرمایا کہ :۔

---

[۱] اشاعت خصوصی ماہنامہ البلاغ صـ ۲۴۵

"امام شافعیؒ کو تم کیا سمجھتے ہو؟ اگر امام صاحبؒ زندہ ہوتے تو شاید میرے لئے اُن کی تقلید کے سوا چارہ نہ ہوتا" [۱]

(۲۱۸)

حضرت مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کو انگریزوں کے مظالم اور سیہ کاریوں کی بنا پر جس قدر نفرت اُن سے تھی شاید کسی اور سے نہ ہو۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے حضرتؒ سے کہا کہ :-

"حضرت! آپ ہمیشہ انگریزوں کی برائیاں ہی بیان فرماتے ہیں آخر اُن میں کوئی بات اچھی بھی تو ہو گی"

حضرت نے برجستہ ظریفانہ جواب دیا :-

ہاں! اُن کے کباب بڑے لذیز ہوں گے" [۲]

(۲۱۹)

حضرت شیخ الہندؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو جذبۂ جہاد عطا فرمایا تھا۔ اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے یہ واقعہ آبدیدہ ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں سنایا کہ :-

ایک مرتبہ مرض وفات میں حضرت شیخ الہندؒ کے خدام میں سے کسی نے آپ کو مغموم دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ زندگی سے مایوسی کی بنا پر پریشان ہیں، چنانچہ انہوں نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنے شروع کئے۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا :-

"ارے مرنے کا کیا غم ہے؟ غم تو اس بات کا ہے کہ بستر پر مر رہا

---

[۱] ماہنامہ البلاغ اشاعت خصوصی ص۲۵۱۔ [۲] ایضاً ص۲۵۱

ہوں ورنہ تمنا تو یہ تھی کہ کسی میدانِ جہاد میں مارا جاتا، سر کہیں ہوتا اور ہاتھ پاؤں کہیں ہوتے"۔ [۱]

(۲۲۰)

۱۹۵۴ء میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ لاہور تشریف لے گئے۔ اسی دوران جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد حسن رح نے بخاری شریف کا امتحان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح کے سپرد کیا۔ اس زمانہ کے طالب علم اور آج کے مدرس جامعہ اشرفیہ مولانا محمد یعقوب صاحب رح مدظلہ، سے دورانِ امتحان مفتی صاحب رح نے کوئی بات دریافت فرمائی۔ انہوں نے اپنی طبعی نیکی اور روایتی سادگی کے ساتھ بے تکلف کہا کہ :-

"حضرت مجھے یہ بات معلوم نہیں"

تو آپ رح بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں تمھاری اس بات پر ایک نمبر تمھیں زیادہ دیتا ہوں چونکہ تم نے ایسی بات کہی جو اہل علم کے کہنے کی ہے مگر عام طور پر وہ نہیں کہتے اور باوجود کسی بات کے نہ جاننے کے اس کے بارے میں اپنا عالم ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ اپنے جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے اور پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ علموا اصحابکم قول لا ادری،، اپنے ساتھیوں کو لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا بھی سکھاؤ۔ [۲]

(۲۲۱)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم دیوبند)

---

[۱] ایضاً صد ۲۵۱ [۲] ایضاً صد ۱۰۵

سات برس کی عمر تھی۔ حضرت نے خواب دیکھا کہ:

"میں بیت اللہ شریف کی چھت پر کھڑا ہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں کی دسوں انگلیوں سے اطراف عالم میں نہریں جاری ہیں اور پانی بہہ رہا ہے"۔

حضرت نانوتویؒ کے ماموں مولوی عبدالسمیع مرحوم جو فارسی کے بڑے اچھے عالم اور متقی تھے۔ حضرتؒ نے اُن کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا اسکی تعبیر یہ ہے کہ تم سے علومِ نبوت اطرافِ عالم میں پھیلیں گے۔

اب اُس وقت کوئی کیا سمجھ سکتا تھا کہ نانوتہ ایک معمولی سی بستی، جہاں نہ کوئی عالم نہ فاضل، اس میں ایک سات برس کا بچہ خواب دیکھ رہا ہے اور اتنا بڑا خواب کہ دنیا جہان میں میرے سے علم پھیل رہا ہے۔ حضرت نے جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تب لوگوں نے یاد دلایا کہ یہ اس خواب کی تعبیر ہے جو آپنے سات برس کی عمر میں دیکھا تھا۔

ف: دارالعلوم دیوبند فی الحقیقت علم کا ایک سمندر ہے جسکی نہریں اطرافِ عالم میں جاری ہیں اور پھیل رہی ہیں اور لوگ اپنی اپنی بساط کے مطابق فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ [1]

(۲۲۲)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم دیوبند) جب حج کو تشریف لے گئے تو بیرِ علیؓ کے پاس سواری پر آپ گذر رہے تھے کہ سواری پر سے اُچھل پڑے اپنا جوتا اُتار لیا اور فرمانے لگے:۔

"جس زمین اور جن گلی کوچوں میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک لگے ہوں وہاں جوتے سمیت کیسے چلا چلوں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے وہ مکانات باعظمت بن گئے وہاں کے اشخاص باعظمت ہو گئے عربوں سے بغض وعناد رکھنا نفاق کی علامت ہے اور اُن سے اُلفت ومحبت کی پینگیں بڑھانا ایمان کی علامت ہے"۔ [2]

(۲۲۳)

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب غالب پوری جب دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تو چونکہ شرح جامی کے معیار کی تعلیم نہیں ہوئی تھی اسلئے مدرسہ میں داخلہ نہ ہوسکا، اتفاقاً گھر واپس ہونے کے لئے کرایہ بھی نہیں تھا۔ اسلئے بڑی اُلجھن میں پھنس گئے۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" اس وقت جب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری کو دیگر طلبہ کی زبانی سے مولانا بشیر احمد صاحب کی پریشان حالی کی اطلاع ہوئی تو انھیں اپنے حجرہ

---

[1] خطبات حکیم الاسلام ص ۱۴۳ جلد ۲۔ [2] تذکرہ مشائخ دیوبند ص ۱۵۴

میں بلایا اور تسکین اور حوصلہ افزائی کے بعد فرمایا کہ :۔

" کھانے کی طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں، میرا دوپہر کا پورا کھانا اور شام کا آدھا آپ کو مل جایا کرے گا، آپ ایک سال کے اندر اپنی علمی کمزوری کو دور کریں "

چنانچہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری رح نے حسب وعدہ مکمل ایک سال تک نصف کھانے پر اکتفا کر کے دوسرے کی مدد کی۔ مولانا فتح پوری اکثر روزے سے رہتے تھے، شام کے کھانے سے آدھا افطار وغیرہ کے لئے رکھ لیتے تھے اور بقیہ مولانا بشیر احمد صاحب رح کے حوالے کر دیتے تھے۔

یہ قابلِ رشک اور بے نظیر مجاہدہ اور ایثار ہے جو مولانا فتح پوری نے زمانہ طالب علمی میں پیش کیا۔ ؎۱

(۲۲۴)

مولوی عبد الحق کاندھلوی ابن مولوی محمد ابو القاسم بن مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رح کے صاحبزادے نمبردار نصیر الحق جو بڑے آزاد طبیعت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں گھر کے دروازے میں بیٹھے ہوئے شطرنج کھیل رہے تھے کہ رات کا اخیر حصہ ہو گیا اس وقت حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی گلی سے تہجد کے لئے تشریف لے جا رہے تھے انھوں نے یہ سمجھ کر کہ پڑوس کا جلاہا ہے حکم دیا کہ حُقّہ بھر لاؤ۔ حضرت مولانا نے اپنے چہرہ کو چادر میں لپیٹا کہ کوئی پہچان نہ سکے اور فوراً حُقّہ بھر کر

؎۱ تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۲۵۔

سامنے رکھ دیا اور چلے گئے جانے کے بعد کسی نے کہا یہ تو مولانا مظفر حسین صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ نمبردار نصیر الحق یہ سُنکر گھبرا گئے اور کہا۔ اب میں کاندھلہ رہنے کے قابل نہیں رہا اور گھر چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ پہلے ایک خاندانی پیر اور مصنوعی درویش سے سابقہ پڑا جب وہاں کچھ نہ پایا تو حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے آستانہ مبارک پر جا پڑے۔ اور وہ مجاہدہ و ریاضت کیا کہ ساری عمر کی تلافی کر دی۔ بالآخر حضرت اقدس گنگوہی رح کے خلیفہ اور مجازِ طریقت ہوئے۔[۱]

(۲۲۵)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ شاہجہان پور سے ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک جنٹل مین گاڑی میں بیٹھے تھے ایک اسٹیشن پر ان کے خادم نے آکر اطلاع دی کہ حضور! وہ تو سنبھلتا نہیں۔ کہنے لگے کہ یہاں پہونچا دو۔ یہ سُن کر حضرت حکیم الامت کو تعجب ہوا کہ وہ کونسی چیز اُن کے ساتھ ہو گی جو خادم سے نہیں سنبھل سکی اور اب یہ گاڑی میں منگا کر اس کو سنبھال لیں گے آخر چند منٹ بعد دیکھا کہ خادم صاحب ایک بہت بڑے اُونچے کتے کو زنجیر میں باندھے ہوئے لا رہے ہیں اور وہ کتا زور کر رہا ہے۔ آخر وہ اُن کے سپرد کیا گیا۔ انھوں نے ریل کی آہنی سلاخوں سے اس زنجیر کو باندھ دیا۔ اس کے بعد حضرت تھانوی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ:۔

"جناب! کتے کا پالنا کیوں حرام ہوا؟ باوجودیکہ اس میں فلاں وصف ہے اور فلاں وصف ہے"

---

[۱] حالات مشائخ کاندھلہ جلد اوّل ص۲۰۳۔

کتے ہیں انہوں نے اتنے وصف بیان کئے کہ شاید آن میں بھی نہ ہوں. حضرت تھانوی رح سنتے رہے جب وہ کہہ چکے تو حضرت حکیم الامت رح نے فرمایا کہ جناب میں نے سُن لیا اس کے دو جواب ہیں ایک عام کہ وہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شبہات کا جواب ہے اور ایک خاص اسی کے متعلق ہے. کون سا عرض کروں؟ فرمانے لگے دونوں کہہ دیجئے. حضرت تھانوی رح نے فرمایا جواب عام تو یہ ہے کہ :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پالنے کی ممانعت فرمائی ہے. اور یہ جواب عام اس لئے ہے کہ قیامت تک کے لئے شبہات کا جواب ہے. البتہ اس میں دو مقدمے ہیں ایک یہ کہ آپؐ رسول تھے دوسرے یہ کہ رسولؐ کا حکم ہے. اگر اُن میں کلام ہو تو ثابت کروں "

کہنے لگے یہ تو ایمان ہے. یہ تو عام جواب تھا اور یہ علمی اور حقیقی جواب تھا لیکن اُن کو اس کی قدر نہ ہوئی اور کچھ حظ نہ آیا کہنے لگے کہ جناب اور جواب خاص کیا ہے؟ حضرت حکیم الامت رح نے فرمایا کہ :-

وہ یہ ہے کہ کتے میں جسقدر اوصاف آپ نے بیان کئے واقعی وہ سب ہیں لیکن باوجود اُن اوصاف کے اس میں ایک عیب اتنا بڑا ہے کہ اُس نے تمام اوصاف کو خاک میں ملا دیا۔ وہ یہ کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں ہوتی. آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک کتا دوسرے کتے کو دیکھ کر کس قدر از خود رفتہ ہو جاتا ہے "

اس جواب کو سُن کر بہت ہی محظوظ ہوئے اور وہ اُس کو جواب قطعی سمجھے۔ [۱]

---

[۱] وعظ فوائد الصحبۃ۔ صد ۱۸۰۱۷

(۲۲۶)

حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہ راوی ہیں کہ مورخہ ۵ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ کو جب مدینہ منورہ میں حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں ایک دفعہ میں لیٹے ہوئے کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہ میرے (مولانا بدر عالم صاحب کے) کمرہ کے سامنے سے گذرے مجھے دیکھ کر نہایت غصہ کا اظہار کیا اور ناراض ہوئے بس صرف اتنا فرمایا کہ:-

"میں نے عمر بھر بغیر تپائی کے کتاب نہیں رکھی"

آخری ایام مرض میں حضرت شاہ صاحب سامنے رومال بچھا کر کتاب رکھتے تھے۔ [1]

(۲۲۷)

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے علامہ حضرت محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس (دارالعلوم دیوبند) کو میں نے تنخواہ لیتے وقت روتے دیکھا ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:-

"ہم میں اخلاص ہوتا تو (دارالعلوم دیوبند میں) بلا تنخواہ پڑھاتے"

مدرسہ (دارالعلوم) دیوبند (کی طرف سے) حضرت شاہ صاحبؒ کو دو سو روپے

---

[1] نصائح عزیزیہ صد ۹۰۔

ماہوار تنخواہ دینے پر اصرار تھا اور ادھر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔
"میں ڈیڑھ سو ہی لوں گا" (زیادہ تنخواہ نہیں لیتا)
بالآخر فیصلہ پونے دو سو پر ہوا۔ ؎۱

(۲۲۸)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دورانِ تعلیم رات کو تکرار کرنے دار العلوم تشریف لے جاتے اور جب گھر واپسی ہوتی تو کبھی رات کا ایک بج جاتا کبھی دو، حضرتؒ نے دار العلوم کراچی کے طلبہ کو ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کر کے دیں۔ اُن کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھی بڑی منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں، سردیوں کی راتوں میں شوربہ اُوپر سے بالکل جم جاتا اور نیچے صرف پانی رہ جاتا میں وہی کھا کر سو جایا کرتا۔"

ف: اس واقعہ سے حضرت مفتی صاحب کا انہماک تعلیم اور شغف علم واضح ہوتا ہے کہ تعلیم کی خاطر کس قدر تکالیف و صعوبتیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ جب کہیں انسان زیور علم سے آراستہ ہوتا ہے۔ ؎۲

(۲۲۹)

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بچپن کا واقعہ بیان فرمایا کہ:۔

؎۱ نصائح عزیزیہ ص۹۱ ؎۲ البلاغ مفتی اعظم نمبر ص۱۰۰

"ایک مرتبہ میں اور میرے رشتہ کے بھائی عاقل صاحب سرکنڈوں سے کھیل رہے تھے۔ بھائی عاقل مجھ سے بڑے تھے۔ انہوں نے میرے سارے سرکنڈے جیت لئے۔ مجھے اتنا شدید غم ہوا کہ آج تک یاد ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں، بالکل لوٹا گیا ہوں۔ پھر فرمایا کہ آج وہ واقعہ یاد کرکے ہنسی آتی ہے کہ سرکنڈے جیسی حقیر چیز کی کتنی وقعت و محبّت دل میں تھی کہ سرکنڈے جیت لئے تو مالا مال، ہار گئے تو گویا لُٹ گئے۔ پھر نصیحت کے طور پر فرمایا کہ :-

"آخرت میں بھی ہمارا یہی حال ہوگا کہ جنت کی نعمتوں کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتیں ہیچ نظر آئیں گی اور ہم اپنی اس نادانی پر ہنسا کریں گے کہ بھلا دنیا کی حکومت و اقتدار، مال و دولت، جائداد اور ساز و سامان بھی اس قابل چیزیں تھیں کہ ہم اُن کو دل میں ذرا بھی جگہ دیتے، ہم کیسے نادان تھے کہ اُن کے لئے لڑتے جھگڑتے تھے"۔ [۱]

(۲۳۰)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کا واقعہ ہے کہ سردیوں کی ایک رات میں حضرت مفتی صاحبؒ بذریعہ ریل گاڑی تھانہ بھون کے اسٹیشن پر اُترے، قصبہ اسٹیشن سے کافی دور تھا۔ درمیان میں کھیت اور غیر آباد زمینیں تھیں۔ بجلی بھی نہیں تھی۔ رات کے وقت قلی یا سواری ملنا ناممکن تھا۔ چند مسافر ہوتے جو اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے گاڑی حسبِ معمول رُکی اور روانہ ہوگئی۔ اسٹیشن پر ہُو کا عالم تھا۔ جنگل اور

---

[۱] البلاغ فقیہ اعظم نمبر ص ۹۶۔

اندھیری رات۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمد و رفت عموماً پیدل ہوتی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ تنہا تھے سامان بھی ساتھ نہ تھا۔ اچانک آواز آئی: "قلی" "قلی" یہ آواز بار بار آرہی تھی۔ اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہو گئی تھی، کوئی صاحب مع اہل و عیال اسی گاڑی سے اترے، قلی ہو تو ملے وہاں ایسا قلی نہ تھا جو آبادی تک سامان پہونچا دے۔ یہ مفتی صاحبؒ کے ایک واقفکار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے، مفتی صاحبؒ سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر اوپر سے چادر ڈالی اور مزدورانہ ہیئت میں تیزی سے پہنچ کر کہا:-

"سامان رکھواؤ کہاں جانا ہے؟"

انھوں نے مختصر بستر بنا کر سر پر سامان لادنا شروع کر دیا۔ پہلا بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ مفتی صاحبؒ نے کبھی نہ اٹھایا تھا، اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد اور مفتی صاحبؒ کی بغل میں تھمانا چاہتے تھے۔ مفتی صاحبؒ نے دونوں ہاتھوں سے بمشکل ان بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ:-

"حضور میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ (تیسرا عدد) آپ سنبھال لیں۔"

یہ مختصر قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی اس کمزوری کو ٹارچ (بیٹری) نے چھپا لیا تھا جو انھیں راستہ دکھا رہی تھی اور مفتی صاحب کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتی تھی۔ ان کی قیام گاہ پر سامان اتارا، وہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ

"ابھی آکر پیسے دیتے ہیں" حضرت مفتی صاحبؒ وہاں سے غائب ہو گئے۔
اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسبِ سابق بڑی تعظیم سے ملے۔ مگر انہیں کیا معلوم وہ ایک "قلی" سے مل رہے ہیں۔ [1]

(۲۳۱)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی تعلیم حاصل فرماتے تھے۔ ایک زمانہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح نے گنگوہ میں درسِ حدیث دینا شروع کیا۔ تو بہت سے طلبہ وہاں سے چلے گئے اور انہوں نے آپ کو بھی ترغیب دی کہ:۔

"حضرت (مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) کے یہاں ناغے بہت ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی وہیں چلیں"

حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے فرمایا:۔

"گو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں درسِ حدیث بہتر ہوگا۔ لیکن مجھے تو اپنے استاد کو چھوڑنا بے وفائی معلوم ہوتی ہے۔ جب تک حضرت خود نہ فرمائیں کہ بس میرا ذخیرۂ علمی ختم ہوگیا ہے۔ اب مجھ سے تمہاری تعلیم نہیں ہو سکتی۔ گو یہاں ناغے بہت ہوتے ہیں۔ مگر جب وہ پڑھاتے ہیں تو سیراب فرما دیتے ہیں" [2]

(۲۳۲)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو ایک کانفرنس کے سلسلہ

---

[1] البلاغ۔ مفتیِ اعظم نمبر ص ۱۳۰ [2] تبویب تربیت السالک ص ۳ ج ۱ مکتبہ تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون۔

میں ڈھاکہ مدعو کیا گیا۔ آپ نے شرح صدر نہ ہونے کی بنا پر عذر فرما دیا۔ لیکن نواب سلیم اللہ صاحب ڈھاکہ اور علمائے دیوبند کے اصرار پر آپ نے کچھ شرطوں کے ساتھ جانا منظور فرما لیا۔ ایک مرتبہ اس سے پہلے بھی نواب سلیم اللہ صاحب کی دعوت پر آپ تشریف لے جا چکے تھے۔

اصرار پر آپ نے سفر کا ارادہ تو کر لیا۔ لیکن فراست سے آپ محسوس فرما رہے تھے کہ سفر کا پورا ہونا مشکل ہے اس لئے آپ نے وہ سفر اپنے ذاتی خرچ سے کیا۔ کلکتہ پہونچے تو نواب صاحب نے اپنے ایک عزیز کے ذریعہ وہاں طعام وقیام کا شایان شان انتظام کرایا۔ اور ان عزیز نے حضرت والا سے ملاقات بھی کی۔ باتوں باتوں میں نواب سلیم اللہ صاحب کے یہ عزیز جو خود بھی بہت بڑے رئیس تھے۔ حضرت سے کہنے لگے کہ آپ کے انکار کے بعد آپ کی تشریف آوری سے نواب صاحب کو بہت بڑی مسرت ہوئی ہے۔ فرماتے تھے کہ آپ کی شرطیں بڑی سخت ہیں جن کو قبول نہیں کر سکتے۔ جیسے ایک تو یہی کہ کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔

حضرت نے فرمایا:۔

"کہ نہ دینے کی شرط کیا مشکل ہے، دینا تو دشوار ہو سکتا ہے"

رئیس نے عرض کیا۔ "صاحب، جس سے محبت ہوتی ہے اس کو تو ہدیے دینے کے لئے جی چاہتا ہی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے محبوب کی خدمت نہ کی جائے"

حضرت نے جواب دیا:۔

"یہ ضروری ہے کہ محبوب کو اپنے گھر ہی بلا کر ہدیہ دیا جائے اگر ایسا ہی شوق ہے تو اس کے گھر جا کر یا بھیج کر بھی تو ہدیہ دیا جا سکتا ہے"

رئیس ہونا اور بات ہے اور سلیقہ سے گفتگو کرنا اور بات ہے۔ اس منتظم کو بات کرنا نہ آئی اور نخوت سے کہا:۔

"معاف فرمایئے۔ پیاسہ کنویں کے پاس آتا ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا"۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رہ کو یہ کلمات سُن کر بہت رنج ہوا۔ مگر اپنی ناگواری کو ظاہر نہیں کیا اور نہایت تہذیب سے اس رئیس کو مخاطب کیا۔

"آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ حضرات کنواں ہیں اور ہم پیاسے۔ اور ہمارے دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے کہ ہم لوگ کنواں ہیں اور آپ پیاسے۔ اور اسکی ہمارے پاس دلیل بھی ہے۔ اس لئے کہ ضرورت کی ۲ دو چیزیں ہیں۔ دین اور دنیا۔ ان میں سے ہماری حاجت کی ایک چیز ہمارے پاس ہے (یعنی دین)، فرق اتنا ہے کہ ہماری حاجت کی جو چیز آپ کے پاس ہے (یعنی دنیا) اللہ تعالیٰ نے بقدر ضرورت ہمیں بھی دے رکھی ہے لیکن آپ کی حاجت کی جو چیز ہمارے پاس ہے (یعنی دین) وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں۔ آپ ہمارے محتاج ہوتے یا ہم آپکے۔ آپ پیاسے اور ہم کنواں ہوتے، یا ہم پیاسے اور آپ کنواں ہوتے؟"

وہ رئیس شرمندہ ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔ اور حضرت والا نے وہیں سے قطع سفر کا ارادہ کر لیا اور واپس تشریف لے آئے۔ [1]

(۲۳۳)

شفاء الملک حکیم حاجی عبد الحسیب دریا آبادی کی ایک لڑکی کی شادی لکھنؤ میں ہوئی۔ دعوت بڑے پیمانہ پر نانپارہ ہاؤس میں کی تھی۔ ایک صاحب

---

[1] تبویب تربیت السالک جلد اوّل صفحہ ۲ ادارۂ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون۔

شریف صورت مگر بہت پھٹے حالوں بن بلائے آکر شریک ہو گئے اسی دستر خوان پر جو "میاں لوگ" بیٹھے ہوئے تھے اُنہیں سخت ناگواری پیدا ہو گئی اور انہوں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ جو صاحب منتظم دعوت تھے انہوں نے یہ رنگ دیکھ کر سختی سے ان صاحب سے اُٹھ جانے کو کہا۔ یہ زیادتی دوسرے سرے کی تھی اور مولانا عبدالماجد دریابادی سے دیکھی نہ گئی اور دوڑ کر حکیم صاحب کو بلا لائے۔ وہ آتے ہی اُن بن بلائے مہمان کی طرف مخاطب ہو کر بولے:۔

"آخاہ! یہ آپ یہاں کہاں بیٹھ گئے آپ کا شمار تو مہمانوں میں نہیں گھر والوں میں ہے۔ چنانچہ آپ آیئے میرے ساتھ کھانا کھایئے گا۔ میں نے بھی نہیں کھایا ہے"

چنانچہ انہیں اپنے ساتھ ہی بٹھا کر کھلایا۔ [1]

(۲۳۴)

حضرت مولانا حاجی محمد شفیع بجنوری رح، حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رح کے مرید اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے شاگرد رشید تھے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تعطیل تھی باہر سے ایک رفیق درس کا خط حاجی محمد شفیع صاحب کے نام آیا پتہ پر انتہائی تعظیمی القاب "قطب وقت" وغیرہ درج تھے۔ مدرسہ کی ڈاک صدر مدرس کی حیثیت سے مولانا تھانوی رح کے پاس آتی تھی حضرت تھانوی رح نے حضرت حاجی صاحب کو بلا کر طنز سے ارشاد فرمایا کہ:۔

"لیجئے! اب تو آپ "قطب وقت" ہو گئے"

---

[1] وفیات ماجدی ص ۳۷۔

اور وہ خط ہاتھ میں دیا. حاجی صاحب جھنجھلا کر بولے :-

"ایسے لوگوں کا دماغ بھی نہیں خراب ہو جاتا. خواہ مخواہ مجھ کو رُسوا کرتے ہیں"

دو ہی چار روز گذرے تھے کہ اس طالب علم کے بھائی کا خط آیا کہ :-

"فلاں تاریخ، فلاں وقت وہ طالب علم دفعۃً "مجنون ہوگیا" خدا کے لئے دُعائے صحت فرمائیں"

اب حاجی صاحب بڑے ہی قلق و اضطراب میں مبتلا ہو گئے اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر آنسوؤں کے ساتھ بڑے الحاح و اضطرار کے عالم میں بولے کہ:-

"حضرت! آخر کیا کروں، وہ فقرے میں نے کچھ دُشمنی میں اور جان کر تھوڑے ہی کہے تھے بس جھنجھلاہٹ میں زبان سے نکل گئے تھے- میں تو اس نعمت سے عاجز آ گیا ہوں"

دشواریاں عوام ہی کو نہیں، خواص و اکابر کو بھی پیش آتی رہتی ہیں اور ایسے ورطہ سے نکالنا کام حضرت حکیم الامت ہی جیسے دقیقہ سنج مصلحین و حکما کا ہو سکتا ہے کسی محض بزرگ کا نہیں. حضرت نے فرمایا :-

"اس کا علاج بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے. اسی حربہ سے کام لیجئے جو آپ کے پاس موجود ہے دُعا کیجئے کہ اللہ اس نعمت عظیم کے بار کا تحمل اب مجھ ناتواں سے نہیں ہوتا. اسے بدل کر کسی دوسری نعمت سے سرفراز فرمایا جائے. دُعا آپ اپنی زبان سے کیجئے جس کی مقبولیت کے یہ سب کرشمے ہیں. آمین میں بھی کہتا جاؤں گا"

حاجی صاحب اس تشخیص اور معالجہ کو سُن کر باغ باغ ہو گئے، عمل اسی وقت کیا اور یہ دُعا بھی فی الفور قبول ہو گئی یعنی اسی وقت سے وہ خاص

کیفیت سلب ہوگئی۔ مریض بھی ٹھیک ہوگیا۔ ۵؎

(۲۳۵)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اپنے ایک اہل علم دوست کی فرمائش پر تشریف لے گئے۔ سات ہی روز گذرے تھے کہ ایک نواب فلاں نواز جنگ کا پرچہ آیا۔ جو نواب صاحب حیدرآباد (دکن) مرحوم کی ناک کا بال اور ارکانِ سلطنت میں سے تھے لکھا تھا کہ:۔

"عرصہ سے مجھ کو زیارت کا اشتیاق تھا۔ مگر بدقسمتی سے "تھانہ بھون" کی حاضری نصیب نہیں ہوئی۔ برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ فلاں فلاں وقت اپنے فرائض منصبی سے فرصت ملتی ہے"۔

آپؒ نے جواب لکھا کہ:۔

"بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کے دل میں دین اور اہل دین کی محبت و عظمت ہے۔ مگر نیچے کی سطر پڑھ کر افسوس کی بھی کوئی حد نہ رہی کہ اس میں فہم سے کام نہ لیا گیا۔ جس کے ملنے کو زیارت سے تعبیر کیا گیا۔ اس کو تو اپنے اوقاتِ فرصت بتلا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے۔ یہ کونسی فہم و تہذیب کی بات ہے"؟

اس پر نواب صاحب نے اپنی کج فہمی کی معافی چاہی اور لکھا کہ:۔

حضرت والا ہی اپنی ملاقات تحریر فرمائیں۔

اس پر حضرتؒ نے ان کو ایک اور سبق دیا کہ:۔

"اب بھی پورے فہم سے کام نہیں لیا گیا۔ مردہ بدست زندہ کی طرح مہمان میزبان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لئے سفر میں اوقات کا ضبط غیر اختیاری

۵؎ وفیاتِ ماجدی یا نثری مرثیے صـ۹۳ مولانا عبدالماجد دریابادی اکاڈمی۔

ہوتا ہے۔ آپ ساتھ رہیں۔ جس وقت مجھ کو فارغ دیکھیں ملاقات کر لیں۔"
اس پر انہوں نے لکھا:۔

"بدفہمی پر بدفہمی ہوتی چلی جارہی ہے۔ میں اب نہ اپنے اوقات کو ظاہر کرتا ہوں نہ حضرت سے معلوم کرتا ہوں۔ جس وقت فرصت ہو گی حاضرِ خدمت ہو کر زیارت سے مشرف ہو جاؤں گا۔ اگر فرصت نہ ہوئی تو لوٹ آؤں گا۔"
جب حضرت نے دیکھا کہ اصلاح پذیر ہو گئے ہیں تو دلجوئی کے طور پر لکھا:۔

"اب پورے فہم سے کام لیا گیا ہے۔ جس سے اس قدر مسرت ہوئی کہ پہلے آپ کا میری زیارت کو جی چاہ رہا تھا اب میرا آپ کی زیارت کو جی چاہنے لگا۔ اگر فرصت ہو تو آپ تشریف لے آیئے۔ ورنہ مجھ کو اجازت فرمایئے کہ خود حاضر ہو جاؤں۔"
غرض یہ کہ وہ خود آئے:۔

آپ نے فرمایا۔ کہ میرا یہ طرزِ عمل اسلیئے تھا کہ یہ دنیا کے جس قدر بڑے لوگ ہیں اہل دین کو بے وقوف سمجھتے ہیں اُن کو یہ دکھلانا تھا کہ اہلِ علم کی یہ شان ہے کہ پہلے تو تذلل سے بچنا مقصود تھا۔ مگر جب وہ اپنی کوتاہی تسلیم کر چکے تو اب کھینچنا تکبر ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے محفوظ رکھا۔ ملاقات کے دوران میں وہ نواب صاحب حیدر آباد دکن کی بیدار مغزی اور انتظام سلطنت کے واقعات بیان کرتے رہے۔ اس کے بعد کہا کہ نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے تو بہت مناسب ہے۔

آپ (حکیم الامت تھانوی رح) نے پوچھا: "یہ آپ کی خواہش ہے یا نواب صاحب کی!"

کچھ سکوت کے بعد کہا کہ "میری ہی خواہش ہے۔"

آپ نے سوال کیا کہ :-

"جس وقت آپ نے مناسب یا غیر مناسب ہونے پر غور فرمایا ہوگا۔ اس پر بھی غور فرمایا ہوگا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے"

کہا :- "نواب صاحب کا"

آپ نے فرمایا :-

"نفع نواب صاحب کا، اور ملاقات کی ترغیب مجھکو دی جارہی ہے. مطلوب کو طالب اور طالب کو مطلوب بنایا جارہا ہے"

اس پر کوئی جواب نہ دیا۔

آپ نے فرمایا کہ :-

"اب میں خود عرض کررہا ہوں کہ اس صورت میں کہ میں خود ملاقات کو جاؤں، مضرت ہی مضرت ہے، نفع کچھ نہیں. اگر میں ملاقات کو گیا تو وہ مطلوب، اور میں طالب ہوں گا اس صورت میں اُن کو مجھ سے کچھ نفع نہ ہوگا. ہاں اُن سے مجھ کو نفع ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اُن کے پاس جو چیز ہے وہ مجھے ملے گی یعنی دنیا وہ بقدرِ ضرورت بحمد اللہ میرے پاس بھی ہے اور جو میرے پاس ہے وہ بقدرِ ضرورت بھی اُن کے پاس نہیں یعنی دین. اگر میں گیا بھی اور جو اُن کے پاس ہے یعنی دنیا، منصب، وظیفہ (وغیرہ) وہ مل بھی گیا تو اس صورت میں ایک خاص ضرر بھی ہے۔ اگر قبول کرتا ہوں تو اپنے مسلک کے خلاف، اگر قبول نہیں کرتا تو آدابِ شاہی کے خلاف۔ کیونکہ قبول نہ کرنے میں اُن کی سُبکی اور اہانت ہوگی۔ اور چونکہ اس وقت میں اُن کے حدود میں ہوں اُس کی پاداش میں اخراج وغیرہ جو چاہیں میرے لئے تجویز کر سکتے ہیں۔ تو نواب صاحب کو کوئی نفع نہ ہوگا اور میرا نقصان ہوگا۔ یہ امر بھی شان سلاطین کے خلاف

ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مدعو کئے ہوئے شخص سے ملاقات کریں"۔ الخ
یہ سنکر ...... نواز جنگ صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا کہ :-
ان چیزوں پر تو ہم لوگوں کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی"۔
غرض کہ استغناء اور توکل کی وجہ سے حضرت والا ہر جگہ غالب ہی رہتے تھے"۔[1]

(۲۳۶)

ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دیوبند سے تھانہ بھون، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا :-

"حضرت! میں جب یہاں آتا ہوں تو میرے بعض رفقاء مجھ سے کہتے ہیں کہ تم تھانہ بھون بار بار کیوں جاتے ہو؟ یہاں اتنا عظیم الشان کتب خانہ ہے جس میں بڑے بڑے علماء و فقہاء اور بزرگانِ دین کی کتابیں ہیں، اُن کو پڑھو اور فائدہ اُٹھاؤ اور درس و فتویٰ جو ایک عظیم عبادت ہے اس میں مصروف رہو"۔

حضرت (حکیم الامتؒ) نے پوچھا :- "پھر آپ نے کیا جواب دیا؟"

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا :-

"میں نے عرض کیا کہ تھانہ بھون جا کر جو روحانی سکون ملتا ہے وہ یہاں نہیں ملتا"۔

حضرت تھانوی رحؒ نے فرمایا :-

"یہ بتایئے کہ خانقاہ سے تعلق کے بعد آپ کو اپنے علمی کاموں،

---

[1] تبویب تربیت السالک جلد اوّل صد ۲۱۔

درس وتدریس، فتویٰ اور تصنیف میں بھی کوئی فرق محسوس ہوا یا نہیں؟"

حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب دیا:۔

"جی ہاں! زمین و آسمان کا فرق ہوگیا، علوم کے بہت سے دروازے تو یہیں پہنچ کر کھلے"!

حضرت حکیم الامت رحؒ نے فرمایا:۔

"بس تو ایسے لوگوں کو یہی جواب دینا چاہیئے کہ خانقاہ جاکر وہ نظر اور وہ بصیرت پیدا ہوتی ہے جس سے ان کتابوں کا صحیح فائدہ حاصل ہوتا ہے"![1]

(۲۳۷)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے یہاں دو قسم کی مجلسیں ہوتی تھیں ایک مجلس عام ہوتی تھی، ایک مجلس خاص، عام مجلس میں بھی حضرت تھانوی رحؒ مخصوص حضرات کو اپنے بائیں جانب بٹھایا کرتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی حضرات کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ ایک روز مفتی صاحبؒ کو آنے میں کچھ دیر ہوگئی اور جب وہ پہونچے تو مجلس بھر چکی تھی۔ آگے بیٹھنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مفتی صاحب پیچھے بیٹھ گئے۔ حضرت رحؒ نے ادھر اُدھر دیکھا تو جگہ نہیں تھی البتہ اپنے پاس کچھ تھوڑی سی جگہ تھی چنانچہ مفتی صاحبؒ سے فرمایا:۔

"مولوی شفیع! یہاں آجاؤ"!

مفتی صاحبؒ نے اولاً عذر کیا کہ:۔

"حضرت! آرام سے بیٹھا ہوں"

---

[1] ماہنامہ البلاغ۔ مفتی اعظم نمبر صفحہ ۲۰۔

حضرت حکیم الامت رح اس وقت خاموش ہو گئے۔ لیکن کچھ دیر بعد پھر بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا:۔

"مولوی شفیع! میرا جی چاہتا تھا کہ تم یہاں میرے پاس بیٹھو"

چنانچہ جب مفتی صاحبؒ نے حضرت کا اصرار دیکھا تو اُٹھ کر آگے تشریف لے گئے۔

ف:۔ یہ واقعہ نقل فرما کر حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب مدظلہ، تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے احقر نے دو نتیجے نکالے۔ ایک تو یہ کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی طرف حضرت کی کس قدر خصوصی توجہ تھی۔ گویا حضرت اُس مجلس میں اصلی مخاطب مفتی صاحب ہی کو سمجھتے تھے اسلئے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح قریب آجائیں۔

دوسری طرف اس سے حضرت مفتی صاحبؒ کی تواضع کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ اُنھیں اپنی تواضع کی بناء پر آگے بڑھتے ہوئے شرم آتی تھی کہ میری کیا خصوصیت ہے جو میں اتنے لوگوں سے آگے جا کر بیٹھوں۔

تمام عمر حضرت مفتی صاحبؒ کا یہی حال رہا کہ ظاہری و باطنی علوم و کمالات کے جامع ہونے کے باوجود تواضع و سادگی کے پیکر بنے رہے[1]

(۲۳۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبند سے تھانہ بھون آئے ہوئے تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے آپ کو کچھ فتوے لکھنے کے لئے دیدیئے۔ چنانچہ وہ بیٹھے ہوئے فتوے لکھ رہے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

---

[1] ماہنامہ البلاغ اشاعت خصوصی مفتی اعظم نمبر صفحہ ۴۰۔

قدس سرہٗ بانی تبلیغی جماعت بھی اس روز وہاں موجود تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو تبلیغی جماعت کے کام کا تقاضہ غلبۂ حال کے درجہ میں عطا فرمایا تھا چنانچہ انھوں نے مفتی صاحبؒ کو دیکھ کر اُن کو بھی تبلیغی جماعت میں نکلنے کی دعوت دی، حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب دیا کہ :-

"حضرت (حکیم الامت تھانوی رحؒ) سے اجازت لے لیجئے"

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا :-

"مولانا! سارے ہندوستان میں سے ان جیسا کوئی آدمی ڈھونڈ کر لائیے جو اس وقت ایسی مستند تبلیغ کر رہا ہو جیسی یہ کر رہے ہیں، جو خدمت یہ انجام دے رہے ہیں وہ کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔ تبلیغی گشت کے لئے بہت سے آدمی مل جائیں گے اس لئے آپ اُن سے یہ کام نہ چھڑوائیں!"

ف :- حضرت حکیم الامت تھانوی رحؒ کی نظر قدر شناس میں حضرت مفتی صاحبؒ کے مرتبہ علم و تفقہ فی الدین کی کس قدر قدر و منزلت تھی۔ [۱]

(۲۳۹)

دارالعلوم کراچی شروع میں نانک واڑہ کی مختصر عمارت میں تھا لیکن جب کام وسیع ہوا اور جگہ تنگ پڑگئی تو وسیع جگہ کی ضرورت پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک کشادہ جگہ کا بھی انتظام فرما دیا اور آجکل جس جگہ پر اسلامیہ کالج ہے۔ یہ جگہ جو اس وقت خالی تھی، دارالعلوم کے لئے الاٹ ہوگئی، جگہ کشادہ اور اور شہر کے بہترین حصّے میں ہونے کے علاوہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

۱؎ ماہنامہ البلاغ۔ اشاعت خصوصی مفتی اعظم نمبر ص۲۱۔

قدس سرہٗ کے مزار سے بالکل متصل تھی۔ اس لئے دار العلوم کے لئے بے حد موزوں تھی چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس پر دار العلوم کی تعمیر کا کام شروع کرنے کا ارادہ کیا اور سنگ بنیاد رکھنے کے لئے ملک کے مقتدر علماء وصلحاء کو دعوت دی اور ایک جلسہ بھی منعقد فرمایا لیکن عین اس وقت جب کہ اس زمین پر اس چشمۂ خیر کی بنیاد ڈالی جارہی تھی بعض اہل غرض نے حضرت علامہ عثمانی قدس سرہٗ کی محترمہ اہلیہ (رحمہا اللہ) کو کسی شدید غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جس کی بناء پر انہوں نے اس منصوبے کی مخالفت شروع کر دی اور ایک مرتبہ خود مزار پر تشریف لاکر انہوں نے اسکی مخالفت کا اعلان کیا شدید غلط فہمیوں کی بناء پر جب کوئی فہمائش کارگر نہ ہوئی تو لوگوں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے یہی کہا کہ :-

"چونکہ مخالفت کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے اس لئے آپ اپنا کام جاری رکھیں، تحفظ قانون کے اداروں نے بھی پورا یقین دلایا کہ آپ کسی تذبذب کے بغیر یہ کام شروع کر سکتے ہیں اور پولس آپ کے ساتھ ہوگی"

لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ :-

میں یہ کام نہیں کر سکتا، حضرت علامہ عثمانی رحؒ کی اہلیہ محترمہ اگرچہ شدید غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی ہیں لیکن میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے استاذ محترم کی اہلیہ کے خلاف اس معاملے میں قوت استعمال کروں، اللہ تعالیٰ مدرسے کے لئے کوئی زمین اور دے دے گا (چنانچہ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد مدرسہ کے لئے شہر سے باہر اتنی وسیع وعریض جگہ مل گئی کہ اس کا خواب وخیال بھی پہلے نہیں تھا۔ کورنگی کے ایریا کے سامنے دار العلوم کی موجودہ جگہ مراد ہے)

ف : اللہ اکبر! استاد کے احترام، اُن کی اہلیہ کی عزت اور بے نفسی و توکل کا کیا مقام تھا کہ حق ہونے اور اس کو منوانے کی پوری طاقت کے باوجود اتنی بڑی زمین محض استاذ کی اہلیہ کی دلشکنی کے اندیشے سے چھوڑ بیٹھے اس وقت دارالعلوم کے لئے کوئی متبادل جگہ سامنے نہ تھی لیکن انہوں نے اس جگہ کو محض توکلاً علی اللہ خالی کر دیا۔ [۱]

(۲۳۰)

علامہ مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری قدس سرہٗ کے قائم فرمودہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ (اب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) کے قیام کے دوسرے سال مدرسہ کی حالت زکوٰۃ فنڈ میں قابلِ اطمینان ہو گئی ایک دفعہ زکوٰۃ فنڈ میں ۲۵ ہزار روپیہ جمع تھا، مگر غیر زکوٰۃ کی مد خالی تھی، جب تنخواہ دینے کا وقت آیا تو خزانچی حاجی یعقوب صاحب مرحوم نے حضرت شیخ بنوری رحؒ سے کہا کہ :-

"مدرسین کی تنخواہ کے لئے کچھ نہیں اگر آپ اجازت دیں تو زکوٰۃ فنڈ میں سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہ ادا کر دی جائے بعد میں فنڈ میں یہ رقم لوٹا دی جائے گی"

آپ نے فرمایا :-

"ہرگز نہیں! میں مدرسین کی آسائش کی خاطر دوزخ کا ایندھن بننا نہیں چاہتا، مدرسین کو صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے کہ اُن کے فنڈ میں اللہ تعالیٰ کچھ بھیج دے، جو مدرس صبر نہیں کر سکتا،

---

[۱] ماہنامہ البلاغ ص۴۵ مفتی اعظم نمبر۔

اس کو اختیار ہے کہ مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے۔"

جب کوئی ذی ثروت صاحب خیر مدرسہ کو چندہ دینے آتا تو مولانا اس سے فرماتے کہ:۔

"مجھے زکوٰۃ کی ضرورت نہیں، یہ تو غسالۂ مال ہے، جسے اگلی امتوں میں آگ آسمان سے اتر کر جلا دیا کرتی تھی میرے مدرسے کے مدرسین کے لئے اگر کچھ دینا ہے تو غیر زکوٰۃ میں سے دو۔"[1]

(۲۵۱)

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رح جب پہلی مرتبہ حجاز، مصر وشام کے سفر پر تشریف لے گئے اسی دوران قیام مصر میں ایک مشہور عربی رسالے کے دفتر میں حضرت مولانا بنوری رح کی ملاقات علامہ جوہر طنطاوی مرحوم سے ہو گئی جن کی "تفسیر الجواہر" اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے۔ جس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے انہوں نے سائنس کی باتوں کو قرآن کریم سے ثابت کرنے کا شوق میں علامہ طنطاوی مرحوم نے بعض جگہ آیات قرآنی کی تفسیر میں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔

علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوری رح کا تعارف ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟

مولانا نے فرمایا کہ:۔

"ہاں! اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اسکی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کر سکتا ہوں۔"

علامہ طنطاوی مرحوم نے رائے پوچھی تو مولانا نے فرمایا:۔

---

[1] ماہنامہ بینات۔ اشاعت خاص علامہ بنوری نمبر ص۴۲۔

"آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لئے احسانِ عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہوگئی ہیں۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں اس لئے عموماً علمائے دین اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ آپ کی کتاب علمائے دین کے لئے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے، اس سلسلے میں آپ کے طرزِ فکر سے مجھے اختلاف ہے۔ آپکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآنِ عظیم سے ثابت کردیا جائے اور اس غرض کے لئے آپ بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ آج آپ جس نظریے کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہو جائے، کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآنِ کریم کی بات (معاذ اللہ) غلط ہوگئی؟"

حضرت مولانا بنوری رح نے یہ بات ایسے مؤثر اور دلنشین انداز میں بیان فرمائی کہ علّامہ جوہر طنطاوی مرحوم بڑے متاثر ہوئے اور فرمایا:-

یا استاذ، واللہ ما أنت بعالم هندی وانما أنت ملك نزلت من السماء لاصلاحی۔	اے استاذ، خدا کی قسم آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں ہیں بلکہ آپ کوئی فرشتے ہیں اور میری اصلاح کی خاطر نازل ہوئے ہیں۔ [1]

---

[1] ماہنامہ بینات، اشاعت خاص علامہ بنوری نمبر ص ۶۹۴ وایضاً ص ۵۵۶۔

(۲۴۲)

ایک سفر میں ایک ذمہ دار پولیس افسر نے حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح سے سوال کیا :-

"شاہ جی! اجازت ہو تو ایک بات پوچھوں"، "ہاں بیٹا! کیوں نہیں"

دوسری جماعتوں کے سیاسی اور مذہبی رہنما آئے دن مختلف شہروں میں آتے رہتے ہیں، مگر حکومت کی طرف سے ہمیں کوئی ایسی ہدایت نہیں ملتی کہ ہم اُن کو واچ (نگرانی) کریں لیکن جیسے ہی آپ کسی شہر میں پہونچتے ہیں، ایک دم سے تاریں ملنے لگتی ہیں، یہ کیوں؟" آپ نے برجستہ کہا :-

"بھائی! جب کوئی ہیجڑا گھر میں آجائے تو کوئی عورت اس سے پردہ نہیں کرتی، مگر جیسے ہی کوئی مرد آجائے تو تمام گھر میں پردہ پردہ کا شور مچ جاتا ہے"

اس پر متعلقہ افسر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔[۱]

(۲۴۳)

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کا ایک مرید تھا اللہ دین۔ اسکی گوشت کی دوکان تھی۔ بے پڑھا لکھا تھا حضرت نانوتوی رح ایک مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ کوئی سو ڈیڑھ سو آدمی حضرت رح کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اللہ دین مرحوم نے حضرت سے سوال کیا:

---

[۱] حیات امیر شریعت رح ص ۵۰۵

حضرت! یہ جو سُننے میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرنے کے بعد بزرگوں کے قرب و جوار میں دفن ہونیکی کوشش کی جائے۔ اولیاء کے مزارات کے پاس اپنی قبر بنوائیں۔ اگر لوگ کوشش کریں تو اس کا کیا فائدہ ہے؟ اس لئے کہ مرنے والا اگر نیک ہے، اور اعمالِ صالحہ اسکے ساتھ ہیں، اُسے کہیں بھی دفن کردو، اسکی نیکی اُسکے ساتھ ہے۔ قبر اسکی روشن ہو جائے گی۔ اور اگر وہ بدعمل ہے، اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھی دفن کردیں۔ تب بھی اُسکی بدی سامنے آئیگی تو انبیاء و اولیاء کے قرب و جوار میں دفن کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟

یہ اُس نے سوال کیا۔ اب سوال کرنیوالا بالکل ان پڑھ جاہل آدمی، اور علم برزخ کا سوال کر رہا ہے۔ اس کو اگر حقائق سمجھائے جائیں۔ اور علم کی باریک باتیں بتائی جائیں، وہ کچھ بھی نہ سمجھتا۔ موٹی سمجھ کا آدمی تھا۔ حضرتؒ نے اس کو سمجھایا اور ایک مثال کے ذریعے مسئلے کو واضح کردیا۔ کہ وہ جاہل بھی سمجھ گیا، اور دوسرے بھی سمجھ گئے۔ جب وہ سوال کر چکا، حضرتؒ نے فرمایا۔ اچھا ہم اس کا جواب دیں گے۔ ابھی جواب نہیں دیا۔ موقع پر جواب دیں گے۔ وہ بھی خاموش ہو گیا۔ گرمی شدید پڑ رہی تھی۔ وہ پنکھا لیکر حضرتؒ کو جھلنے کھڑا ہو گیا۔ اُسے یاد بھی نہیں رہا کہ میں نے کیا سوال کیا تھا۔ پندرہ بیس منٹ گذر چکے۔ حضرتؒ نے اُس سے پوچھا:

"میاں اللہ دین! تم یہ پنکھا کسے جھل رہے ہو؟"

کہا۔ حضرت! آپ کو جھل رہا ہوں۔

فرمایا۔ یہ جو لوگ مجلس میں ساتھ بیٹھے ہیں انھیں تو نہیں جھل رہے ہو۔ کہا نہیں۔ انھیں تو نہیں جھل رہا۔ اس واسطے کہ نہ میں ان کا شاگرد ہوں نہ ان کا مرید۔ یہ تو سارے میرے برابر ہیں۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ اُن کو پنکھا جھلوں اور اُن کا خادم بنوں۔ میں تو آپکو پنکھا جھلنے کھڑا ہو گیا۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے فرمایا:۔ "ہوا ان سب کو لگ رہی ہے یا صرف مجھے ہی لگ رہی ہے"؟

عرض کیا۔ حضرت ہوا تو حاضرین مجلس میں ہر ایک کو لگ رہی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ فرمایا۔ یہ تمہارے سوال کا جواب ہے، تم نے یہ سوال کیا تھا کہ انبیاء و اولیاء کے قریب دفن کرنے سے مُردے کو کیا فائدہ ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے فرمایا:۔

"اولیاء اللہ کی قبروں پر رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں۔ رحمت کی ہوائیں اُترتی ہیں؟ مقصود اصلی وہ ہوتے ہیں لیکن آس پاس والوں کو بھی (رحمت کی) ہوا لگتی ہے۔ رحمت کے اثرات سب کو پہنچتے ہیں۔ اس واسطے دفن کرنیکے

بارے میں فرمایا گیا کہ کوشش کرو۔ اہل اللہ صالحین کے پاس دفن ہوں۔ ان پر رحمت کی ہوائیں چلیں گی آس پاس والوں کو بھی لگیں گی۔ چاہے وہ مقصودِ اصلی نہ ہوں، مقصود فقط وہ ولی یا نبی کامل ہوں"۔ لے

(۲۴۴)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہے کہ سخت ترین گرمی اور لُو کا زمانہ تھا، رمضان المبارک کا مہینہ تھا، حضرت کی طبیعت ناساز چل رہی تھی، پیچش کی شدید تکلیف تھی، حضرت نے کئی روز تک دوا سے افطار پر قناعت کی کوئی غذا نہیں کھائی جمعہ کا دن آیا، مولوی عبداللہ جان وکیل بھی مدرسہ جمعہ پڑھنے آئے انہوں نے دیکھا کہ چہرہ نہایت پژمردہ ہے اور ضعف ونقاہت کے آثار نمایاں ہیں۔ وہ یہ حالت دیکھ کر ستون کے پیچھے ہو کر رونے لگے، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کا کئی روز سے فاقہ ہے تکلیف زیادہ ہے روزہ قضا فرما دیتے آخر فقہاء نے رخصت لکھی ہے اور مولوی عبداللہ جان تو رو رہے ہیں۔ حضرت قدس سرہٗ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ:-

حافظ صاحب! کیسی بات کہتے ہیں، ارے روزہ اور پھر رمضان کا روزہ! پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں کہ مولوی عبد اللہ جان جیسا کو وقار متاثر ہو جائے۔ ہے

(۲۴۵)

شہر فتح پور (یوپی) کے حضرت مولانا مولوی حاجی حکیم ظہور الاسلام صاحب علم ہونے کے ساتھ بڑے صاحب دل بھی تھے اور تقویٰ اور

لے خطبات حکیم الاسلام ص۱۹۲-۱۹۴ جلد ۴ مرتبہ مولوی محمد ادریس ہوشیارپوری۔ ہے اکابر علماء دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں ص۷۶-۷۷۔

خوفِ خدا کے ایک پیکر مجسم، شہر میں ایک بار ہیضہ پھیلا اور لوگ چٹ پٹ ہونا شروع ہو گئے۔ مدرسہ (اسلامیہ فتح پور) کے متعلق ایک دار الاقامہ بھی تھا اس کا ایک غریب پردیسی لڑکا دور دراز بنگالہ دیس کا رہنے والا بھی مبتلا ہوا، اور مولانا کو جس کی خبر ہوئی، بے قرار ہو گئے اسپتال بھجوانے کے بجائے خود جاکر مریض کو جھٹ اپنے گھر اُٹھا لائے ـــــ ہیضہ کا مریض اور وہ بھی کوئی اپنا عزیز نہیں اُسے اپنے گھر اُٹھا لانا کوئی معمولی بات تھی؟ موت و ہلاکت کو اپنے وہاں دعوت دینا تھا؛ اور اب خدمت و تیمار داری مولانا نے خود شروع کی، ہیضہ کے مریض کی جو گندی حالتیں ہو سکتی ہیں اُن سب کو تصور میں لے آئیے اور پھر یہ سوچئے کہ مولانا خود اپنے ہاتھ سے اُسے دوا پلا رہے ہیں اور ایک ایک خدمت اُسکی کرتے جاتے ہیں! گھر والے ایسے موقع پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اچھے اچھے دوست منہ چُرا جاتے ہیں یہ مولانا کیا بشر نہ تھے کوئی فرشتہ تھے؟

مریض کی حالت گرتی گئی بگڑتی گئی، ادھر مولانا کی گریہ وزاری بھی بڑھتی گئی بار بار دعائیں اپنے رب اور زندگی و موت دونوں کے خالق سے تھیں کہ

"اے اللہ اس پر رحم کر، غریب پردیسی ہے، اپنے باپ کا اکلوتا ہے"۔

ساری رات دوسرے تیمار دار کہاں تک ساتھ دیتے ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، اب تنہا دنیا کا مالک و مولا تھا اور اس کا یہ وفا شعار غلام اس سے راز و نیاز میں مصروف، راوی کا بیان ہے کہ پچھلے پہر میری آنکھ کھلی تو دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا جانماز پر بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں اور اپنے ناز بردار خالق کے آگے مچل رہے سرگوشی کے لہجہ میں رات کے سناٹے میں دُعا کے الفاظ کچھ اس طرح کے سنائی دیئے

"مالک ہو جو چاہو کرو، قادرِ مطلق ہو جو چاہو کر ڈالو، قانونِ قدرت تمھارا اپنا بنایا ہوا ہے جب چاہو، اُسے توڑ سکتے ہو آخر مجھے تو سُرخ رو کرنا ہے، یہ بچہ پردیسی ہے، میرے بھروسے پر آیا ہے۔ ماں باپ کا کیا حال ہو گا . . . خیر اگر یوں مجھ گنہگار کی دُعا قبول نہیں کرتے تو میری نذر ہی قبول فرمالو، جان کے بدلے جان حاضر ہے ایک میرا اپنا بچہ ہے اُسے اس کے عوض میں قبول فرماؤ وہ بھی تمھارا میں بھی تمھارا"۔

اور یہ بھی سُن لیجئے مولانا کے کئی بچے نہ تھے کئی بچوں کے گذر جانے کے بعد یہی ایک سات سال کی عمر کا زندہ تھا، ماں باپ ہی نہیں گھر بھر کے ارمانوں کا مرکز ——— ایک محض اجنبی کی خاطر نذر اس جگر کے ٹکڑے کی پیش ہو رہی تھی! امتحان ابراہیمؑ کا نہیں ایک ابراہیمی کے ظرف و تحمل کا درپیش تھا اللہ اللہ! سحر ہو رہی تھی کہ اچانک مکان کے اندر سے کنڈی کھٹکی، معلوم ہوا کہ بچہ پر وبا (ہیضہ) کا حملہ ہو گیا۔ مولانا اطمینان سے اُٹھ کر اندر گئے۔ دوا پلائی نفع خاک نہ ہوا۔ مولیٰ نے بندہ کی نذر قبول کر لی تھی۔

عبدیت کی کمان سے چھٹا ہوا تیر نشانہ پر پہنچ چکا تھا اُدھر وہ پردیسی اچھا ہوتا گیا ادھر یہ نازوں کا پالا ہوا اپنا بیٹا گرتا گیا، یہاں تک کہ مولانا اپنے ہاتھوں جا کر اکلوتے جگر گوشہ کو پیوند خاک کر آئے۔ [1]

(۲۴۶)

یہ واقعہ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رح کے والد ماجد مولانا محمود بخش (متوفی رمضان ۱۲۵۸ھ) کا ہے۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں موجودہ جامع

---

[1] ماہنامہ الفرقان ص ۳۷ ص ۳۸ ماہ مئی ۱۹۸۱ء بحوالہ الصدق جدید لکھنؤ۔

مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو اس کے قریب کے ایک افتادہ قطعۂ زمین کے بارے میں ہندو مسلمانوں میں نزاع ہوا۔ مسلمان اُسے مسجد کی ملکیت بتاتے ہیں اور ہندو قدیم مندر کا ایک حصہ کہتے تھے۔ کئی سال تک مقدمہ چلتا رہا اور فیصلہ نہ ہو سکا تو انگریز مجسٹریٹ نے ایک دن مسلمانوں سے کہا کہ کیا تمھاری نظر میں کوئی ہندو ایسا ہے جو اس جگہ کے مسجد کی ملکیت ہونے کی شہادت دے سکے؟ اگر تم کسی ایسے شریف ہندو کا نام بتاؤ تو میں اُسی کے بیان پر فیصلہ کر دوں گا ——— انھوں نے کہا ہم کو کسی ہندو سے امید نہیں کہ وہ اس مذہبی معاملہ میں سچ بولے اور مسجد کی ملکیت ہونے کی شہادت دے دے ——— پھر مجسٹریٹ نے ہندوؤں سے کہا کیا تم کسی ایسے مسلمان کا نام بتا سکتے ہو؟ جس سے تمھیں اُمید ہو کہ وہ سچ بولے گا اور تمھارے حق میں شہادت دے دے گا؟ اگر تم کسی ایسے مسلمان کا نام بتا دو تو میں اسی کے بیان پر فیصلہ دے دوں گا۔ انھوں نے باہم مشورہ کر کے کہا کہ ہے تو یہ بات بہت مشکل کہ کوئی مسلمان اس معاملہ میں سچی شہادت دے اور یہ بتلا دے کہ یہ زمین مندر کی ہے۔ مگر ایک بزرگ ایسے ہیں جن سے اُمید ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولیں گے انھوں نے مولانا محمود بخش صاحب کا نام اور پتہ بتلا دیا ——— مجسٹریٹ نے مولانا کو طلب کیا (کاندھلہ کے قریبی موضع ایلم میں اس وقت کلکٹر کا کیمپ تھا وہیں کچہری ہوتی تھی) جب مجسٹریٹ کا بھیجا ہوا آدمی مولانا کے پاس پہونچا تو مولانا نے (جو انگریزی حکومت کے قائم ہو جانے کی وجہ سے انگریزوں سے بہت ہی جلے ہوئے تھے) فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی فرنگی کا منہ نہیں دیکھوں گا۔ اس لئے میں اس فرنگی کے پاس نہیں جا سکتا ——— کلکٹر کا دوبارہ پیام آیا کہ اس کا انتظام کر دیا جائے گا کہ

کوئی انگریز آپ کے سامنے نہ آئے۔ آپ مہربانی کرکے تشریف لائیے۔ آپ ہی کے بیان پر ایک اہم مقدمہ کا فیصلہ ہونا ہے (اور میں نے سُنا ہے کہ اسلام کا اور قرآن کا یہ حکم ہے کہ سچی گواہی ضرور دیجائے)

اس پیام پر مولانا تشریف لے گئے، خود کلکٹر جو انگریز تھا اور اس کے ساتھ جو اور بھی انگریز تھے سب خیمہ کے اندر تھے اور ہندو مسلمان سب باہر جمع تھے۔

مولانا سے اس متنازعہ جگہ کے متعلق دریافت کیا گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا دعویٰ غلط ہے ــــ اسی بیان پر کلکٹر نے فیصلہ دے دیا اور وہ جگہ ہندوؤں کو مل گئی ــــ مگر مولانا کی اس بے لاگ حق پرستی اور صداقت شعاری سے متاثر ہو کر کئی ہندو خاندان مسلمان ہو گئے۔ ان نو مسلم خاندانوں میں سے ایک گھرانہ ۱۹۴۷ء تک یہاں (کاندھلہ میں) موجود تھا جو بعد میں پاکستان چلا گیا۔ یہ جگہ کاندھلہ کی جامع مسجد کی جنوب مشرقی دیوار سے متصل ہے اب اس جگہ پر ایک مندر ہے۔

ف: دیکھا آپ نے اللہ کے ایک مخلص اور صادق بندے اور سچے مسلمان نے اسلام اور قرآن کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے مسجد اور مندر کے جھگڑے میں اپنی بستی کے اور اپنے عزیز قریب مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں سچی گواہی دی مسلمان مقدمہ ہار گئے، لیکن اسلام جیت گیا ــــ چند گز زمین جو فی الحقیقت مندر ہی کی تھی مندر ہی کی قرار پائی ــــ اور ہندوؤں کو مل گئی۔ لیکن ہندوؤں کے چند اچھے خاندانوں نے اس سچے مسلمان کی صداقت شعاری اور مسلمانوں کے خلاف سچی گواہی کو قرآنی تعلیم

کا نتیجہ اور اسلام کا معجزہ سمجھ کر اپنا قدیم خاندانی دھرم چھوڑ کے اسلام کو اپنا لیا۔
یہ ہرگز مولانا محمود بخش کی کرامت نہیں تھی، اسلام اور قرآن کی تعلیم پر عمل کی تاثیر تھی۔ ؎۱

(۲۴۷)

کاندھلہ میں ایک شاہ صاحب آئے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی ان سے ملنے کے لئے گئے۔ شاہ صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب تنہائی میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھوں گا۔ مولوی صاحب نے دل میں کہا کہ خدا جانے تصوف کا کونسا دقیق مسئلہ پوچھیں گے۔ شاہ صاحب نے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کی جو اتنی شہرت مشرق و مغرب میں ہوئی وہ کس کے مرید تھے کیا بڑے پیر صاحب سے آپ نے بیعت کر لی تھی۔ مولوی صاحب نے کہا:۔

"کم بخت فقیر بنا پھرتا ہے لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے ملعون تو کیسا مسلمان ہے تجھ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ بڑے پیر صاحب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں اور آپ کے اُمتی ہیں"

غرض (ان جاہل شاہ صاحب کو) قصبہ سے نکلوا دیا۔ ؎۲

(۲۴۸)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی اخیر عمر میں نگاہ جاتی رہی تھی لوگوں

؎۱ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ صـ۴۰۳ مارچ ۱۹۸۱ء۔
؎۲ وعظ احکام الجاہ صـ۳۳۔

نے بہت اصرار کیا کہ حضرت آنکھیں بنوالیں۔ مولانا نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے فرمایا کہ :۔

"بھئی آنکھ بنے گی تو ڈاکٹر کہے گا کہ پڑے رہو۔ میری جماعت جاتی رہے گی میں نہیں بنواتا"

لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں۔ فرمایا :۔

"بتلاؤ میرا کون کام اٹکا ہوا ہے چلتا بھی ہوں، پھرتا بھی ہوں، اٹھتا بھی ہوں، بیٹھتا بھی ہوں۔ میں کہاں سے معذور ہوں"

بہرحال حضرت نے آنکھیں نہ بنوائیں۔ لے

(۲۴۹)

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے والد پرائمری اسکول جاگیر گیدڑپور میں جونیئر اسکول ٹیچر تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو بھی اپنے ہی اسکول میں داخل کر لیا۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد مولانا غلام غوث صاحب وظیفہ کے امتحان میں شریک ہوئے اور صوبہ بھر میں اوّل رہے۔ اور میرٹ اسکالرشپ حاصل کیا۔ اس کے بعد مڈل کا امتحان بھی نمایاں حیثیت سے پاس کیا۔

آپ کے والد صاحب نے آپ کی ذہانت کو دیکھ کر (اپنے خالص دینی مزاج کی بنا پر) ارادہ کیا کہ آپ کو علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے کسی اچھی دینی درسگاہ میں بھیجیں۔ اس وقت کے انسپکٹر مدارس صوبہ سرحد جناب مرزا علی محمد خاں (جو کہ مولانا غلام غوث کے والد صاحب کے دوستوں میں سے تھے) جب اس کا علم ہوا تو آپ کے والد صاحب کے پاس گئے اور انہیں آمادہ کرنے

لے وعظ روح الافطار ص ۱۹۰۔

لگے کہ آپ کا بیٹا بہت ذہین ہے اُسے عصری تعلیم دلائیں، آپ کے والد صاحب نہ مانے لیکن انہوں نے بھی پیچھا نہ چھوڑا اور مسلسل اصرار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک مرحلے پر آپ کے والد صاحب آمادہ ہوگئے اور فرمایا انشاء اللہ پڑھاؤں گا۔ جواباً انسپکٹر صاحب نے کہا:۔

انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں ضرور انگریزی پڑھانی ہے۔

موصوف کے اس طرزِ انتخاب نے آپ کے والد صاحب کی رائے کو بدل دیا۔ انہوں نے فرمایا:۔

جس تعلیم میں "انشاء اللہ" کی کچھ اہمیت نہیں وہ تعلیم کسی کام کی نہیں۔

چنانچہ اس کے فوراً بعد (۱۹۱۴ء میں) آپ کو دارالعلوم دیوبند بھیج دیا گیا۔[1]

(۲۵۰)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت اقدس حضرت مدنی رح کسی بھی وقت میرے یہاں آجاتے اور دروازے پر دستک دیتے اور کھانا اندر سے منگوا کر کھانا شروع فرما دیتے۔ ایک دفعہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت تشریف لائے ہیں۔ اتفاق سے انہیں دنوں میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی قدس سرہٗ (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے بھانجے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری ثم المدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کے پیر بھائی) بھی تشریف لائے تھے وہ دار جدید میں تھے۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ حضرت مدنی رح تشریف

[1] بروایت گل رحمٰن صاحب ص ۹ روزنامہ جنگ ۴ فروری ۱۹۸۲ء

لائے ہیں وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر تشریف لے جائیں گے تب آپ کو بلاؤں گا انہوں نے فرمایا، "ہرگز نہیں" میں اُن سے ضرور ملاقات کروں گا ہمارا اختلاف صرف اسٹیج کی حد تک ہے"

بہر حال وہ تشریف لائے اور دونوں میں خوب مزے مزے کی باتیں ہوئیں۔ حضرت مدنی رحؒ نے مولانا ظفر احمد صاحب کی کنیت "ابو دیک" رکھی۔ اسلئے کہ اُن کے لڑکے کا نام "مرغ محمد" تھا۔

ف : اختلاف کوئی معیوب بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کارخانۂ کائنات چل ہی اختلاف کی بنیادوں پر رہا ہے۔ لیکن اختلاف کرنے یا اختلاف رکھنے کے کچھ حدود وقیود ہیں اگر ان اخلاقی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تو نہ صرف یہ کہ یہ ایک مستحسن بات ہے بلکہ شارع علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ایسا اختلاف رحمت ہے۔ اس کے برعکس اگر اختلاف کی آڑ میں، فریق مخالف کو جائز و ناجائز تضحیک و تحقیر کا نشانہ بنایا جائے اور اختلاف کو محض اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا جائے اپنے خیالات کو وحی سمجھا جائے اور اپنے مسلک کو ذہنوں میں اُتارنے کی جارحانہ کوشش کی جائے تو پھر یہ اختلاف۔ اختلاف نہیں افتراق ہے۔ رحمت نہیں زہر ہے جو اپنے دامن میں اُمّت کے لئے توڑ اور انتشار کی ہلاکتیں لئے ہوئے ہوتا ہے۔ [۱]

(۲۵۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحؒ کا جب انتقال ہوا تو انہوں نے آٹھ ہزار روپیہ

---

[۱] ولی کامل صـ۲۱۹ از مفتی عزیز الرحمن بجنوری مدظلہٗ۔

قرض چھوڑا اور ملکیت میں صرف چار ہزار روپیہ کا کتب خانہ چھوڑا۔ لائق فرزند (یعنی شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے ایک رفیق مولانا نصیر الدین صاحب کو کتب خانہ کا مالک بنا کر بٹھا دیا کہ سیاہ کریں یا سفید اور خود یکسو ہو کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں لگ گئے اور قرض سے گذر اوقات کرتے رہے۔ لوگوں نے شکایات کیں کہ مولانا نصیر الدین صاحب کتب خانہ کے معاملہ میں صاف نہیں معلوم ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ نے بھی توجہ دلائی تو فرمایا:۔

"چچا جان! میں کتب خانہ کے معاملہ میں مولوی نصیر الدین صاحب کے متعلق کیوں بدظن ہوؤں؟ جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ابا جان رح کا قرضہ آٹھ ہزار روپیہ اسی کتب خانہ سے ادا ہوا اور دو حج انہوں نے اسی کتب خانہ کی آمدنی سے کرائے اور میرا خرچہ بھی اٹھاتے ہیں حالانکہ شروع میں اسکی مالیت چار ہزار تھی تو میرا کیا نقصان ہوا؟

ف: اس واقعہ سے چند چیزیں ظاہر ہوئیں کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو روپیہ پیسہ اور دولت کی طرف سے کس قدر بے نیازی تھی اور یہ کہ دوسرے کے طریقۂ کار کی حسین ترین تاویل کر دیتے تھے ورنہ ایسے موقعہ پر جب کہ چاروں طرف سے ایک ہی بات کان میں ڈالی جا رہی ہو وہ خواہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو اس پر یقین کر لینا اور پھر اس کے مطابق عملدرآمد کر لینا بعید از قیاس نہیں ہے۔ [1]

(۲۵۲)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا

---

[1] ولی کامل صد ۲۱۹۔

کہ حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کپڑے تو کھدر کے زیب تن فرماتے تھے لیکن جوتا بہت قیمتی اور خوبصورت پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضرتؒ سے عرض کیا:۔

حضرت جی! آپ کی ساری معشوقیت صرف جوتوں میں آگئی ‘‘

فرمایا:۔

’’ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب کوئی میرے کپڑے دیکھے گا تو سمجھے گا کہ حضرت جی بہت غریب ہیں اُن کو کچھ دے دو لیکن جب اس کی نظر جوتے پر جائے گی تو سمجھے گا کہ حضرت جی رئیس معلوم ہوتے ہیں ‘‘

ف : یہ ہے حضرت کا اخلاص ارشاد فرمایا ان حضرات کے ساتھ باادب رہنا چاہیئے ؎

دی گئی منصور کو پھانسی ادب کے ترک پر
تھا ’’انا الحق،، حق مگر لفظ گستاخانہ تھا

(۲۵۳)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا کہ:۔

واقعہ یہ ہے کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرحوم اور اس ناکارہ کا طالب علمی کا دور تقریباً ایک ہے۔ وہ دیوبند میں پڑھتے تھے میں سہارنپور میں۔ وہ مجھے ابن فلاں کی حیثیت سے جانتے تھے اور میں انھیں ایک لیڈر کی حیثیت سے جانتا تھا اور ایک دوسرے سے تقریباً نفرت تھی۔

وہ ہمیشہ مجھے دیکھ کر یوں کہتے تھے کہ ایسے بیکار آدمیوں کا وجود زمین پر بوجھ ہے اور چونکہ وہ جری تھے، لسان تھے اس لئے جو منہ میں آتا کہہ دیتے اور میں اپنے ضعف وجمود کی وجہ سے زبانی تو کچھ نکیر نہ کرتا مگر دل میں یہ سوچتا کہ اس شخص کا مدرسہ میں رہنا ناجائز ہے جس کو پڑھنا نہیں لیڈری کرنا ہے وہ طالب علمی کا کیوں نام بدنام کرے۔ مدرسہ کی روٹیاں کیوں کھائے۔ کسی اخبار میں جاکر نوکری کرے۔ وہ مرحوم فارغ ہو کر اپنے لیڈرانہ مشاغل میں لگ گئے۔ عرصہ تک ملاقات بھی نہ ہوئی۔ اس کے بعد اُن کی زندگی نے کچھ پلٹا کھایا اور رائے پور کی حاضری شروع ہوئی۔ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کا یہ عام دستور اور قاعدہ کلیہ سب ہی کو معلوم ہے کہ وہ ہر رائے پور جانے والے سے پہلا سوال یہ کیا کرتے تھے کہ شیخ الحدیث سے مل کر آئے یا نہیں؟ اس مجبوری کو ہر رائے پور جانے والے کے لئے نفی میں جواب دینے کی شرم کی وجہ سے دل چاہے یا نہ چاہے مل کر جانا پڑتا ہے تو اس کے علاوہ چونکہ اس زمانہ میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے اسفار بھی بہت کثرت سے رہتے تھے اس ناکارہ کو حضرت رحؒ کے اسفار کا حال ہر وقت معلوم رہتا تھا اس لئے بھی لوگ مجبور تھے کہ وہ یہاں آکر معلوم کریں کہ حضرت رائے پور ہیں یا کہیں سفر میں ہیں؟ ان دو مجبوریوں کی وجہ سے مولانا مرحوم جب بھی رائے پور جاتے ایک دو منٹ کے لئے آنا ضروری تھا مرحوم بھی سمجھتے یہ ضابطہ پُری ہے اور میں بھی سمجھتا۔

ایک دفعہ اس دستور کے موافق مولانا نصیر نے اُوپر جاکر کہا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صرف ایک منٹ کو مصافحہ کرنا چاہتے ہیں۔ سامان لاری پر رکھا ہے میں نے کہا بلالو۔ میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ صرف مصافحہ ہی ہے وہ اوپر تشریف لائے اور مصافحہ سے بھی پہلے کھڑے کھڑے یوں کہا:۔

" ایک بات بہت ضروری پوچھنی ہے جواب اس وقت نہیں چاہیئے سوچ رکھیئے گا کل گورائے پور سے واپسی میں اس کا جواب لوں گا اور اس پر گفتگو کرنے کے لئے کچھ ٹھہروں گا " یہ تصوف کیا بلا ہے ؟ چونکہ مرحوم نے یہی لفظ کہے تھے اس واسطے لکھ دیئے ۔ میں نے کھڑے ہوتے ہوتے مصافحہ کرتے ہوئے کہا کہ " تصحیح نیّت ہے اس کے سوا کچھ نہیں " کہنے لگے میں تو دلّی سے سوچتا آرہا تھا کہ تو اگر یوں کہے گا تو میں یوں کہوں گا میں نے بہت سی تعبیرات اور اس پر بہت سے اشکالات سوچ رکھے تھے تو نے تو ایک ہی لفظ میں نمٹا دیا میں نے کہا اب تم رائے پور میں اس پر اشکالات سوچتے لائیو! اگلے دن آئے فرمایا، اس پر تو کوئی اشکال سمجھ میں نہیں آتا ۔ میں نے کہا حقیقت یہی ہے کہ ذکر و شغل مجاہدات وغیرہ سب اس کے پیدا کرنے کے لئے ہیں ۔ اور تعلق مع اللہ نسبت انوار وغیرہ سب اس کے ثمرات ہیں ۔

فرمانے لگے کہ آج پہلا دن ہے کہ میرے دل میں تیرے سے کچھ اُنس پیدا ہوا آج تک تو وحشت ہی تھی ۔ [1]

(۲۵۴)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور تقسیم سے قبل دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر تھے اس زمانے میں پچاس روپے ماہانہ تنخواہ تھی جس سے فقر و استغناء کے ساتھ گذر بسر کرتے ایک دن اہلیہ محترمہ نے کہا حضرت میں نے سال بھر میں دو سو کے لگ بھگ

---

[1] ولی کامل ص ۲۴۹ ۔

روپیہ جمع کیا ہے۔ آپ کے ہاں بڑے بڑے لوگ آتے اور فرش کی چٹائی پر بیٹھتے ہیں ان روپوں سے کرسیاں وغیرہ خرید لیجئے تاکہ ان سیٹھوں اور تاجروں کی حیثیت کے مطابق نشست کا انتظام ہو سکے۔

اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ میں چالیس روپے ماہوار میں بخوبی گذارہ کر لیتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا:۔

"ہمیں دنیا والوں سے کیا تعلق؟ ہم نے ان سے کیا لیا اور یہ ہمیں کیا دے سکتے ہیں جس کو آنا ہے شوق سے آئے لیکن نشست چٹائی پر ہو گی اور فرشی ہو گی۔"

دار العلوم کے خزانچی کو بلوایا۔ بیوی سے دو سو روپے لئے اور اُس کے حوالے کر دیئے فرمایا:۔

"میاں! تنخواہ ہماری ضرورت سے زیادہ ہے۔ یہ رقم واپس لو اور آئندہ پچاس کی بجائے چالیس روپے ماہوار کر دو۔" [1]

(۲۵۵)

ہندوستان کے مشہور فلسفی و منطقی عالم مولانا عبد الوہاب صاحب جو مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کے براہ راست شاگرد اور ریاست حیدرآباد کی حدود میں جن کی درسگاہ منطق و فلسفہ کی کم از کم ہندوستان میں مرکزی درسگاہ تھی سُنا ہے کہ طلبہ اُن سے منطق و فلسفہ پڑھنے کے لئے دور دور سے سفر کر کے پہونچتے۔ خود دار العلوم دیوبند کے مشہور منطقی عالم مولانا سہول صاحب بھاگلپوری نے ان مولانا عبد الوہاب سے پڑھنے کے لئے "بہار" سے حیدرآباد

---

[1] ہفتہ وار چٹان لاہور جلد ۲۷ شمارہ ۲۹ ص ۳۱۔

تک کا سفر پیدل طے کیا تھا۔ مولانا عبدالوہاب کو منطق و فلسفہ نے اس درجہ غلط کر رکھا تھا کہ خود کو اپنی زبان سے "مولانا عبدالوہاب" کہتے تھے اور اپنے مقابل میں بڑے سے بڑے عالم و فاضل کو ایک طفل مکتب سے زیادہ نہ سمجھتے تھے یہی مولانا عبدالوہاب صاحب ایک مرتبہ حیدر آباد سے دیوبند تشریف لائے اور دارالعلوم کی مشہور عمارت "نودرہ" کے سامنے اپنا سامان رکھوا کر گذرنے والے طلبہ سے دریافت کیا کہ "مولوی محمود الحسن کہاں ہیں"عقیدتمند طلبہ پر یہ انداز گفتگو بڑا گراں گذرا لیکن کیونکہ ایک نو وارد مہمان کی شکل و صورت میں تھے اس لئے برداشت کیا گیا ع

تم ہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے۔

بہر حال جواب دیا گیا کہ "مکان پر تشریف رکھتے ہیں" یہ سُنکر حسب عادت بولے "جاؤ! ان سے کہدو کہ مولانا عبدالوہاب تشریف لائے ہیں" کسی طالبعلم نے حاضر ہو کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے یہی سب کچھ عرض کر دیا۔ سُن کر ایک ہلکے سے تبسّم کے ساتھ فرمایا کہ "ہاں بھائی جاؤ وہ بڑے آدمی ہیں۔ پورے اعزاز و اکرام سے مدرسہ کے مہمان خانے میں اُن کو ٹھہرادو۔"

شام ہوئی تو حضرت والا خود ہی مٹی کے چند برتنوں میں کھانا لے کر تشریف لائے مولانا عبدالوہاب صاحب چار پائی پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے رہے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دیر تک نیچے بیٹھے ہوئے گفتگو فرماتے رہے۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس تمام گفتگو میں حضرت شیخ الہند کا انداز بالکل طالب علمانہ تھا۔ مولانا عبدالوہاب ہمہ دانی کے زعم میں بہت کچھ کہہ ڈالتے اور ادھر ایک خفیف سی مسکراہٹ اور "جی ہاں" "بے شک" کے سوا اور کچھ نہیں۔ عشاء کا وقت قریب تھا، مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور مولانا عبد الوہاب صاحب نے طلبہ سے ترمذی شریف کے درس کا وقت دریافت کر کے مہمان خانہ میں آرام کیا صبح ہوئی تو مولانا عبد الوہاب وقت سے پہلے ہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں موجود تھے۔ حضرت کا درس کے لئے تشریف آوری کا معینہ وقت ہو چکا تھا اور آج خلافِ معمول تشریف لانے میں غیر معمولی تاخیر ہو رہی تھی مولانا عبد الوہاب بار بار طلبہ سے دریافت کرتے کہ "ابھی تک آئے نہیں؟" اور نفی میں جواب پانے کے بعد خود ہی کہتے "آج نہیں آئیں گے، آج تو ان کو کوئی ضروری کام پیش آگیا ہوگا" (مطلب یہ تھا کہ درس میں میری شرکت کی اطلاع نے مولانا کو مرعوب کر دیا اب وہ آکر درس دینے کی ہمت نہیں کر سکتے) طلبہ بھی مولانا عبد الوہاب صاحب کے اس چبھتے ہوئے کلمہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی غیر معمولی تاخیر پر بہت پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ اتنے میں دیکھا سامنے سے حضرت والا گھاڑی کا لمبا سا کرتہ جس میں دو ایک پیوند بھی تھے معمولی کھدر کا پائجامہ سر پر دو پلی ٹوپی ایک ہاتھ میں پان کی ڈبیہ اور دوسرے ہاتھ میں عصا لئے چلے آ رہے ہیں۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ جب درسگاہ میں تشریف لائے تو مولانا عبد الوہاب صاحب نے ایک تیز نگاہ خاص اس مقصد سے ڈالی کہ مولانا مرعوب ہو جائیں لیکن درسگاہ سے باہر یہ انتہائی منکسر المزاج اور خاکسارانہ طور پر پیش آنے والا شخص درسگاہ میں قدم رکھتے ہی غضبناک اور ببری شیر بن جاتا تھا۔ درس شروع ہوا تو مولانا عبد الوہاب نے گردن اٹھا کر نہایت کرخت و بلند آواز میں کہا، "مولانا طحاوی نے تو اس موقعے پر یہ کہا ہے" حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے

بھی لب ولہجہ کی اسی شدّت کے ساتھ جواباً ارشاد فرمایا "مولانا یہ فرمایئے کہ امام ابو حنیفہ رح کیا فرماتے ہیں میں طحاوی کا مقلد نہیں بلکہ ابو حنیفہؒ کی تقلید کرتا ہوں"

سُنا ہے کہ اس مختصر سے ردوبدل کے سوا سننے والوں نے تو کچھ اور نہ سُنا لیکن دیکھا گیا ہے کہ مولانا عبدالوہاب کی تنی ہوئی گردن اس کے بعد آہستہ آہستہ جھکنا شروع ہوئی اور پھر آخر وقت تک سر اُٹھا کر نہ دیکھا بلکہ ایک محویت واستغراق کے ساتھ خاموشی سے سنتے رہے۔

درس ختم ہو گیا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے درسگاہ سے باہر تشریف لے گئے اور مولانا عبدالوہاب صاحب طلبہ کے ہجوم میں چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ "واللہ! حدیث پڑھانے کا اس شخص کو حق ہے" اور یہی مولانا عبدالوہاب ایک معمولی طالب علم کی طرح حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کر رہے تھے۔ [1]

(۲۵۶)

مولوی محبوب علی صاحب دہلوی مرحوم ابتداء میں حضرت سید احمد شہید رح کی جہادی مہم میں شریک تھے لیکن بعد میں اپنے بعض اختلافی نقاط نظر کی وجہ سے دہلی واپس آگئے تھے۔ غدر کے ہنگامہ میں مولوی صاحب کا فتویٰ تھا کہ:۔

"حکومت قائم کے خلاف شورش وبغاوت جائز نہیں"

جب ہنگامہ فرو ہوا تو اپنے اس فتوے کے صلہ میں انگریزی حکومت کی طرف

---

[1] تذکرہ اعزاز ص۴۴ بروایت انظر شاہ۔

سے گیارہ گاؤں کا وثیقہ پیش ہوا کہ   تمھیں یہ جاگیریں حکومت کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔

مولوی محبوب علی صاحب نے وثیقہ لے کر اسی انگریز افسر کے سامنے پھاڑ دیا جس نے وثیقہ پیش کیا تھا۔ غصّہ میں کہہ رہے تھے کہ :۔

"میں نے جو کچھ کیا تمھارے لئے نہیں کیا تھا بلکہ میرے نزدیک مسئلہ کی شکل ہی وہی تھی"۔ [1]

(۲۵۷)

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحہ پھلت میں عقد بیوگان کی طرف مسلمانوں کو ایک دن بر سر منبر توجہ دلا رہے تھے کہ مجمع میں سے کسی نے عرض کیا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مولانا شہید صاحب رحہ سمجھ گئے اور منبر سے نیچے اُتر گئے اور فرمایا کہ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پھر پوچھنا یہ کہہ کر سیدھے پُھلت سے دلّی پہونچے اور اپنی بیوہ بہن کے قدموں پر عمامہ ڈال دیا اور گڑگڑا کر عرض کرنے لگے کہ :۔

"تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں"!

وہ بے چاری حیران تھی کہ قصّہ کیا ہے تب صاف بتایا کہ تمھارے عقد نہ کرنے کی وجہ سے میری دعوت بے اثر ہو جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ مولانا شہید رحہ کی ہمشیرہ صاحبہ حالانکہ بیمار تھیں اور نکاح کی صلاحیت بھی ان میں باقی نہیں رہی تھی لیکن بھائی کے اصرار پر راضی ہو گئیں اور پُھلت ہی کے مشہور عالم سیّد احمد شہید رحہ کے رفیق مخلص مولانا عبدالحی

---

[1] حاشیہ ہذا سوانح قاسمی جلد دوم۔

صاحب سے ان کا نکاح کر دیا گیا۔ ؎۱

(۲۵۸)

میر پنجہ کش بہت خوشخط تھے اور مولانا اسمٰعیل صاحب لکھنے میں مہارت نہ رکھتے تھے ایک دفعہ میر پنجہ کش نے مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم نے لکھنا کیوں نہیں سیکھا۔ مولانا شہید رح نے ایک "جیم" (ج) خود لکھا اور ایک اُن سے لکھوایا اور اُن سے پوچھا کہ یہ کیا ہے کہا کہ "جیم" (ج) اور پھر اپنے لکھے کو پوچھا تو انہوں نے اس کو بھی جیم بتلایا فرمایا کہ بس لکھنا اتنا ہی کافی ہے کہ لکھا ہوا سمجھ میں آجائے باقی فضول ہے۔ ؎۲

(۲۵۹)

کلکتہ میں ایک ملحد نے حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رح سے کہا کہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا خلافِ فطرت ہے کیونکہ اگر فطرت کے موافق ہوتی تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت بھی ہوتی۔

مولانا اسماعیل شہید رح نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر خلافِ فطرت ہونے کی یہی وجہ ہے تو دانت بھی تو خلافِ فطرت ہیں اُن کو بھی توڑ ڈالو کیونکہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت دانت بھی نہ تھے۔ ؎۳

(۲۶۰)

ایک مرتبہ ایک شخص نے مجمع عام میں مولانا اسماعیل شہید رح سے پوچھا کہ

؎۱ سوانح قاسمی ص۹ ؎۲ اشرف التنبیہ ص۳۰ ؎۳ امثال عبرت حصہ دوم ص۱۴

مولانا میں نے سُنا ہے کہ آپ حرامزادے ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید رحنے بہت متانت اور نرمی سے فرمایا تم سے کسی نے غلط کہا ہے، شریعت کا قاعدہ ہے :۔ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشْ سو میرے والدین کے نکاح کے گواہ اب تک موجود ہیں ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے وہ شخص پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ مولانا میں نے امتحاناً ایسا کیا تھا مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کی تیزی سب اللہ کے واسطے ہے۔

ف : اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اُن کی ذات کو جس قدر کوئی کہے وہ اپنے کو اس سے بدتر جانتے ہیں۔ [۱]

(۲۶۱)

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحنے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا آپ نے بعد وعظ اس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے خلوت (تنہائی) میں بٹھا کر یوں فرمایا :۔

"میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں"

اور آپ اپنا پائجامہ دکھلانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ خوب غور سے دیکھنا کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے۔ اس شخص نے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر یہ عیب کیوں ہوتا۔ البتہ میرے اندر ہے مگر اس طریق سے آج تک مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا اب تائب ہوتا ہوں ان شاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔

---

[۱] امثال عبرت حصہ دوم صہ ۱۱۹ ۔

ف: الحمد للہ ہمارے اکابر کا ہمیشہ سے یہ ہی معمول رہا ہے کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے نہایت احترام سے اس کو نصیحت کرتے ہیں تشدد نہیں کرتے۔

(۲۶۲)

حضرت الاستاذ شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ جنہوں نے ابھی چند مہینے پہلے ہمیں داغ فراق دیا ہے اور جن کی یاد میں اب تک علمی دنیا نالاں وگریاں ہے۔ اپنے علمی شغف میں ضرب المثل اور نمونۂ سلف تھے اُن کے بارے میں اپنے رفقاء درس سے سُنا کہ:۔

حضرت والا کی اہلیہ کی حالت نازک تھی لیکن پھر بھی درس گاہ تشریف لے ہی آئے، فجر کی نماز پڑھی، ہدایہ اخیرین بغل میں لی اور اپنے مخصوص انداز میں درسگاہ پہونچے، درس ہدایہ اخیرین جاری ہے، انتہائی سکون اور تسلسل کے ساتھ حضرت مرحوم کی تقریر جاری ہے، اچانک ایک طالب علم خلل انداز ہوتا ہے، پریشان حال طالب علم اطلاع دیتا ہے۔ حضرت والا، "حامد میاں کی والدہ (شیخ الادب کی اہلیہ) کا انتقال ہو گیا۔

یہ صبر و سکون کو ختم کرنے والی دل دوز خبر سُنکر جو بے چینی پیدا ہو سکتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس بڑھاپے میں اہلیہ کا انتقال ہو رہا ہے لیکن اس صبر و عزیمت کے پہاڑ نے کیا کیا اور سُننے والوں نے کیا سُنا، ذرا اُسے بھی سُن لیجئے۔ اس پریشان کن خبر کے بعد بھی آپ کی زبان سے صرف:۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

کی آواز سنی جاتی ہے اور پھر اپنی اُسی شان سے تقریر جاری ہے، صورت مسئلہ کی توضیح ہو رہی ہے، دلائل کی تحلیل ہو رہی ہے نہ تقریر کا تسلسل ٹوٹتا ہے

نہ آواز میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہے بلکہ درس بدستور اپنی پوری عظمت کے ساتھ جاری ہے۔

صبر و عزیمت غیر معمولی علمی شغف کی اس سے بہتر مثال کیا مل سکتی ہے اس کو دیکھ کر کیا خواہ مخواہ اسلاف کی یاد نہیں آجاتی ہے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجزاہ اللہ جزاء موفورا! ع

"خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را"

(۲۶۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کے نواسے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی مہاجر مکی رح کا واقعہ ہے کہ ایک بار آپ بازار میں کچھ خریدنے تشریف لے گئے کوئی چیز خریدی اور ہتھیلی میں سے دام نکال کر دوکاندار کو دیتے ایک بدوی نے دیکھا اور جب آپ چلے آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ اپنے مکان کے قریب گلی میں پہنچے وہ بدوی آپ کے ہاتھ سے ہتھیلی اچک اور وہ جا بہ جا۔ آپ نے اُس کا کوئی تعاقب نہیں کیا اپنے گھر میں داخل ہو کر زنجیر لگالی۔ اب بدوی جو گلی سے نکلنا چاہتا ہے تو رستہ نہیں ملتا لوٹ پھر کر پھر وہاں ہی پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ بہت پریشان ہوا آخر سمجھا کہ یہ شیخ کا مال لینے کے سبب سے ہے۔ دروازہ پر آکر پکارا یا شیخ! یا شیخ! اب شیخ بولتے

بروایت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی فاضل دیوبند مدرس جامعہ رحمانیہ مونگیر بہار، ماہنامہ دارالعلوم ص۱۸، ص۱۹ ماہ جنوری ۱۹۵۶ء،

نہیں پھر اس نے گلی سے نکلنا چاہا مگر رستہ بند پھر شیخ کو پکارا جواب ندارد

آخر اس نے غل مچانا شروع کیا کہ لوگو دوڑو مجھ کو مار دیا محلّہ کے لوگ آئے اور پوچھ بدوی نے کہا اس گھر میں کون رہتا ہے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے لوگوں نے اس کو ڈانٹا کہ اس میں تو ایک بڑے بزرگ رہتے ہیں اُس نے کہا انہیں باہر بلاؤ تب میں بتلاؤں۔ لوگوں نے منّت سماجت کر کے حضرت کو بلایا حضرت تشریف لائے بدوی نے کہا انھوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے کہ :-

"میں نے ان کی تھیلی چھینی تھی اب مجھ کو رستہ نہیں ملتا اب میں تھیلی واپس کرنا چاہتا ہوں تو یہ بولتے نہیں۔ ان سے کہو کہ اپنی تھیلی لے لیں اور میری جان چھوڑیں"

لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ تھیلی لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا :-

"میں تھیلی لے نہیں سکتا جب اُس نے تھیلی چھینی تھی اسی وقت مجھ کو یہ خیال ہوا کہ افسوس یہ شخص اس غصب سے دوزخ میں جاویگا۔ میری طبیعت نے اس کو گوارہ نہ کیا کہ میرے سبب سے میرا ایک بھائی مسلمان دوزخ میں جاوے اس لئے میں نے یہ اس کو ہبہ کر دیا تھا اب ہبہ سے رجوع نہیں کرتا"

ف : حضرت مولٰنا تھانوی رح اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ :-
شیخ پر غلبۂ حال تھا کہ صورت ہبہ کو ہبہ سمجھے اور صورت رجوع کو رجوع سمجھے ورنہ ہبہ بدون قبول موہوب لہٗ کے تام نہیں اور قبول بھی مجلس ہبہ میں شرط ہے اور یہاں دونوں باتیں مفقود تھیں اس لئے یہ ہبہ شرعاً تام نہیں ہوا تو اس سے رجوع کرنا بھی رجوع عن الھبہ نہ

تھا مگر ان حضرات کو درجۂ احتیاط میں صورتِ رجوع سے بھی وہی نفرت تھی جو عین رجوع میں ہوتی ہے۔ [1]

(۲۶۴)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح نے دیوبند میں وعظ فرمایا۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ درمیان میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ حضرت مجھے کچھ عرض کرنا ہے، فراست سے سمجھ گئے کہ کیا کہنا ہے۔ جواب میں فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ ایک ضرورت پیش آگئی ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ استنجا وغیرہ کی ضرورت پیش آئی ہو گی۔

حضرت گھر میں گئے، حضرت کی بڑی بہن بیوہ تھیں۔ پچانوے (۹۵) برس کی عمر میں۔ نہ نکاح کے قابل، نہ کچھ، مگر اعتراض کرنے والے کو اس کی کیا ضرورت ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ :-

"آپ دنیا کو (نکاح بیوگان کی) نصیحت کرتے ہیں۔ مگر آپ کی بہن تو بیٹھی ہے"

گھر میں گئے تو بڑی بہن کے پیروں پر ہاتھ رکھا، انہوں نے گھبرا کر کہا بھئی تم تو عالم ہو یہ کیا کرتے ہو فرمایا :-

"بہر حال میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں، آج ایک سنتِ رسول ؐ زندہ ہوتی ہے اگر آپ ہمت کریں تو آپ پر موقوف ہے"

---

[1] انوار الباری صفحہ ۳۰۔

فرمایا کہ :-

"میں ناکارہ اور سنّتِ رسول ؐ کا احیاء میری وجہ سے ؟"

حضرت نے فرمایا کہ :- "آپ نکاح کر لیجئے"

فرمایا کہ :-

"بھئی تم میری حالت دیکھ رہے ہو، منہ میں دانت نہیں ہے، کمر جھک گئی ہے، ۹۵ برس میری عمر ہے۔ کہا یہ سب میں جانتا ہوں۔ اعتراض کرنے والے اس چیز کو نہیں دیکھتے۔

ہمشیرہ نے یہ سُن کر فرمایا کہ :-

اگر سنّتِ رسول ؐ میری وجہ سے زندہ ہو سکے تو میں جان قربان کرنے کو بھی تیار ہوں۔ اُن کے دیور کی بیوی کا انتقال ہوا تھا اور اِن کے خاوند کا، وہاں پر جو چودہ پندرہ آدمی خاندان کے اُن ہی کے سامنے نکاح پڑھایا گیا۔ گواہ بنا دیئے گئے، اس میں کچھ دیر لگ گئی۔ پھر حضرت نانوتوی رح باہر آئے اور مجمع میں دوبارہ تقریر شروع کی پھر وہی سائل کھڑا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے فرمایا کہیئے۔ اس نے کہا کہ :-

آپ دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں اور آپ کی بہن بیوہ بیٹھی ہے تو ہم پر کیا اثر ہوگا ؟

فرمایا :-

کون کہتا ہے ؟ ان کے نکاح کے تو شاید گواہ بھی یہاں موجود ہونگے۔

دو تین آدمی درمیان میں کھڑے ہوتے اور کہا کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے۔[1]

---

[1] ماہنامہ الرشید ص ۲۳۰ لاہور دارالعلوم دیوبند نمبر

(۲٦۵)

امرتسر میں ایک مرتبہ مذہبی جلسہ ہو رہا تھا۔ مولانا نور احمد امرتسری مرحوم (خطیب مسجد شیخ بڈھا) نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان میں کہا کہ :-

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غصہ نہیں آتا تھا"

ان کے بعد جب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح تقریر کرنے کو اُٹھے تو کہنے لگے کہ :-

"میں مولانا نور احمد صاحب رح کو اپنا استاد کہتا ہوں لیکن یہاں شاگرد استاد سے اختلاف کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ نہیں آتا تھا۔ میں کہتا ہوں غصہ آتا تھا، وہ بشر تھے اور غصہ بشر کی فطرت ہے۔ انسان میں غصے کی غیر موجودگی اس کی غیرت کے منافی ہے۔ ہمیں اپنی محبت و عقیدت میں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ انسان تھے اور انسانی تقاضے اُن کے ساتھ تھے اور یہی ان کی فضیلت ہے کہ وہ انسان ہونے کے باوجود اس قدر بلند و بالا تھے"۔[1]

(۲٦٦)

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح کی ایک تقریر انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے کے موقع پر اسلامیہ کالج

---

[1] بروایت پروفیسر خالد بزمی

ریلوے روڈ لاہور کے وسیع وعریض میدان میں ہوئی۔ جب شاہ جیؒ جلسہ گاہ میں تشریف لائے تو اللہ اکبر، تاج وتخت ختم نبوت، زندہ باد۔ عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ لیکن جب صدر اجلاس میاں ممتاز دولتانہ تشریف لائے جو اُن دنوں پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے تو انھیں عوام کا یہ دلی تپاک نصیب نہ ہو سکا۔ شاہ جیؒ نے دولتانہ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے　　جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے [۱]

(۲۶۷)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بڑے مداح تھے، جن دنوں ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی اور حکومت وقت اس تحریک کو دبانے میں مصروف تھی۔ حضرت مولانا احمد علیؒ نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

حکومت کہتی ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فساد پھیلاتا ہے، ان اللہ کے بندوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر عطاء اللہ شاہ فساد پر آمادہ ہو جائے تو مرزائیت کا قلعہ تادیر قائم نہیں رہ سکتا، میں کہتا ہوں کہ اگر بخاری شام کو حکم دے دیں تو صبح ہونے سے پہلے پہلے ربوہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔

مجھے بتاؤ کہ ایک طرف لاہور کا ڈپٹی کمشنر تقریر کرے اور ایک طرف عطاء اللہ شاہ تقریر کرے تو لوگ کس کی تقریر سنیں گے؟ اگر ایک طرف

---

[۱] بروایت پروفیسر خالد بزمی۔

وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین تقریر کریں اور ایک طرف عطاء اللہ شاہ تقریر کریں تو لوگ کس کی تقریر سنیں گے؟ اگر ایک طرف گورنر جنرل غلام محمد تقریر کریں اور دوسری طرف عطاء اللہ شاہ تقریر کریں تو لوگ کس کی تقریر سنیں گے؟"

اور مولانا احمد علی رح کے جواب میں لوگ ایک آواز میں کہہ رہے تھے۔

عطاء اللہ شاہ کو۔ عطاء اللہ شاہ کو [1]

(۲۶۸)

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح کی رائے بعض مذہبی مسائل میں نہایت واشگاف اور دوٹوک ہوتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ امرتسر میں ایک پیر قسم کے مولوی آئے اور مسجد جان محمد میں یہ تقریر کر گئے کہ :-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوری تھے، اُن کو خاکی یا بشر کہنا آپکی توہین ہے"۔

شاہ جی رح نے مسجد خیر الدین میں اس کا جواب دیا اور کہا :-

"بھائی! مانو یا نہ مانو میرے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہی تھے۔ میں اُن کی اولاد میں شامل ہوں، سارے سیّد اُن کی اولاد میں شامل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ عام بات ہے کہ نسل بدلا نہیں کرتی۔ انسان کی نسل ہی سے انسان پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہ تھے تو میں یہاں تک کہدوں گا کہ جو لوگ سیّد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ

[1] بروایت : وفد خالد نزما

کہاں سے آ گئے"۔ ؎

(۲۶۹)

ایک مرتبہ امرتسر میں کنھیالال کے منڈوے میں مرزا بشیر الدین محمود (آنجہانی) کی تقریر تھی۔ شہر کے اکثر مولویوں نے مسلمانوں کو جانے سے روکا، چنانچہ مرزائیوں کے علاوہ وہاں شاید بہت ہی کم لوگ گئے۔ شیخ عبد العزیز امرتسری مرحوم جو اس واقعہ کے راوی ہیں نے سوچا کہ دیکھوں تو سہی مرزا محمود آخر کیا کہتے ہیں۔ جب تقریر کا وقت ہوا اور مرزا صاحب نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر الحمد للہ کی تفسیر بیان کرنا شروع کی تو نہ جانے اچانک عطاء اللہ شاہ بخاری کہاں سے نکل آئے اور انھوں نے للکار کر کہا کہ:-

"مرزا صاحب آپ قرآن کی تفسیر تو غلط نہ کیجیے"،

مرزا صاحب، عطاء اللہ شاہ صاحب کو دیکھ کر سخت گھبرائے۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے اس جگہ کو بہت محفوظ سمجھ کر وہاں آئے تھے۔

وہاں اس وقت محمد اعظم تھانیدار اور عزیز دین کوتوال حفاظت پر متعین تھے، انھوں نے سرخ سرخ آنکھیں دکھائیں، لیکن شاہ جی رحؒ ان باتوں سے کب ڈرنے والے تھے وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے، آخر لوگوں نے مرزا صاحب کو شاہ جی رحؒ سے مناظرہ کرنے کو کہا، لیکن مرزا نے صاف انکار کر دیا، اس پر کوتوال اور تھانیدار نے شاہ جی رحؒ سے کہا:-

"شاہ جی! مرزا صاحب آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے پر آمادہ

؎ بروایت پروفیسر خالد بزمی

نہیں ہیں۔ ہم نے اُن سے پوچھا ہے۔ اب ہم آپ سے صرف یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کو یہاں سے جانے دیجئے وہ اب یہاں تقریر بھی نہیں کریں گے"۔

شاہ جی رح نے کہا :۔

"کیسے جانے دوں، اگر اس میں جرأت ہے تو سامنے کھڑے ہو کر بات کرے"۔

اس کے بعد شاہ جی منڈوے (سینما ہال) سے باہر آ گئے۔ وہاں اتفاق سے ایک تانگہ کھڑا تھا، شاہ جی رح نے اس پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور آن کی آن میں سارا بازار ایک جلسہ گاہ بن گیا۔ لہ

(۲۷۰)

اکتوبر ۱۹۳۴ء میں قادیان میں احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ صدر تھے۔ لاکھوں آدمی شریک تھے۔ شاہ جی رح نے زبردست تقریر فرمائی۔ یہی وہ تاریخی تقریر تھی جس پر گورداسپور میں مقدمہ چلا۔ دیوان سکھانند مجسٹریٹ دفعہ ۳۰ نے چھ ماہ قید کی سزا دی مگر مسٹر کھوسلہ سیشن جج نے اس قید کو تا برخاست عدالت میں بدل دیا۔ اور وہ تاریخی فیصلہ دیا کہ آج تک ایسی دستاویزات بہت کم نظر آتی ہیں۔ یہ مقدمہ کئی ماہ زیر سماعت رہا۔ ہزارہا لوگ ملک کے طول و عرض سے تاریخ پر گورداسپور آیا کرتے تھے اور شاہ جی رح ہر پیشی پر عدالت کے باہر احاطہ کچہری میں نماز پڑھاتے اور وعظ کرتے اور اپنے موقف کی وضاحت کرتے۔

لہ بروایت شیخ عبدالعزیز امرتسری

جمعتہ الوداع کے دن پیشی تھی۔ نماز پڑھنے کے لیے سارا ملک گوردا سپور پہنچ گیا ہے۔ کئی میلوں میں پھیلا ہوا شاہی گراؤنڈ کھچا کھچ بھر گیا۔ بقول روزنامہ "ٹریبون" چار لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد عوام نے شاہ جی رح کی بیعت کی۔ پگڑی کا ایک سرا شاہ جی رح کے ہاتھ میں تھا اور پھر پگڑی کے ساتھ پگڑی بندھتی گئی اور چاروں طرف پگڑیوں کا جال پھیل گیا اور اس طرح چار لاکھ مسلمانوں نے شاہ جی رح کے ہاتھ پر بیک وقت بیعت کی۔

اس مقدمہ میں شاہ جی رح کے لطائف نے جان ڈال رکھی تھی۔ شاہ جی رح مزے لے لے کر سامعین کو خوش رکھتے اور محفل زعفران زار بن جاتی۔ اس مقدمے میں مسٹر کرم چند سرکاری وکیل تھے۔ بڑے ہوشیار اور لسّان۔ شاہ جی رح کو ان سے اللہ واسطے کی ضد تھی۔ روزانہ ان پر کوئی نہ کوئی پھبتی کس دیتے اور وہ عدالت سے فریادی ہوتے۔ ایک دن مشہور بزرگ سرور شاہ گیلانی عدالت میں کھڑے گواہی دے رہے تھے اور مسٹر کرم چند کرسی پر بیٹھے تھے۔ گیلانی صاحب بوڑھے آدمی تھے جب بات کریں تو ان کے منہ سے تھوک نکلے اور سرکاری وکیل کے سر پر پڑے۔ وہ بار بار گیلانی صاحب کی طرف دیکھیں مگر بھلا گیلانی صاحب کا تھوک کب رکے۔ اس سارے نظارے کو شاہ جی رح دیکھ رہے تھے۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور عدالت کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"جناب! بے شک مجھے جیل بھیج دیجئے۔ میں صفائی نہیں دیتا۔"

عدالت نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ:۔

"گیلانی صاحب نے دو سیر تھوک سرکاری وکیل کے سر پر مل دیا ہے۔ جس سے اس کی صفائی ہو گئی ہے۔ اب مجھے صفائی دینے کی ضرورت نہیں"

سرکاری وکیل فوراً کرسی سے اُٹھے اور کہا واقعی گواہ کا رویّہ قابل اعتراض ہے۔ اس پر شاہ جی رح نے اپنے رومال سے سرکاری وکیل کے سر کو صاف کیا اور رومال دے کر انہیں کہا:۔

ایں رومال است تحفۂ ما (یہ رومال میری طرف سے تحفہ ہے)

جس پر عدالت میں اچھا خاصا مزاح ہو گیا۔[1]

(۲۷۱)

احرار کانفرنس کے سلسلہ میں شاہ جی رح پر مقدمہ چلا۔ اس مقدمہ کا سرکاری وکیل مسٹر کرم چند تھا جس کو بات بات پر IRRELEVANT[2] ارریلیونٹ کہنے کی عادت تھی۔ شاہ جی رح نے ان کا نام ہی مسٹر ارریلیونٹ رکھ دیا تھا۔ مسٹر محمد علی ایم اے کی شہادت ڈلہوزی (پہاڑ) میں ختم ہوئی۔ وہاں سے واپسی پر جب روانہ ہوئے تو شاہ جی رح سے آگے سرکاری وکیل کی کار تھی۔ راستہ میں کہر تھا جس کے سبب راستہ صاف دکھائی نہ دیتا تھا اور پہاڑ بھی گرا ہوا تھا۔ ٹریفک رُک گیا اور سرکاری وکیل نے اُتر کر کہا:۔

"یہ کیا ہوا؟"

اس پر اور کوئی بولا نہیں۔ مگر شاہ جی رح نے نہایت معصومیت سے ہاتھ جوڑ کر فرمایا:۔

---

[1] بروایت سید مظفر علی شمسی [2] بے ربط، غیر متعلق، بے جوڑ

"حضور! یہ پہاڑ بھی اررلیونٹ ہے"۔

سرکاری وکیل شرمندہ ہوگیا۔ اور پہاڑ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ ۱؎

(۲۷۲)

شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ محدّث اور علوم و معارف کا خزینہ تھے۔ عربی علم و ادب کے علاوہ آپ قدیم فارسی کے بھی بہت بڑے ماہر تھے۔

علامہ اقبال مرحوم نے جب ایران کا سفر کیا تو وہاں زرتشتی مذہب کے پیروکاروں نے اُن سے اپنی قدیم کتاب "پاژند" کے سلیس فارسی ترجمہ کی درخواست کی۔ حضرت علامہ اقبال نے جواباً کہا کہ:۔

"اس کا ترجمہ مجھ سے تو ممکن نہیں، البتہ میرے ملک میں ایک ہستی ایسی ہے جو اس کام کو بحسن و خوبی انجام دے سکتی ہے"۔

زرتشتیوں نے ایک لاکھ ایرانی سکے کی پیش کش کی، حضرت علامہ اقبالؒ نے ہندوستان واپس لوٹ کر حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ سے ذکر کیا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے جواب دیا:۔

"لاکھ روپے کے بدلے میں، میں کفر کی اشاعت کیوں کروں، انور شاہ اسلام کے لئے پیدا ہوا ہے اشاعتِ کفر کے لئے نہیں"۔ ۲؎

۱؎ بروایت سید مظفر علی شمسی ۲؎ بروایت اقبال اسد

(۲۷۳)

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سندھ کے تبلیغی دورے سے واپس آئے۔ سفر کی تکان طبیعت ناساز، گلا خراب، افسردہ حال حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح کی خدمت میں آ پہنچے۔ شاہ جی رح خود بھی بیمار تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی، شاہ جی رح مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے پوچھا:۔

"محمد علی کیا حال ہے؟"

مولانا نے جواب دیا:۔

"شاہ جی رح سفر بہت تھا بیمار ہوگیا، تقریریں کرنا پڑیں، طبیعت سخت خراب ہوگئی اور گلا بھی خراب ہوگیا۔"

شاہ جی رح لیٹے ہوئے تھے اُٹھ بیٹھے اور فرمایا:۔

"محمد علی خدا کا خوف کر تیرا گلا اب خراب ہوگیا، یہ پہلے کون سا لحن داؤدی تھا جو اب خراب ہوا ہے۔"

حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے۔ شاہ جی رح خود بھی ہنس دیئے۔ مولانا کی ساری خرابیٔ طبیعت جاتی رہی اور چہرہ کھل گیا[1]

(۲۷۴)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، جو دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں، انھیں فقہی مسائل میں خنزیر کے بارے میں تحقیق

---

[1] مولانا تاج محمود لائلپوری رح

کرنی تھی۔ اس کی تحقیق بھنگی سے زیادہ کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتی تھی، وہی خنزیر پالتے ہیں تو جب حضرت کے گھر کا بھنگی آیا تو اس سے پوچھا کہ فلاں بات خنزیر کے بارے میں کس طرح سے ہے؟ اس نے کہا کہ صاحب، یہ ہے۔ اس وقت سے یہ کیفیت تھی کہ :۔

"جب وہ کمانے آتا اگر بیٹھے ہوتے ہوتے تھے، تو اُس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کو ہدایا بھیجتے تھے اس کی خدمت کرتے تھے۔"

اور فرماتے تھے کہ :۔

"فلاں مسئلے کی تحقیق مجھے اس بھنگی سے ہوئی وہ بمنزلہ استاد کے بن گیا عمر بھر اس کا ادب کیا۔"

ف :۔ اس قصے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص ایک حرف سکھلا دے تو وہ استاد کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور اس کی عزت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ علم میں برکت و ترقی استاد کا ادب و احترام کرنے سے ہی ہوتی ہے۔ طالب علم کتنا ہی ذہین اور قابل ہو لیکن استاد کا ادب واحترام ملحوظ نہیں رکھتا تو اس سے علم کا فیضان جاری نہیں رہ سکتا ہے ع

بے ادب محروم ماند از فضل ربّ [1]

(۲۷۵)

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبی (خانہ کعبہ

---

[1] خطبات حکیم الاسلام ص۴۳ جلد چہارم مرتبہ مولانا محمد ادریس ہوشیاری

کے کنجی بردار) کو بلایا اور فرمایا:۔

"شیبی! وہ وقت تجھے یاد ہے کہ ہجرت مدینہ سے قبل) میں نے لجاجت سے التجا کی تھی کہ دو رکعت پڑھنے کی اجازت دیدے، تو نے ڈانٹ دیا تھا۔ اب تیرا کیا حشر ہونا چاہیے؟"

اس شیبی نے ایک ہی جملہ کہا کہ:۔

اَخٌ کَرِیْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ۔ ایک کریم بھائی اور کریم پیغمبر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"اے شیبیؓ! یہ کعبے کی کنجی تیرے حوالے کرتا ہوں، قیامت تک تیرے ہی خاندان میں رہے گی، کوئی دوسرا اُسے حاصل نہیں کر سکے گا۔ آج سے تو اور تیرا خاندان قیامت تک کے لئے متولّی ہے"۔

اس واقعہ کے بعد عرب میں بیسیوں نئے انقلابات ہوئے حکومتیں بدلیں لیکن شیبی کا خاندان بدستور قائم ہے اور کعبے کی کنجیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ بلکہ مکہ کے آدھے بازاروں پر آج شیبی کا قبضہ ہے۔ اسکی دولت کی کوئی انتہا نہیں۔

اللہ والے بھی عجیب ہیں۔ یہ ہر بات سے اپنی آخرت کا فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ ایک شخص دنیا کا طالب ہو وہ ہیر پھیر کر کے اپنے پیسے کما لیتا ہے۔ یہ اللہ والے ہیر پھیر کر کے دین اور آخرت کما لیتے ہیں۔

دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو نقشبندیہ سلسلہ کے اکابر میں سے تھے، ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ آئے۔ وہیں اُن کی وفات ہوئی اور وہیں

دفن ہوتے۔ اُنھیں یہ حدیث معلوم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے شیبی کو بیت اللہ کی کنجیاں سپرد کی ہیں۔ مکّہ مکرمہ میں چاہے سارے خاندان اُجڑ جائیں مگر شیبی کا خاندان قیامت تک کے لئے باقی رہے گا۔ یہ ان کا ایمان تھا اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسولؐ کا قول تھا۔ تو مولانا رفیع الدین صاحبؒ کو عجیب ترکیب سوجھی۔ واقعی ان بزرگوں کو داد دینی چاہئے کہ کہاں ذہن پہنچا۔

اُنہوں نے کہا جب یہ خاندان قیامت تک کے لئے باقی رہے گا تو اس زمانے میں بھی موجود ہوگا جب امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور ہوگا۔ اس واسطے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے :۔

"مہدی کا قرب قیامت میں ظہور ہوگا تو مکّہ مکرمہ ہی میں ہوگا اور بیت اللہ شریف کی دیوار سے کمر لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے لوگ اُن کے ہاتھ پر آ کر بیعت کریں گے۔"

اور اس وقت کی جو علامات بتلائی گئی ہیں وہ یہ کہ:۔

"پوری دنیا پر نصاریٰ کا قبضہ ہوگا۔ واسطہ بلا واسطہ پوری دنیا پر نصاریٰ کا اقتدار چھایا ہوا ہوگا۔ دوسری علامت یہ بیان فرمائی گئی مُلِئَتِ الدُّنْیَا ظُلْمًا وَّجَوْرًا۔ یعنی پوری دنیا ظلم وستم سے لبریز ہوگی، دین و دیانت کا نشان باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت مکّہ مکرمہ میں مہدی علیہ السّلام کا ظہور ہوگا۔ (ملک) شام کو وہ اپنا مرکز بنائیں گے اور مسلمانوں کی ساری قوّت شام میں سمٹ آئے گی۔ دجّال اور مغربی طاقتوں کا مقابلہ ہوگا، ملحمۂ کبریٰ واقع ہوگا یعنی سب سے بڑا جہاد اس زمانہ

میں ہوگا اور تین معرکے ہوں گے لاکھوں آدمی اس میں قتل ہوں گے یہ عظیم جہاد ہوگا۔ اس جہاد کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے مجاہدین کو وہ اجر ملے گا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین صحابہؓ کو اجر دیا گیا تھا"

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا ایمان تھا کہ شیبی کا خاندان قیامت تک ضرور رہے گا اور جب حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا جب بھی یہ مکہ ہی میں ہوگا جب وہ بیت اللہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور مسلمانوں سے بیعت کریں گے تو بیت اللہ کے دروازے کی کنجیاں شیبی ہی کے خاندان کے پاس ہوں گی۔ اور وہ اس وقت بھی موجود ہوگا۔ یہ چند کڑیاں ملا کر مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حمائل شریف اور ایک تلوار، یہ دونوں لیں اور امام مہدی علیہ السلام کے نام ایک خط لکھا کہ:-

"فقیر رفیع الدین دیوبندی مکہ معظمہ میں حاضر ہے اور آپ (اپنے) زمانہ میں جہاد کی ترتیب کر رہے ہیں۔ مجاہدین آپ کے ساتھ ہیں۔ جن کو وہ اجر ملے گا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین کو ملا تھا۔ رفیع الدین کی طرف سے یہ حمائل تو آپ کی ذات کے لئے ہدیہ اور یہ تلوار کسی مجاہد کو دے دیجئے کہ وہ میری طرف سے جہاد میں شریک ہو جائے اور مجھے وہ اجر مل جائے جو غزوۂ بدر کے مجاہدین کو ملا (تھا)"

یہ خط لکھ کر کے تلوار اور حمائل شیبی کے سپرد کی جو اُن کے زمانہ میں شیبی تھا اور کہا کہ:-

"تمہارا خاندان قیامت تک رہے گا اور مہدیؑ کے ظہور تک یہ امانت ہے تم جب انتقال کرو تو جو تمہارا قائم مقام ہو اسے وصیت کر دینا اور اس سے یہ کہہ دینا کہ جب اس کا انتقال ہو وہ اپنی اولاد کو وصیّت کرے کہ رفیع الدین کی یہ تلوار اور حمائل شریف اس زمانے میں جو شیبی ہو وہ میری طرف سے امام مہدیؑ کو یہ دونوں ہدیئے پیش کردے حمائل شریف اُن کی ذات کے لئے تحفہ ہے اور تلوار امانت ہے کہ وہ کسی مجاہد کو میری طرف سے دے دیں تاکہ جب وہ جہاد میں شریک ہو تو میری بھی شرکت ہو جائے اور اس اجر میں، میں بھی حصّہ پالوں"

کہاں کی بات انہوں نے سوچی۔ اس حدیث سے انہوں نے کس طرح کام لیا کہ اعلیٰ ترین جہاد کے اندر اپنی شرکت کرلی۔

ف:۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ والے نیکیوں پر اتنے حریص ہوتے ہیں کہ چاہیے ان کا گھر بھر جائے نیکی سے لیکن انہیں خیال ہو کہ نیکی یہاں سے مل جائے گی جھٹ وہاں بھی پہنچ جائیں گے کہ اسے بھی کیوں نہ سمیٹ لیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ جنت اور ساری نعمتوں پر ان کا قبضہ ہو جائے۔ یہ اللہ والوں کا مزاج ہے۔ لیکن یہ بھی اللہ والوں کا مزاج ہے کہ دنیا بقدر ضرورت لیتے ہیں [1]

(۲۷۶)

تحریک عدم تعاون کے سلسلہ میں ایک بار علامہ حسین میر کاشمیری گرفتار ہو کر کیمبل پور جیل میں چلے گئے۔ جماعتی دوستوں میں سے خصوصًا

---

[1] ملخصًا از خطبات حکیم الاسلام ص۹۸-۱۰۱ جلد چہارم مرتبہ مولانا محمد ادریس ہوشیار پوری۔

چوہدری افضل حق رح نے جماعتی احباب کا اہم اجلاس دفتر مرکزیہ مجلس احرار لاہور میں طلب کیا۔ چنانچہ اجلاس میں یہ فیصلہ طے پا گیا کہ علامہ صاحب سے جیل میں ملاقات کے لئے ان حضرات پر مشتمل ایک وفد بھیجا جائے اور اس قدر رقم ان کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دی جائے تو یکایک باہر سے کسی نے بند کمرے کا دروازہ خوب زور سے کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ پہلے تو شرکاءِ اجلاس کو اس حرکت پر بہت غصہ آیا۔ مگر جب دوسری بار اسی انداز سے دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو چوہدری افضل حق رح صاحب نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ دیکھتے ہیں علامہ حسین میر اپنے کندھوں پر بستر اٹھائے کھڑے ہیں۔ چوہدری صاحب نے دیکھتے ہی اظہارِ حیرت کے طور پر فرمایا:۔

"اے علامہ! تم کیسے؟"

علامہ حسین میر نے اتنے میں اپنا بستر اجلاس کے عین وسط میں لا کر زور سے پٹک دیا اور دوسری طرف متوجہ ہو کر بولے:۔

"شاہ جی! میں تو انگریز اور انگریز کی جیل پر لعنت بھیج کر آ گیا ہوں"۔

ایک صاحب نے پوچھا:۔

"علامہ! لعنت کے معنی"

جھٹ بولے:۔

"لعنت! یعنی لکھ کر دے آیا ہوں"۔

پھر گویا ہوئے:۔

تمہارا مقصد انگریز سے عدم تعاون ہے، جب جیل سے باہر ہوتے ہیں تو انگریزوں کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جیل سے باہر نہ جائیں

اور جب جیل کے اندر چلے جاتے ہیں تو ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جیل سے باہر نہ جائیں۔ میں نے یہی سمجھا کہ جیل میں بھی عدم تعاون کرنا چاہیئے"۔

علامہ حسین میر کی یہ نرالی منطق سن کر محفل زعفران زار بن گئی۔ [۱]

(۲۷۷)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند مظفر نگر تشریف لے گئے۔ یہ ایک ضلع ہے جو دیوبند سے سولہ [۱۶] میل کے فاصلے پر ہے۔ حضرت کے ایک مرید ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ جو جیل کے ڈاکٹر تھے۔ وہیں اُن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ حضرت نانوتوی رح، ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لئے جیل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت نانوتوی رح کے ساتھ اُن کا ایک مرید اللہ دین تھا جس کی گوشت کی دوکان تھی، بے پڑھا لکھا تھا۔ اُس نے حضرت سے سوال کیا :-

"حضرت جی! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پیشین گوئیاں انبیاء علیہم السلام بھی کرتے ہیں، اولیاء کرام بھی کرتے ہیں۔ انبیاء کرام وقت بھی متعین کر دیتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی فلاں وقت پوری ہوگی اور ٹھیک مقررہ وقت پر وہ بات پیش آتی ہے۔ مگر اولیاء اللہ پیشین گوئی کرتے ہیں اور وقت متعین کرتے ہیں۔ بعض دفعہ وقت سے پہلے ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ وقت کے بعد، ٹھیک وقت پر نہیں ہوتی کیا یہ لوگ غلط دیکھتے ہیں۔ کیا اولیاء اللہ، معاذ اللہ غلط گوئی کرتے

---

[۱] بروایت مولانا مجاہد الحسینی

ہیں ؟ یا انہیں خبر نہیں ہوتی ؟ تو کیا ضرورت ہے پیشین گوئی کرنے کی۔ جب انہیں کسی بات کا علم ہی نہیں "

اب یہ سوال بہت باریک ہے۔ نبی اور ولی کے کشف کا سوال ہے ایک جاہل آدمی پوچھ رہا ہے جسے نہ کشف کی خبر، نہ کشف کی حقیقت سے آگاہی۔ اب اگر حضرت کشف کی حقیقت بیان کرتے ہیں اور کشف کی میعاد اور مدت سے بحث کرتے تو وہ کیا سمجھتا۔ پڑھا لکھا تو تھا ہی نہیں۔

حضرت نے فرمایا :۔

میاں اللہ دین! یہ سامنے جو عمارت نظر آ رہی ہے۔ یہ کیا عمارت ہے ؟ اس نے کہا کہ جیل خانہ ہے۔ جیل خانہ وہاں سے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ فرمایا یقینی بات ہے کہ جیل خانہ ہے ؟ کہ جی ہاں بالکل یقینی ہے۔ میں حلف اٹھا لوں گا کہ یہ جیل خانہ ہے۔ فرمایا یہاں سے کتنی دور ہے ؟ اس نے کہا اندازاً چار سو قدم ہو گا۔ فرمایا کہ چار سو کے تین سو پچانوے اور چار سو پانچ بھی ہو سکتے ہیں ؟ کہنے لگا جی ہاں ہو سکتے ہیں۔ یہ تو میرا ایک تخمینہ ہے۔ پانچ کم ہو جائیں یا پانچ زیادہ ہو جائیں یہ یقینی ہے کہ یہ جیل خانہ ہے۔ حضرت خاموش ہو گئے اور برابر چل رہے ہیں۔

جب جیل کے دروازے کے بالکل قریب پہنچ گئے اور اسکی دیوار بالکل ایک گز رہ گئی تو فرمایا اللہ دین یہ کیا عمارت ہے ؟ کہا کہ جیل خانہ ہے۔ فرمایا کہ یقینی ہے ؟ کہ جی اب تو اور بھی یقینی ہے۔ فرمایا کتنا دور ہے ؟ اس نے کہا جی ایک گز۔ فرمایا گز کی جگہ ڈیڑھ گز بھی ہو سکتا ہے یا پونے دو گز

اس نے کہا۔ نہیں ٹھیک ایک گز ہے۔ کہو ناپ کے بتادوں۔

فرمایا:۔

"یہی نبی اور ولی کے کشف میں فرق ہے۔ یہ تمہارے سوال کا جواب ہے جو چیز نبی دیکھتا ہے وہی ولی بھی دیکھتا ہے مگر ولی دور سے دیکھتا ہے اپنے اندازے اور تخمینے سے مدّت متعیّن کرتا ہے اس میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور نبی کو شئے کے سر پہ لاکر کھڑا کر دیتے ہیں وہ جو مدّت مقرر کرتا ہے ٹھیک پنی تلی ہوتی ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی" [1]

(۲۷۸)

ایک دفعہ جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ تھا جمعہ کا دن تھا۔ مسجد میں جگہ ناکافی ثابت ہوئی۔ اسلئے کمپنی باغ میں انتظام کیا گیا۔ شاہ جی رح نے ابھی خطبۂ مسنونہ تلاوت کرنا شروع ہی کیا تھا کہ کسی نے شہد کی مکھیوں کا چھتّہ چھیڑ دیا۔ مجمع منتشر ہونے لگا۔ شاہ جیؒ نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

پتھروں کی طرح جم جاؤ!

لوگ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ شہد کی مکھیوں نے شاہ جیؒ کے چہرے پر ڈنک مارنا شروع کیا۔ شاہ جی کا تمام چہرہ مکھیوں سے بھر گیا اور وہ اسی حالت میں بغیر جنبش کے خطبہ پڑھتے رہے۔ آخر ایک مکھی نے شاہ جی صاحبؒ کی آنکھ کے کونے میں ڈنک مارا۔ شاہ جی نے جھرجھری لی۔ مجمع میں سے ایک آدمی نے دونوں ہاتھوں سے آپکے چہرے سے مکھیوں کو اتارا۔ شدّت کا

---

[1] خطبات حکیم الاسلام جلد چہارم صـ۱۹۱ تا ۱۹۵ ملخصاً

بخار چڑھا۔ منہ سوج گیا۔ اسی حالت میں پہنچے وہ بھی جلسہ تھا شاہ جی رح کا چہرہ سوجا ہوا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تقریر فرما رہے تھے۔ جب مولانا تقریر ختم کر چکے تو شاہ جی رح نے فرطِ عقیدت و محبّت سے مولانا کو کرسی سمیت اُٹھا لیا اور مجمع کو مخاطب کر کے فرمانے لگے :۔

مجھے ایک سال کی تقریروں کے موضوع مل گئے [1]

(۲۷۹)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے حضرت مولانا شاہ محمّد یعقوب صاحب دہلوی ثم مہاجر مکّی کا واقعہ ہے کہ ایک بار آپ بازار میں کچھ خریدنے تشریف لے گئے کوئی چیز خریدی اور تھیلی میں سے دام نکال کر دوکاندار کو دیئے ایک بدوی نے دیکھا اور جب آپ چلے، آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ اپنے مکان کے قریب پہنچے وہ بدوی آپ کے ہاتھ سے تھیلی اُچک اور وہ جا یہ جا۔ آپ نے اس کا کوئی تعاقب نہیں کیا اپنے گھر میں داخل ہو کر زنجیر لگالی۔ اب بدوی جو گلی سے نکلنا چاہتا ہے تو راستہ نہیں ملتا۔ لوٹ پھر کر پھر وہاں ہی پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ بہت پریشان ہوا۔ آخر سمجھا کہ یہ شیخ کا مال لینے کے سبب سے ہے۔ دروازہ پر آ کر پکارا یا شیخ! یا شیخ! اب شیخ بولتے نہیں پھر اس نے گلی سے نکلنا چاہا مگر راستہ بند پھر شیخ کو پکارا جواب ندارد آخر اس نے غل مچانا شروع کیا کہ :۔

---

[1] بروایت حافظ لدھیانوی

"لوگو! دوڑو مجھ کو مار دیا۔"

لوگ آئے اور پوچھا بدوی نے کہا اس گھر میں کون رہتا ہے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ لوگوں نے اس کو ڈانٹا کہ اس میں تو ایک بڑے بزرگ رہتے ہیں اس نے کہا انہیں باہر بلاؤ تب میں بتلاؤں۔ لوگوں نے منت سماجت کر کے حضرت کو بلایا حضرت تشریف لائے۔ بدوی نے کہا انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے کہ :۔

"میں نے ان کی تھیلی چھینی تھی اب مجھ کو رستہ نہیں ملتا اب میں تھیلی واپس کرنا چاہتا ہوں تو یہ بولتے نہیں۔ ان سے کہو کہ اپنی تھیلی لے لیں اور میری جان چھوڑیں۔"

لوگوں نے حضرت سے کہا کہ تھیلی لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا :۔

"میں تھیلی لے نہیں سکتا جب اس نے تھیلی چھینی تھی اُسی وقت مجھ کو یہ خیال ہوا کہ افسوس یہ شخص اس غضب کی وجہ سے دوزخ میں جاوے گا میری طبیعت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ میرے سبب سے میرا ایک بھائی مسلمان دوزخ میں جاوے اس لئے میں نے یہ اس کو ہبہ کر دیا تھا اب ہبہ سے رجوع نہیں کرتا۔"

ف : حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ :۔

شیخ پر غلبۂ حال تھا کہ صورت ہبہ کو ہبہ سمجھے اور صورت رجوع کو رجوع سمجھے ورنہ ہبہ بدون قبول موہوب لہٗ کے تام نہیں اور قبول بھی

مجلس ہبہ میں شرط ہے اور یہاں دونوں باتیں مفقود ہیں۔ اس لئے یہ ہبہ شرعاً تام نہیں ہوا تو اس سے رجوع کرنا بھی رجوع عن الہبہ نہ تھا۔ مگر ان حضرات کو درجہ احتیاط میں صورت رجوع سے بھی وہی نفرت تھی جو عین رجوع میں ہوتی ہے۔[1]

(۲۸۰)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بانی و امیر اوّل مجلس تحفظ ختم نبوت، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان کے ہمراہ قطب الارشاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر شریعت حضرت شاہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ:۔

(حضرت! میں نے مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام ایک شعبہ تبلیغ ختم نبوت قائم کیا ہے (بعد میں تقسیم ملک کے کافی عرصہ بعد مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام سے ردِّ قادیانیت کے لئے باضابطہ ایک جماعت تشکیل دی گئی جس کے سب سے پہلے امیر حضرت امیر شریعتؒ منتخب ہوئے۔ الحمدللہ یہ جماعت آج بھی قائم ہے اور غیر سیاسی جماعت کی حیثیت سے ملک و بیرون ملک کام کر رہی ہے) اس شعبہ تبلیغ ختم نبوت کا کام صرف اور صرف ختم نبوت کا تحفظ اور ردّ قادیانیت

---

[1] انوار الیتامیٰ ص۳۰

اور تبلیغ اسلام ہے۔ اس سے سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں"۔
یہ سنکر حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے فرمایا کہ :-
"اس شعبہ کی رکنیت کی سالانہ فیس کتنی ہے"۔
حضرت امیر شریعت رح نے عرض کیا کہ :-
"ایک روپیہ سالانہ"
حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے پچیس روپے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ :-
"پچیس سال کی رکنیت کی فیس ہے اور اگر میں ان پچیس سالوں میں فوت ہوگیا تو ختم نبوت (جماعت) کے رکن کی حیثیت سے میری موت ہوگی اور خدا کرے اسی طرح ہو"۔
اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اور حسنِ اتفاق کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال اسی عرصہ میں ہوا۔ [1]

(۲۸۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے احادیث نبوی سے غیر معمولی محبت تھی اسی سبب سے تعلیم حدیث کے دوران ہمیشہ یہ اہتمام کیا کہ کوئی حدیث بلا وضو نہ پڑھی جائے۔ اس سلسلہ کا دلچسپ واقعہ خود حضرت شیخ الحدیث کی تحریر میں منقول ہے خود حضرت ہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے :-
"میرا اور میرے مرحوم شریک سبق (مولانا) احمد حسن سہارنپوری رح

---

[1] ہفت روزہ لولاک فیصل آباد ص ۱۳ جلد ۲۰ نمبر ۴۳-۹ ار جنوری ۱۹۸۴ء۔

کا دستور تھا کہ ہم میں جس کو وضو کی ضرورت پیش آتی وہ دوسرے کو کہنی مار کر اُٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی فوراً ابّا جان (حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) پر کوئی اشکال کر دیتا، اگرچہ اسکی نوبت تو بہت کم آتی تھی مہینے دو مہینے میں اس کی نوبت آتی تھی اسلئے کہ صحت اچھی تھی پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آجاتی، والد صاحبؒ پہلی ہی مرتبہ سمجھ گئے تھے کہ ایک دم ایک ساتھی اُٹھا ایک منٹ میں آستین اُتارتا ہوا بھاگا ہوا آرہا ہے اس سے اُن کو اندازہ بھی ہوگیا اور اس چیز سے اُن کو مسرّت بھی تھی۔

ایک دفعہ احمد حسن مرحوم میرے کہنی مار کر ایک دم اٹھا اور اُس کے اُٹھتے ہی میں نے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سے عرض کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے اور بالکل بے سوچے سمجھے کہا۔ میرے ذہن میں بالکل ہی نہ تھا کہ فتح القدیر میں کیا لکھا ہے۔ لیکن میرے والد صاحب اس فقرے پر بے ساختہ ہنس پڑے اور کتاب میں نشان رکھ کر اس کو بند کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک احمد حسن آوے میں تمہیں ایک قصہ سناتا ہوں میں تمھاری فتح القدیر سے کہاں لڑتا پھروں گا۔[1]

(۲۸۲)

حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی کالج کے اساتذہ

[1] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۳۲۹

میں منفرد مقام کے مالک تھے انتہائی متقی اور پرہیز گار تھے۔ ایک مرتبہ رزیڈنٹ بہادر مدرسہ (دہلی کالج) کے معائنہ کو آئے مولانا نے (مجبوراً) ان (صاحب بہادر) کے علم اور رتبے کے لحاظ سے ہاتھ ملایا۔ جب تک صدر بہادر وہاں رہے۔ انہوں نے ہاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی چیز کو دور رکھتا ہے۔ صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کئی بار دھویا۔ کسی نے جاکر صاحب سے یہ بات لگا دی۔ اُن کو بہت غصّہ آیا کہ :-

"ہم نے تو ہاتھ ملاکر اُن کی عزّت افزائی کی۔ انہوں نے اس طرح ہماری توہین کی"

غرض بڑی مشکل سے یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔ [۱]

ف : علماء دیوبند اپنی انگریز دشمنی میں بہت مشہور رہیں۔ اُس کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی کہ ابتداء ہی سے اساتذہ کے ذریعہ اُن میں دین کی محبّت اور انگریز کی نفرت پیدا کی جاتی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ انگریز نے مسلمانوں کی حکومت ختم کی، بڑے بڑے دولت مند لوگوں کو تباہ و برباد کیا، اور مسلمانوں ہی میں انگریز کے وفادار اور اسلام اور شریعتِ اسلام کے مخالف پیدا کئے۔ مسلمانوں میں باہمی مذہبی منافرت کا بیج بویا اور طرح طرح کے فتنے جھگڑے کھڑے کئے۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمّد قاسم نانوتوی رح کے اُستاد تھے۔

---

[۱] سہ ماہی اُردو ص ۲۷ کراچی ماہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۴ء۔

(۲۸۳)

حضرت مولانا محب الدین صاحب ولایتی رح حضرت (حاجی صاحب رح)
کے مجاز تھے اور بڑے صاحب کشف تھے ایک دفعہ اُن کو یہ خیال ہوا کہ:-

"حدیث میں ایسی نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے، جس کیلئے
کامل وضو کیا جائے، پھر دو رکعت ایسی پڑھی جائیں کہ اُن
میں کوئی خیال نہ آئے"!

وہ عالم تھے۔ انہوں نے دل میں کہا کہ:-

"افسوس! ساری عمر میں ایسی دو رکعت بھی نصیب نہ ہوئیں۔
لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسی ہی پڑھ لیں"!

چنانچہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ خطرات کو روکنے کے لئے انہوں نے
نماز میں آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کرنے سے انہیں یکسوئی ہو گئی۔
پھر ہوس ہوئی کہ دیکھیں عالم مثال میں اس نماز کی شکل کیا ہو گی۔
متوجہ ہو کر دیکھا تو اس نماز کی صورت سامنے آئی کہ:-

"نہایت حسین وجمیل سر سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ
آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے جو دیکھا تو اُن
میں روشنی نہیں تھی"!

اُن کو تعجب ہوا کہ اس نماز میں کونسی کسر رہ گئی۔ رفع تردد کے لئے حضرت
حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔
گو انہوں نے تفصیل اسکی نہیں بیان کی تھی کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے
نماز پڑھی تھی صرف خلاصہ عرض کیا تھا کہ ایسی نماز خطرات سے خالی

پڑھی تھی۔

حضرت نے سُنتے ہی فرمایا کہ :-

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے دفع خطرات کے لئے آنکھیں بند کر لی ہوں گی"۔

اُنھوں نے عرض کیا کہ۔ "جی ہاں" "آنکھیں تو میں نے ضرور بند کر لی تھیں تاکہ خطرات نہ پیدا ہوں۔

حضرت نے فرمایا کہ :-

"چونکہ یہ سنّت کے خلاف تھا اس لئے یہ صورت نقص دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے تو خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سنّت کے موافق ہوتی، وہ زیادہ مقبول ہوتی"۔ [۱]

(۲۸۴)

حضرت علاّمہ سیّد عبدالرحمٰن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ اتباع شریعت اور مشتبہات سے احتراز اور شانِ تقویٰ میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ علاّمہ چچا سیّد امام علی نے جو پولیس میں داروغہ تھے۔ مولانا کے مکان سے ملا کر اپنا مکان بنایا۔ تو مولانا نے اس گلی سے گذرنا چھوڑ دیا طویل فاصلہ طے کر کے دوسری طرف سے مسجد وغیرہ جاتے تھے۔ لوگوں کے اصرار پر فرمایا کہ :-

"چچا پولیس میں داروغہ ہیں۔ انہوں نے (ہو سکتا ہے)

---

[۱] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح اور انکے خلفا صـ ۲۲۶-۲۲۷ از ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن

اس (مکان) کی تعمیر میں رشوت کا پیسہ بھی لگا یا ہوگا۔ اس لئے میں اس کے سائے سے بھی احتیاط کرتا ہوں"۔ ؎۱

(۲۸۵)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ اصحاب عزیمت میں سے تھے۔ تقویٰ اور ورع میں اُن کی مثال اسلافِ صالحین کے بغیر کہیں نہیں ملتی۔ اس حرص وشوق کا مظاہرہ پچھتر سال کی عمر میں بھی قابلِ دید تھا۔ جب کہ انتہائی کمزور ہو گئے تھے اور ہاتھوں میں رعشہ کی تکلیف بھی تھی مشکل ترین اوقات میں بھی حرم شریف کی نماز نہیں چھوڑتے تھے اور پہلی صف میں پہنچنے کی غرض سے دوسروں سے سبقت لے جاتے۔ ایک دن ہنگامی بارش کی وجہ سے جب راستے بند ہو گئے، چراغ ہاتھوں میں لیا اور حرم شریف میں جا پہنچے :-

"راستوں میں پانی چل رہا تھا اور قدموں پر کنکر لگتے تھے مگر اس کے باوجود حرم شریف میں پہلی صف میں نماز ادا کی"۔ ؎۲

(۲۸۶)

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔ قدیم علمائے دیوبند کی طرح اُن کو انگریزوں سے نفرت اور ان کی تعظیم و اُن کے احترام سے اجتناب

؎۱ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح اور اُن کے خلفاء صد ۶۲۔

؎۲ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح اور اُن کے خلفاء صد ۱۶۱۔

تھا۔ وہ ایک مرتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تشریف فرما تھے۔ اتفاق سے اسی دن ڈائریکٹر آف ایجوکیشن معائنہ کے لئے ندوہ آیا۔ مولانا دفتر میں تشریف فرما تھے۔ انگریز ڈائریکٹر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ چند مقامی ارکان انتظامی اور ندوہ کے عہدہ دار تھے سب لوگ اسکی تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے لیکن :۔

"مولانا نہ کھڑے ہوئے نہ ملتفت ہوئے۔ یہاں تک کہ اُس کو اپنی اہانت محسوس ہوئی اور اُس نے ترش لہجے میں پوچھا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟"

منشی احتشام علی صاحب کاکوروی جو ہمراہ تھے اُنہوں نے موقع و محل کے لحاظ سے اس کی تاویل کی اور ڈائریکٹر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ [1]

(۲۸۷)

جس زمانے میں سود کے جواز و عدمِ جواز کی بحث زور و شور پر تھی حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو پنجاب کے سفر میں لاہور میں قیام کرنا ہوا، لاہور کے علماء و زعماء فرودگاہ پر جمع ہو گئے جن میں — "مولانا ظفر علی خاں"، "اخبار زمیندار"، والے بھی تھے موصوف بھی اُسی گروہ سے تعلق رکھتے جو سود خوری کو مسلمانوں کے لئے سودمند سمجھتا تھا اس نیّت سے کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے کوئی جواز حاصل کر لیا جائے سوال کیا تو حضرت نے ڈیڑھ دو گھنٹہ سود کی حرمت، اس کی ہلاکت و بلا انگیزیوں پر سیر حاصل گفتگو کی جو ظفر علی خاں کے مقصد کے بالکل

---

[1] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحؒ اور اُن کے خلفاء صفحہ ۲۷۹ - ۲۸۰

خلاف پڑی وہ بھی جہاں دیدہ تھے اسلوب بدل کر پھر سوال کیا تو شاہ صاحب رحؒ نے اپنے خصوصی انداز میں فرمایا کہ :۔

"بھائی! ہم مسئلہ کشف کر چکے اب جس کو جہنم میں جانا ہو چلا جائے لیکن ہماری گردنوں کو پُل نہ بنائے"۔[۱]

(۲۸۸)

ایک دن دیوبند کے ایک صاحب نے آکر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کیا اور کچھ رقم طلب کی۔ حضرت مدنی رحؒ نے فوراً ہی پانچ روپے عنایت فرمائے۔ کسی نے عرض کیا کہ :۔

"حضرت! یہ شخص تو علماء کو گالیاں دیتا ہے"۔

آپ رحؒ نے فرمایا :۔

"اسی وجہ سے تو میں نے اسکو روپے دیئے ہیں۔ اس کو خیال تو ہوگا کہ علماء سے روپے ملتے ہیں، ان کو گالیاں نہ دینی چاہئیں"۔[۲]

(۲۸۹)

سنہ ۱۹۴۷ء کے فسادات ہند میں جب کہ ہر طرف مسلمانوں پر ظلم کیا جا رہا تھا اور چاروں طرف قتل وغارت گری عروج پر تھی۔ حضرت

---

[۱] نقش دوام جلد اوّل صہ ۲۳۸ حاشیہ۔

[۲] انفاس قدسیہ۔

شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولوی ظہیر الحسن شہیدؒ کی تعزیت کے لئے کاندھلہ تشریف لے گئے۔ اس دوران آپ نے مسلمانوں کو تسلّی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"ہمّت واستقلال کے ساتھ ہندوستان میں جمے رہو!
مدینہ منوّرہ میں میرے ذاتی مکانات بھی ہیں اور بھائی بھتیجے بھی، مجھے ہندوستان میں رہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں پھر بھی میں نے طے کر لیا ہے کہ ہندوستان نہیں چھوڑونگا۔ اس لئے کہ مخلوق خدا کی جو خدمت یہاں رہ کر انجام دے سکتا ہوں وہ مدینہ منورہ میں نہیں ہو سکتی"۔

اسی کشت وخون کے دوران بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمّد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو حالات سے سخت متاثر تھے چہرہ مبارک سے غیض وغضب کے آثار ظاہر تھے۔ آپ نے بھرّائی ہوئی آواز میں فرمایا:۔

"میں نے تو ہندوستان میں مرنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

چنانچہ حضرت مدنی رحؒ نے وہ فیصلہ پورا کر دکھایا۔ [۱]

(۲۹۰)

ایک سال جب کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حج کو تشریف لے جانے والے تھے۔ شعبان کے مہینے میں ایک صاحب مظفر نگر

---

[۱] بروایت مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی رحؒ

سے تشریف لائے اور حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ :-

"میں طے کر چکا ہوں کہ اپنی لڑکی کا نکاح اگر پڑھواؤں گا تو صرف آپ سے ورنہ نہیں۔ خواہ لڑکی بوڑھی ہو جائے۔"

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :-

"اب تو بخاری شریف کے ختم کا موقع ہے۔ شوال کے مہینے میں ان شاء اللہ دیکھا جائے گا۔"

بات رفت گذشت ہو گئی۔ شوال کے مہینے میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ٹانڈہ سے تشریف لائے اور وہ تاریخ بھی آگئی جس کی شام کو پانچ بجے دھرہ ایکسپریس سے حضرت بمبئی کے لئے روانہ ہونے والے تھے۔ وہ مظفر نگر والے صاحب گیارہ بجے دوپہر کو تشریف لاتے اور عرض گذار ہوئے کہ :-

"حضرت! آج لڑکی کا نکاح ہے تشریف لے چلیے۔"

اس وقت کی حالت یہ تھی کہ دولت کدہ پر تقریباً پانچ سو مہمان موجود تھے۔ سفر حج کے لئے سامان مکان کے اندر سے باہر نکالا جا رہا تھا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس کی نگرانی فرما رہے تھے۔ اور اس کو خود ترتیب سے رکھا رہے تھے۔ ٹیکہ کی وجہ سے حضرت کو حرارت بھی تھی لیکن جوں ہی وہ صاحب کہتے ہیں کہ :-

"حضرت! آپ نے شوال کا وعدہ کیا تھا آج نکاح کی تاریخ ہے تشریف لے چلیے۔"

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بے چون وچرا تانگہ منگوا کر اسٹیشن جانے کے لئے فوراً اس پر سوار ہو گئے اور ایفائے عہد کی غرض سے مظفر نگر تشریف لے گئے۔[1]

---

[1] انفاس قدسیہ

(۲۹۱)

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بعض خصوصیات میں منفرد تھے نیند پر آپ کو اس قدر قابو تھا کہ جب چاہتے چند منٹ کے لئے سو جاتے اور پھر وقت پر اُٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔ بکثرت ایسا ہوتا کہ سفر میں یا جلسہ گاہ میں دو بجے رات تک جاگنا پڑتا مگر باایں ہمہ کبھی تہجد کا ناغہ نہیں ہوتا۔ جلسہ گاہ سے آتے سو جاتے اور پھر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد دیکھا جاتا کہ آپ تہجد میں کھڑے ہیں اور پھر اسی حال میں صبح ہو جاتی۔ ٹرینوں میں بھی آپکے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا۔ مولانا محمد اویس ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ:-

"ایک دفعہ اعظم گڑھ کی طرف سے حضرت کی واپسی ہوئی۔ میں بھی ساتھ ہو گیا رات کا وقت تھا جب حضرت نے محسوس کیا کہ لوگ آرام کی نیند لے رہے ہیں آپ خاموشی سے اُٹھے وضو فرمایا اور تہجد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں یہ سب دیکھ رہا تھا مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بھی وضو کر کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر پوری رات حضرت نے اُسی طرح گذار دی"!

اسی طرح صاحبزادہ مولانا اسعد مدنی صاحب مدظلہ، نے بیان فرمایا کہ:-

"ایک مرتبہ میں تنہا حضرت کے ساتھ سفر میں تھا۔ رات کے وقت مجھ سے باصرار فرمایا کہ اُوپر جاکر سو جا۔ مجھے تکلّف ہوا۔ حضرت نے فرمایا تکلّف نہ کرو! الغرض حضرت کے اصرار کے باعث میں اوپر کی سیٹ پر جاکر لیٹ گیا۔ حضرت نیچے کی

سیٹ پر لیٹے ہوئے تھے مجھے نیند نہ آئی مگر جب حضرت کو محسوس ہوا کہ میں سو چکا ہوں تو آپ نے اُٹھ کر وضو فرمایا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے"۔ [۱]

(۲۹۲)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ آخری میں کافی عرصہ شدید علیل رہے۔ اس دوران مرض گھٹتا بڑھتا رہا۔ ایک مرتبہ مرض بڑھا وہ بھی اس قدر کہ شب و روز یکساں نہایت اضطراب کے عالم میں گذرنے لگے۔ اگرچہ آپکی لغت میں آرام ایک بے معنی لفظ سے زیادہ اہمیّت نہ رکھتا تھا۔ لیکن اب آپ مجبور تھے کہ تمام مشاغل سے کنارہ کشی اختیار فرمائیں اور بستر سے جدا نہ ہوں مگر یہ مجبوری خارجی مشاغل تک محدود تھی لیکن تسبیح و تہلیل، ذکر و عبادت کا سلسلہ اب بھی جاری تھا بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سنن و مستحبات تک کی پابندی بدستور تھی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ بغیر سہارا بیٹھ نہ سکتے تھے مگر غذا کے وقت تکیہ سے علیحدہ ہو جانا ضروری تھا۔ سب کا اصرار ہوتا کہ تکیہ کی ٹیک لگا کر کھانا کھالیں مگر صاف فرما دیتے :۔

"نہیں بھائی! یہ سنّت کے خلاف ہے"۔ [۲]

(۲۹۳)

مالٹا سے رہائی کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی

---

[۱] بروایت مفتی ظفیر الدین صاحب [۲] بروایت مولانا رشید الوحیدی

رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشفق استاذِ محترم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تو آپ کی جاں نثاری، مجاہدانہ کارناموں اور استاذِ محترم کے ساتھ والہانہ تعلق سے پورا ملک متاثر تھا۔ آپ کا قافلہ بمبئی سے دہلی ہوتا ہوا دیوبند روانہ ہوا اور بمبئی سے دیوبند تک کے تمام اسٹیشنوں پر قوم نے جس انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا اُسکی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں خصوصاً دہلی کے اسٹیشن پر تا حدِ نظر انسانی سروں کا جنگل نظر آتا تھا اور لوگ وفورِ جذبات سے اس طرح بے قابو ہو گئے تھے کہ اسٹیشن کا تمام نظام ہی درہم برہم ہو گیا تھا۔ سلطان الانقلاب زندہ باد اور اللہ اکبر کے نعروں کی یہ کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا تھا عمارتیں پھٹ جائیں گی۔ اسٹیشن پر انگریز افسران اور کثیر تعداد میں فوج اور پولیس موجود تھی۔ ان اللہ والوں کا قافلہ جب رات کے وقت نو بجے دیوبند پہنچا تو یہاں بھی لوگوں کے جذبات کی عجیب کیفیت تھی۔ یہ حضرات پہلے دارالعلوم تشریف لائے اور وہاں سے تقریباً گیارہ بجے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دولت کدہ پہنچے۔ حضرت شیخ الہند رحؒ اور آپ کا خاندان پہلے ہی سے حضرت شیخ الاسلام مدنی رحؒ کا نہایت گرویدہ تھا اور اسارتِ مالٹا کے زمانہ میں آپ نے جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال خدمت فرمائی اسے دیکھتے ہوئے ہر شخص کا قلب آپ کے بارے میں جذباتِ عقیدت میں لبریز ہو جاتا تھا یہاں تک کہ حضرت شیخ الہند رحؒ کی اہلیہ محترمہ جو نہایت ضعیف اور بیمار تھیں اس حد تک متاثر ہوئیں کہ فرمایا کہ :-

"میں چاہتی ہوں کہ میرا فرزند حسین میرے سامنے آئے اور میں اس کی بلائیں لوں"

یہ بات حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے کہی گئی تو آپ نے نہایت رقّت انگیز لہجہ میں فرمایا کہ:۔

"واقعی! اگر میرا بیٹا ہوتا تو وہ بھی اس قدر میری خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا میرا دل بھی چاہتا ہے کہ وہ تمھارے سامنے آجائے مگر یہ سوچ لو کہ ایسا کرنا شریعت کے خلاف ہے اور تمھیں گناہ ہوگا"

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ نہایت دیندار تھیں انہوں نے اپنا خیال ترک فرمادیا اور پسِ پردہ بیٹھ کر اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا اور گفتگو فرمائی۔ ؎[۱]

(۲۹۴)

قیامِ آسام کے زمانے میں تہجد اور تراویح کے درمیان ایک مجلس ہوتی تھی جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مہمانوں کے سامنے آسامی پھل (پپیتا وغیرہ) پیش کرتے اور خود بھی شریک ہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمّد جلیل صاحب نے عرض کیا:۔

"حضرت! آپ اس مجلس کو موقوف فرمادیں اور تھوڑی دیر آرام کر لیا کریں"

حضرت شیخ مدنی رح نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"حضرات! اتنی دور دراز سے آتے ہیں۔ یہی اُن کی ملاقات کا وقت ہے اپنے آرام کی خاطر کس طرح اس مجلس کو موقوف کر دوں۔ نہیں مجلس بند نہیں کی جائے گی"۔ ؎[۲]

---

[۱] تذکرہ شیخ مدنی رح [۲] انفاس قدسیہ

اور اُن کے کپڑوں کی گٹھڑی دیکھی۔ تقدیر سے صاحبزادہ کی گٹھڑی بھڑکدار نکلی۔ آگ بگولہ ہو گئے کہ:-

"اوہو اس بھڑکدار گٹھڑی میں آپ کا لباس رکھا جاتا ہے۔

کپڑے تہ ہوتے ہیں۔ یہ اچکن بھی تہ ہوا رکھا ہے"

غرض سب کپڑوں کو کھول کھول کر صحن میں پھینک دیا۔ جب متبعین کی یہ حالت ہے تو مقتداؤں کی حالت سے کیا تعجّب ہے (کہ ان میں تکلف نام کو نہ تھا) لے

(۲۹۵)

ملتان کے ڈپٹی کمشنر مختار مسعود نے اپنے ایک قریبی دوست کی وساطت سے امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی خواہش کی۔ اس کے امیر شریعت سے بھی گہرے مراسم تھے۔ اس بھروسے پر متعلقہ شخص نے ڈپٹی کمشنر سے وعدہ کر لیا کہ وہ امیر شریعت رح کو کسی دن اُن کے پاس لے آئے گا۔ چنانچہ امیر شریعت رح سے ڈپٹی کمشنر کی خواہش کا اظہار کیا تو فرمایا کہ:-

"کسی دن چلیں گے"

آخر اتوار کا دن مقرر ہوا۔ امیر شریعت رح حسب وعدہ ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی پر پہنچے، مسٹر مختار مسعود بڑے خوش ہوئے اور امیر شریعت کی آمد پر اپنے کمرے کو خاص انداز سے آراستہ کیا ہوا تھا امیر شریعت رح جیسے ہی کار سے اُترے، ڈپٹی کمشنر پذیرائی کے لئے آگے بڑھے۔ کمرے

لے دستور سہارنپور ص ۱۴

میں بیٹھتے ہی ہمہ اقسام مشروبات لائے گئے۔ امیرِ شریعتؒ نے فرمایا:۔
"بھائی! میرے لئے تو سادہ اور ٹھنڈا پانی منگوا دو، بڑی مہربانی ہوگی"۔

ڈپٹی کمشنر نے باصرار کہا:۔
"یہ سارا کچھ بھی تو سادہ ہے"۔

اس پر امیرِ شریعتؒ نے کہا:۔
"اس سادگی پر مجھے غالبؔ کا یہ شعر یاد آگیا ؎
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
میز مشروبات سے سجا رکھی ہے، ساغر و مینا کا سا سماں باندھ لیا ہے اور ابھی یہ سارا کچھ سادہ ہے،
سبحان اللہ!"

کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد فرمایا:۔
"آپ کا حکم نامہ ملا تو سوچا، چلو اسی بہانے اپنا ایک کام ہی کرتا آؤں"۔

اس فقرے سے ڈپٹی کمشنر کو گمان ہوا کہ شاہ جیؒ کوئی ذاتی کام کی بات کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بڑی بے تابی سے ڈی سی نے کہا: "فرمایئے"۔
امیرِ شریعتؒ نے چند کاغذات نکال کر ان کے سامنے رکھے اور فرمایا:۔
"سارے مغربی پاکستان میں تحفظ ختم نبوّت کے دفاتر حکومت نے واگذار کر دیئے ہیں لیکن ملتان کا دفتر ہنوز سر بمہر ہے، اگر یہ دفتر آپ کھولنے کی اجازت دے دیں تو میں ممنون ہونگا"۔

اس کے جواب میں ڈی سی نے کہا :۔

"شاہ جی ! یہ کام تو صوبائی حکومت کی پالیسی سے تعلق رکھتا ہے ۔ البتہ میرے بس میں تو یہ ہے کہ میں آپ کو چھ سات مربعے اراضی دے سکتا ہوں اور اس میں ٹیوب ویل کا انتظام بھی کرا سکتا ہوں"۔

اس بات پر امیر شریعتؒ مسکرائے اور فرمایا :۔

"مختار صاحب ! میں اپنی ذات کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ باقی رہے آپ کے مربعے اور اسکی پیشکش تو اس کے لئے شکریہ !"

یہ کہا اور وہاں سے چلے آئے ۔ یہ اگست ۱۹۵۹ء کی بات ہے ۔[1]

(۲۹۶)

۱۹۵۸ء کے آخر میں انٹرنیشنل تبلیغی مشن لندن کے سیکرٹیری راؤ شیر علی نے حضرت امیر شریعتؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو لندن آنے کی دعوت دی اور اس کے لئے تمام امکانی سہولتیں بہم پہنچانے کا وعدہ کیا ، یہاں تک کہ خود انجمن کے افراد بھی لندن سے دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن حضرت امیر شریعتؒ نے ان حضرات کی درخواست کے جواب میں فرمایا :۔

"بھائی ! اوّل تو میں اپنی صحت کے پیش نظر اس سفر کے قابل نہیں ہوں ۔ اگر ہوتا بھی تو جس (انگریز) نے ڈیڑھ سو برس میرے ملک کو غلام رکھا ۔ اس کا خون چوسا ، اور جاتے وقت

---

[1] حیاتِ امیر شریعت صفحہ ۵۵۴-۵۵۵ ۔

فتنہ و فساد کا ایک تخم چھوڑ گیا کہ برصغیر ہند و پاک کے انسانوں کے مابین کبھی امن قائم ہو ہی نہیں سکتا"۔

دوسرے یہ کہ میں نے اپنی زندگی کے قریباً چالیس برس اُن (انگریزوں) کی مخالفت کی ہے۔ اس بناء پر میرا ضمیر اُس ملک میں جانے کی اجازت نہیں دیتا"۔

اس پر اُن لوگوں نے مزید اصرار کیا تو فرمایا :۔

"بھائی! میں اصول کا آدمی ہوں، اور اسی اصول پر زندگی کے چالیس برس گذارے ہیں"۔

حضرت لاہوری رح کو جب امیر شریعت رح کی اس رائے اور فیصلے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اسی قسم کا جواب دیا [1]

(۲۹۷)

لاہور کے دورانِ قیام بعد نماز عصر حضرت امیر شریعت رح کی قیام گاہ (شاہ صاحب علاج کی خاطر عارضی طور پر لاہور میں قیام پذیر تھے) پر محفل لگتی جس میں علماء فضلاء کے علاوہ شعراء، ادیب، صحافی اور کاروباری حضرات کا ہجوم رہتا۔ اسی طرح کی ایک مجلس میں مولانا ابوالحسنات رح نے سوال کیا :۔

"شاہ جی! آپ کو میٹھا زیادہ پسند ہے یا نمک"

امیر شریعت رح نے جواب دیا کہ :۔

"جو چیز میرے ربّ کو پسند ہو"۔

---

[1] ایضاً ص ۵۵۳-۵۵۴

مولانا ابوالحسنات رح نے فرمایا کہ :-

"رب کو پھر میٹھا زیادہ پسند ہے"

امیر شریعت رح نے ارشاد فرمایا کہ :-

"اگر رب کو میٹھا زیادہ پسند ہوتا تو پہاڑ نمک کے نہ بنائے ہوتے"

اس پر تمام مجلس میں قہقہہ بلند ہوا [۱]

---

[۱] حیات امیر شریعت ص ۵۱۵

آسان عملیات وتعویذات

مرتبہ : عامل کامل اعجاز احمد خان سنگھانوی

قرآن پاک کا اعجاز معرفت

نامرادی سے نجات کیلئے سب سے بڑا سہارا خدائے قدوس کا ہے۔ جب چہار جانب سے پریشانی کے آثار ہوں اور کوئی خاص اہم بات کسی طرح بھی حل نہ ہوتی ہو اور اس کی طرف سے طبیعت ہر وقت پریشان رہتی ہو اور کوئی مونس وغم خوار نہ ہو تو خدائے عزوجل کے کلام ربانی کی مدد سے ہر مشکل انشاء اللہ تعالیٰ ضرور آسان ہو جائے گی۔ خدائے برتر وتوانا کے کلام میں بڑی طاقت ہے۔

سنگ دل حاکم کا، دوست کا، خاوند کا، بیوی کا، افسر کا، ماتحت کا دل نرم کر کے سب کو مطیع اور تابعدار بنانا، آقا وافسر پر قابو پانا، مصیبت سے چھٹکارہ حاصل کرنا، دشمنی کو محبّت سے بدل دینا۔

سفلی، سحر، جادو، ٹونہ، نظر، آسیب اور جن سے نجات حاصل کرنا، تجارتی نفع، امتحان میں کامیابی، قرض کے بار سے سبکدوشی حاصل کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔

سر سے پاؤں تک کی جملہ بیماریوں کا روحانی علاج، نسوانی بیماریوں سے نجات، شادی، بیاہ اور ترقی میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا، شر وفساد

رفع کرنا، رزق کی تنگی دور کرنا، دنیاوی آفات و بلیات سے نجات حاصل کرنا۔ اس کے علاوہ بہت سے کئی عنوانات کے تحت مختلف اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کے تیر بہدف آسان عملیات و تعویذات درج ہیں تاکہ ہر شخص فائدہ حاصل کر سکے۔ خاص خاص عنوانات یہ ہیں۔

مرض معلوم کرنے کا طریقہ، نقش بھرنے کا طریقہ، استخارہ، چور کی شناخت، گمشدہ و مفرور کی واپسی، مکان کیلنا، آسیب و جن دفع کرنا، دفع سحر، حاجت روائی، بواسیر سے نجات، ازالۂ بخار، دفع درد، درد زہ، اولاد نرینہ، قیام حمل، خوفِ حاکم، مرگی کا علاج، بچھو کا جھاڑ، سانپ کے کاٹے کا علاج، پیشاب رُک جانا یا پتھری ہو جانا، دل کا مرض، حصولِ ملازمت، حافظہ تیز ہونا، امتحان میں کامیابی، سنگین مقدمہ، زیادتی، وظیفۂ مشکل کشا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل اولیاء کرام و بزرگان دین کے مجرّب عملیات درج ہیں۔ خاندان حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح، عملیات شاہ اہل اللہ، وظائف مولانا عین القضاۃ لکھنوی رح، عملیات مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح، عمل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین رح، حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی رح، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح، حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رح، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح، علامہ انور شاہ کشمیری رح، حضرت مولانا محمد یٰسین رح، حضرت میاں سید اصغر حسین رح، مولانا شاہ عبد الحق رح، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رح، حضرت مولانا اعزاز علی رح، مولانا دین محمد خاں، بیاض مولانا عبد الحئی داتمی رح بیاض محمد شاہ پھلتی رح، بیاض حاجی عثمان میرٹھی، بیاض قلمی وغیرہ وغیرہ۔ آفسٹ کی کتابت، قلم جلی، خط صاف

سائز ۱۸×۲۳/۸ کل صفحات ۳۲۰ قیمت:- ۴۰/- روپے

معارف شیخ الاسلام مدنی رح

مرتّبہ: اعجاز احمد خاں سنگھانوی۔ ایم۔اے (اسلامیات، تاریخ اسلام، عربی)

حضرت شیخ الاسلام علامہ سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند عظیم عارف باللہ عالم دین تھے۔ درسِ حدیث اُن کا محبوب مشغلہ تھا، رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس سے والہانہ محبّت اُن کا شیوہ۔

عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ آپ عارف باللہ اور عظیم محدّث بھی تھے۔

مختلف اوقات میں لوگوں نے آپ سے مختلف علمی، مذہبی، تاریخی اور متصوفانہ سوالات کئے جن کے جوابات مدلّل و مکمّل عطا فرمائے۔ آپ کے جوابات سہل اور آسان زبان میں تحریر کئے گئے ہیں جن سے ہر شخص بآسانی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ جوابات نہ صرف عوام بلکہ علماء کرام کے لئے بھی مشعلِ راہ ہیں۔ ان میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ لاجواب کتاب ہے۔ ہر شخص کیلئے اس کا مطالعہ انتہائی مفید اور معلومات افزاء ہوگا۔

سائز ۲۰ × ۳۰ / ۱۶ کل صفحات :- ۹۶

آفسیٹ کی طباعت۔ قیمت :- /۵ روپے

آسان عملیات و تعویذات

یعنی

قرآنی علوم و معارف کا اعجاز

مرتبہ

عامل کامل اعجاز احمد خان سنگھانوی

کتب خانہ انور شاہ

۶۸۲/بی۔ حضرت عثمان غنیؓ روڈ۔ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی ۳۱